اختر ہوشیار پوری: احوال و آثار

مقالہ نگار:

وجیہہ شاہین

رجسٹریشن نمبر: IS/6456/MPHILLEDINGTOPHD/UR/A-11/M

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اُردو)

وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، اسلام آباد

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

کلیۂ فنون

شعبۂ اُردو

وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، اسلام آباد

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف آرٹس کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان : اختر ہوشیار پوری: احوال و آثار

پیش کار : وجیہہ شاہین

رجسٹریشن نمبر: Wuu/6454/MPhil Leading to PHD/UR/A-11/M

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: اُردو

ڈاکٹر محمد وسیم انجم ------------------

نگران مقالہ

بیرونی ممتحن ------------------

چیئرمین شعبہ اُردو ------------------

ڈین

فیکلٹی آف آرٹس ------------------

اقرار نامہ

میں وجیہہ شاہین، حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، اسلام آباد کے پی ایچ ڈی سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد وسیم انجم کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔

دستخط: ____________________

(وجیہہ شاہین)

مقالہ نگار

وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، اسلام آباد

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ مقالہ نگار **وجیہہ شاہین** نے اپنا مقالہ بعنوان **"اختر ہوشیار پوری: احوال و آثار"** میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ مقالہ نگار نے ذاتی کاوش اور انتہائی محنت سے اپنا کام مکمل کیا ہے۔ میں مقالہ نگار کے تحقیقی اور تنقیدی معیار سے مطمئن ہوں۔ مزید برآں سفارش کی جاتی ہے کہ مقالہ ہذا کو جانچ کے لیے ممتحنین کو بھیج دیا جائے۔

ڈاکٹر محمد وسیم انجم

نگران مقالہ

تاریخ: ____________

وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، اسلام آباد

فہرست ابواب

دائرہ کار

کورس ورک کی تکمیل کے ایک اہم مرحلہ موضوع کا انتخاب ہوتا ہے۔موضوع کے انتخاب میں دلچسپی شرطِ اوّلین ہوتی ہے۔شاعری سے لگاؤ ہونے کی وجہ سے موضوع کے انتخاب کی ایک سمت واضح تھی۔یہی وجہ ہے کہ اساتذہ سے مشاورت کے بعد مقالے کے موضوع کے لیے اردو ادب کے اہم شاعر اختر ہوشیارپوری کا انتخاب کیا گیا۔

اختر ہوشیارپوری نے غزل میں ایک خاص اسلوب کی طرح ڈالی۔وہ بنیادی طور پر غزل گو تھے تاہم انہوں نے نعت، مرثیہ، ہائیکو اور نظمیں بھی گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں مگر اپنے فن کے سہارے صدیوں تک اردو ادب میں زندہ رہیں گے۔ اختر ہوشیارپوری کے حوالے سے کام کرنے والوں میں رشید نثار اور عائشہ سلام اہم ہیں تاہم اختر ہوشیارپوری کی ادبی زندگی اور ان کے فن شاعری کے حوالے سے کئی ایک پہلو ایسے تھے جن پر کوئی کام نہ کیا گیا تھا۔اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ''اختر ہوشیارپوری:احوال و آثار''بطور موضوع کے انتخاب کیا گیا تاکہ ان کی ادبی زندگی اور ان کے فن شاعری کا مکمل احاطہ کیا جاسکے۔

اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اوّل ''اختر ہوشیارپوری کی داستانِ حیات'' کے عنوان سے ہے جس میں ان کے خاندانی پس منظر، تعلیم و تربیت، عملی زندگی کا آغاز، ادبی زندگی کا آغاز، ادبی سرگرمیاں، تصانیف، ادبی خدمات و اعزازات کے بارے بیان کیا گیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی شخصیت و فن پر مختلف ادباء و شعراء کی آراء پیش کی گئی ہیں۔

باب دوم ''اختر ہوشیارپوری بحیثیت غزل گو''کے عنوان سے ہے۔جس میں اختر ہوشیارپوری کی غزل کے فکر و فن، اختر ہوشیارپوری کی غزل کا اسلوب، اخترہوشیارپوری معاصرین کی نظر میں اور غزل گوئی میں مقام و مرتبہ کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔

باب سوم ''اختر ہوشیارپوری بحیثیت نعت گو'' کے عنوان سے ہے۔جس میں اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری اور نعت گوئی میں اختر ہوشیارپوری کے مقام و مرتبہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

باب چہارم ''اختر ہوشیارپوری کی دیگر ادبی خدمات'' کے عنوان سے ہے۔جس میں اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں مختلف تجربات، اختر ہوشیارپوری کی مرثیہ نگاری، ہائیکو نگاری اور نظم نگاری کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

باب پنجم ''اجمالی جائزہ'' کے عنوان سے ہے۔جس میں ابتدائی ابواب میں زیر بحث لائے گئے موضوعات کا مجموعی جائزہ لے کر محاکمہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس حوالے سے نتائج کو پیش کیا گیا ہے۔

اظہارِ تشکر

مقالے کی تکمیل پر میں خداوند تعالیٰ کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے یہ صلاحیت عطا کی۔اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے میرے اندر تعلیم کا ذوق جگایا اور مجھے بہتر تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے۔خصوصاً میں اپنی والدہ محترمہ کی بہت شکر گذار ہوں جنہوں نے میرے لیے ماں اور باپ دونوں کا کردار ادا کیا۔جیسا کہ میرے والد صاحب کی وفات میرے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے۔(آمین)۔جب کہ اس وقت میں دوسری کلاس میں زیر تعلیم تھی۔مگر میری والدہ صاحبہ نے مجھے کبھی کوئی کمی محسوس نہ ہونے دی بلکہ میرے لیے ہر طرح کا سہولت مہیا کی اور مجھے مسلسل دعاؤں سے نوازتی رہی ہیں۔جن کی بے لوث دعاؤں سے آج مجھے یہ کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

کورس ورک کے دوران مجھے بہت سے شفیق اساتذہ سے پڑھنے کا موقع ملا جن میں ڈاکٹر محمد وسیم انجم، ڈاکٹرمنور ہاشمی، ڈاکٹر سید عون ساجد نقوی، ڈاکٹر ناہید قمر، ڈاکٹر فہمیدہ تبسم اور ڈاکٹر گوہر نوشاہی شامل ہیں۔میں ان سب اساتذہ کی تہہ دل سے مشکور ہوں جن کے زیر سایہ میں نے کورس ورک کے مراحل طے کیے اور تحقیق کے مرحلہ تک پہنچی۔

ڈاکٹر روشن آرا راؤ جومیرے اس مقالے کی نگران تھیں تاہم مقالے کی تکمیل سے قبل ان کا انتقال ہو گیا جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے (آمین)۔میں ان کی ہمیشہ شکر گزار رہوں گی کہ جو وقت مجھے ان کے زیرسایہ تحقیق کا نصیب ہوا اس کے دوران انھوں نے مجھے ہمیشہ مفید مشوروں سے نوازا۔

ڈاکٹر روشن آراء راؤ کی وفات کے بعد میرے مقالے کے نگران ڈاکٹر محمد وسیم انجم ہیں۔میں نہایت قابل احترام ڈاکٹر محمد وسیم انجم کی تہہ دل سے مشکور ہوں جنھوں نے مجھے اس کٹھن سفر میں قدم بہ قدم رہنمائی فرمائی۔انھو ں نے مشفقانہ انداز اور وسعت قلبی سے میری تمام کوتاہیوں اور غلطیوں سے درگزر کرتے ہوئے ہمیشہ میری اصلاح فرمائی۔میرے مقالے کی تکمیل ان کے بے شمار احسانات سے زیر بار ہے۔

میں اپنے بہن بھائیوں کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری مدد کی اور میرے لیے دلی دعا گو رہے۔میں خصوصاً اپنے پیارے بھائی خالد حسین کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے میں آج اس مقام پر پہنچی ہوں۔جنہوں نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی اور دعاؤں سے نوازا بلکہ اس تمام دورانیے میں وہ اپنے پورے خلوص اور سچی محبت سے سایہ کی طرح میرے ساتھ رہے اور میرے لیے ہر طرح کی آسانی پیدا کی۔اسی طرح سے میں اپنی بڑی باجی عارفہ عامر کی انتہائی مشکور ہوں جو میرے لیے دن رات دعا گو رہیں اور میری ہمت کو پست نہ ہونے دیا۔میں خصوصی شکریہ ادا کرتی ہوں اپنی بھابھی آصفہ خالد کا جنہوں نے بہنوں سے بڑھ کر میرے لیے آسانیاں پیدا کیں اور ہرطرح کا بھرپور تعاون کیا۔ان سب کے ساتھ شکرگزاری میں اپنی بھانجی شائستہ رانیہ اور اپنے بھتیجے عمر مصطفی کو کبھی نہیں بھول سکتی جنہوں نے میرے لیے اپنے پیارے ننھے معصوم دلوں سے بہت دعائیں کیں اور ہمیشہ میرے مدد گار رہے۔

ہائر ایجوکیشن کمیشن میں اپنے کولیگز کی بے حد مشکور ہوں جن کا تعاون دوران تحقیق ہمیشہ شامل حال رہا۔خصوصاً ارم صبا، شریں ناز،سعدیہ حنیف، راجہ عادل عباس اور سید انور علی شاہ صاحب کی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے ہمیشہ میرے لیے آسانیاں پیدا کیں۔

اس کے علاوہ ان تمام کلاس فیلوز،دوستوں اور احباب کی شکر گزار ہوں جن کا تعاون اور مدد مقالے کی تکمیل میں کسی بھی درجہ میں حاصل رہی۔میرے دوستوں عائشہ، مہرین، تہمینہ، طاہر نواز،جاویداقبال اور کزن طاہرہ مسعود کا بہت شکریہ جنہوں نے ہمیشہ میری کامیابی کے لیے ڈھیروں دعائیں کیں اور میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

ان کے علاوہ ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد کے لائبریری اسسٹنٹ امتیاز صاحب کی دل سے مشکور ہوں جنہوں نے پورے مقالے کی تکمیل کے دوران کتابیں تلاش کرنے میں ہمیشہ دل کی خوشی سے مدد فرمائی۔

میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کی سنٹرل لائبریری کے عملے کی شکرگزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ بھرپور تعاون کیا۔علاوہ ازیں میں اپنے عزیز دوست محمد اسماعیل جوئیہ کی مشکور ہوں جنہوں نے مجھے کتابیں میسر کرنے میں میری مدد کی اور ہمیشہ میری حوصلہ

افزائی کرتے رہے۔سب کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ میں دل سے عمر فاروق علوی صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے بہت محنت سے میرا مقالہ ٹائپ کیا۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر اللہ کریم کا شکر بجا لاتی ہوں۔جس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اعلیٰ کامیابی سے نوازا اور مجھے مقالہ مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔(الحمد للہ علیٰ ذالک)

ABSTRACT

Akhtar Hushiar Puri is a most prominant Poet of Ghazal, Naat, Nazam, Haiku and Marsiya in the history of Urdu Litrature. He has significant marks in style and new experiement of subjects.Although he is not alive today but his work will remain alive in comming centuries. In this thesis, research work is made on his life, work and impacts on Urdu Litrature.

There are five chapters in this research work, the first chapter is the Introduction to Akhtar Hushiar Puri and discussion about his life, profession, literary works, honours etc. Opinions of critics also added in this chapter.

Second chapter is about the Ghazals of Akhtar Hushiar Puri breif discussions are made about his style, subject and Art of Ghazal.

The third chapter is about "Naat Goi"of Akhtar Hushiar Puri, his uniqueness in this genre and his different experiements.

The Fourth chapter is about other literary contributions of Akhtar Hushiar Puri. In this chapter, discussions are made about his Nazam, Haiku and Marsiya.

The last chapter is about the results which are made in early chapters and effort has been made to sum up the whole discussion and to discribe impacts of Akhtar Hushiar Puri on Urdu poetry.

باب اوّل

اختر ہوشیارپوری کی داستانِ حیات

باب اوّل

اختر ہوشیار پوری کی داستانِ حیات

شخصیت:

"Personality"(۱) جس کے لیے اردو زبان میں ''شخصیت'' کا لفظ رائج ہے۔ لاطینی زبان کے لفظ "Perssonax" سے مشتق ہے، جس کے معنی ''نقاب'' کے ہیں۔ روزمرہ زندگی میں ہم جس قسم کا کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ ہماری شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ یعنی ظاہری کردار شخصیت کا خارجی پہلو یا نقاب ہوتا ہے۔ اس کا ادراک دوسرے لوگ کرتے ہیں، گویا شخصیت ان خارجی افعال و کردار کا نام ہے جو ہم عام زندگی میں اپناتے ہیں۔ لفظ ''شخصیت'' کئی مفاہیم کا حامل ہے۔ شخصیت فرد کی پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ ظاہری اعمال اور باطنی کیفیت کے مجموعے کو شخصیت کا نام دیا جاتا ہے۔

سوروکن (Sorokin) کے خیال میں

> ''شخصیت معاشرے اور ثقافت کی پیداوار ہے۔''(۲)

پروفیسر عبدالحئ علوی شخصیت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

> ''شخصیت انفرادی اوصاف کا ایک ایسا بے مثل نظام ہے جو انسان کے عمومی (روزمرہ کے) کے کردار کو متعین کراتا ہے جو شخص نارمل حالات میں عام طور پر جس قسم کے کردار کا مظاہرہ کرتا ہے، وہی اس کی شخصیت ہے۔''(۳)

ہر ایک شخص شخصیت نہیں ہوتا، شخص کو شخصیت بننے میں بہت وقت لگتا ہے لیکن جب کسی شخص کو شخصیت کا سنگھاسن نصیب ہو جاتا ہے تو وہ امر ہو جاتا ہے۔ شخص کو فنا ہے شخصیت کو نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اسے ایسے نمایاں اوصاف سے نوازا کہ ہر ایک شخص کی شخصیت دوسرے سے الگ اور منفرد نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ دو جڑواں بھائیوں جن میں ارثی مادے ایک جیسے ہوتے ہیں اور وہ ایک ہی ماحول میں پرورش پاتے ہیں ان کے شخصی اوصاف بھی قطعاً یکساں نہیں ہوتے۔ شخصیت انسان کے منفرد اوصاف کی میکانکی تنظیم اور وحدت کا نام ہے۔ ایک شخص کی شخصیت میں جو عناصر بنیادی کردار ادا کرتے ہیں یا جو عوامل شخصیت پر سب

سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں وہ دو ہیں ایک توارث اور دوسرا ماحول، یہ داخلی و خارجی عناصر کا منبع و ماخذ ہیں اور شخصی سیرت و کردار میں حصہ لیتے ہیں۔پروفیسر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''فرد کی شخصیت ایک بیج کی مانند اگتی، بڑھتی، پھولتی اور پھلتی ہے، خانگی و معاشرتی ماحول وہ زمین ہے جس کا رس چوس کر شخصیت کا بنیادی جوہر بیج کے اکھوے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔تعلیم و تربیت کی آب و ہوا اور عصری حالات و تحریکات کی کھلی فضا میں شخصیت کا پودا رفتہ رفتہ پروان چڑھتا اور برگ و بار لاتا ہے جس طرح پورے درخت کا وجود جوہری صورت میں مرتکز ہوتا ہے۔اسی طرح ہر فرد کی خلقت میں کچھ بنیادی عناصر ہوتے ہیں جس میں سے بعض اسے اپنے اجداد سے وراثتاً ملتے ہیں۔''(۴)

کسی شاعر، ادیب، دانشور یا کسی بھی قابل ذکر شخصیت کے ذہنی ارتقاء کا جائزہ لینا چاہیں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کی ذات پر اس ماحول کے اثرات کیا مرتب ہوئے، جس میں اس نے زندگی بسر کی۔اور خداداد صلاحیتیں کیا کیا تھیں، جو نسلی اور خاندانی طور پر اسے ودیعت کی گئیں۔یہاں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ گوہر شخص کی ایک شخصیت ہوتی ہے لیکن اگر وہ نمایاں نہیں تو قابل ذکر ہیں۔شخصیت معروف معنوں میں وہی ہو گی جو موثر ہو منفرد ہو۔نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

''زندگی کے شہر میں اولاد آدم کے انبوہ پائے جاتے ہیں، ان میں ہر آن کچھ تعداد پردہئ عدم کے پیچھے چلی جاتی ہے اور اپنے سے زیادہ پیچھے چھوڑ جاتی ہے مگر ان میں مجسمہ ہائے خوبی ہو گئے ہیں، اشخاص کروڑوں ہوتے ہیں لیکن شخصیت کم میں پائی جاتی ہے اور پھر ان میں تابناک شخصیتیں تو اکا دکا سامنے آتی ہیں۔''(۵)

اختر ہوشیارپوری کی شخصیت

اُردو ادب میں بہت ساری ادبی شخصیات کا تعلق بھارت کے صوبہ پنجاب یا اس سے ملحقہ علاقے سے ہے۔اس طرح اختر ہوشیار پوری جو ادبی اعتبار سے ایک قدر آور شخصیت ہیں۔ان کا تعلق بھی صوبہ پنجاب کے ضلع ہوشیار پور سے ہے۔بنیادی طور پر یہ علاقہ غیر آباد تھا مگر ایک پٹھان

ہوشیار خان نے اس علاقے کو آباد کرنا شروع کیا۔آہستہ آہستہ آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور بہت ساری زمینیں آباد ہو گئیں۔عائشہ سلام اپنی کتاب میں ہوشیار پور کے نام کے حوالے سے کہتی ہیں۔

''شیخ سندھے خان نے اس جگہ اپنے دفاتر اور رہائش گاہیں تعمیر کی تھیں، اس کی اہمیت اور آبادی میں اضافہ ہوا پھر اس جگہ کا نام ''ہوشیارپور'' پکارا جانے لگا۔''(٦)

ہوشیار پور کے لوگ زیادہ تر علم طب اور قانون میں دلچسپی رکھتے تھے مگر کچھ لوگوں کا روزگار تجارت، فوج اور پولیس جیسے محکموں سے بھی تھا۔شیخ قوم کا زیادہ تر تعلق قانون اور وکالت سے تھا۔پٹھان قوم بھی اس علاقے میں آباد تھی۔اس علاقے میں اور بہت ساری قوموں کا بھی مسکن تھا۔ہندو، سکھ اور مسلمان تینوں مذاہب کے لوگ اس علاقے میں پائے جاتے تھے۔اس علاقے کا حدوداربعہ بیان کرتے ہوتے عائشہ سلام لکھتی ہیں۔

''یہ ضلع جالندھر سے شمال مشرق سے ۵۲ میل کے فاصلے پر کوہستان شوالک کے دامن میں واقع جالندھر ڈویژن میں شامل تھا۔اسکے علاوہ شمال مشرق میں کانگڑہ، دھم شالہ، بلاسپور، اور دیگر ہندو پہاڑی ریاستیں آباد تھیں۔جنوب میں دریائے ستلج اور ضلع لدھیانہ اورانبالہ کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔جنوب مغرب میں جالندھر اور ریاست کپور تھلہ اور شمال مغرب میں دریائے بیاس واقعہ ہے۔اس کی لمبائی شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف ۴۹میل اور چوڑائی تین میل تک ہے۔اس کی حدودتعین قدرتی طور پر دریائے ستلج اور بیاس تھا''(۷)

پنجاب کے ۲۳۱ اضلاع میں آبادی کے اعتبار سے یہ ضلع جالندھر چوتھے نمبر پر ہے جبکہ رقبے کے لحاظ سے یہ بائیسویں نمبر پرہے۔مسلمانوں کی آبادی اس ضلع میں دیگر مذاہب سے قدرے کم تھی مگر مسلمان مالی اعتبار سے بہت مضبوط اور کھاتے پیتے تھے۔لارڈ ہارڈنگ نے جالندھر کے تمام میدانی اور پہاڑی علاقوں کو اپنے قبضے میں لے لیا اور ایک انگریز سر جان لارلئی کو اس علاقے کا کمشنر مقرر کر دیا۔کچھ عرصے کے بعد جالندھر اور دوآبہ کو تین اضلاع اور ایک ریاست میں تقسیم کردیا۔جس میں مقیم جالندھر، ہوشیار پور، کانگڑہ اور ریاست کپور تھلہ شامل تھیں۔پھر اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہوشیار پور کو ایک الگ ریاست کی حیثیت دے دی۔

ضلع ہوشیار پور چار تحصیلیں ہوشیار پور، گڑھ شنکر، دسوہا اور اوند پر مشتمل تھا۔اس ضلع کا زیادہ تر رقبہ چھوٹے بڑے ٹیلوں اور پہاڑیوں پر مشتمل تھا۔جالندھر اور ہوشیار پور کی تہذیب و ثقافت، رہن سہن، زبان اور معاشرت تقریباً ایک جیسی تھی۔لوگوں کا لباس اور اس علاقے میں کام کاج آپس میں کافی حد تک ملتے جلتے تھے۔ذرائع آبپاشی کے لئے اس علاقے میں ۹نہریں تھیں۔زیادہ تر آبادی کاشتکاری کے پیشے سے منسلک تھی۔اس علاقے کے مشہور پھلوں میں آم، جامن، امرود، بیر، شہتوت، انار، آملہ لسوڑ اور ہڑیڑ ہے۔آموں کی زیادہ اور اچھی پیداوار کے حوالے سے ثمینہ یاسمین اپنے مقالے میں لکھتی ہیں۔

> ''ہوشیارپور زرعی علاقہ ہے اورپنجاب میں آموں کے باغات سب سے زیادہ ہوشیار پور میں تھے، اس لئے اس کو(Garden of Punjab) کہا جاتا تھا''(۸)

اسی بات کی تصدیق عائشہ سلام اپنی کتاب میں یوں کرتی ہیں:

> ''آم تمام پنجاب میں مقبول اور کثرت سے ہوتے تھے۔ان آموں کی سینکڑوں اقسام ہوتی تھیں۔ہر قسم کے آم کی اپنی لذت، شیرینی اور مہک ہوتی تھی اس لیے اس کو Garden of Fruits کہا جاتا تھا۔''(۹)

ہوشیار پور میں ہندوؤں کے ہاں دسہرہ، دیوالی، ہولی اور بسنت کے میلے بہت مشہور تھے اور مسلمان عیدین، محرم کے تعزیے اور عید میلاد النبی ﷺ مناتے تھے۔حضرت شاہ نور جمال کا میلہ اس علاقے کا بڑا اور مشہور میلہ لگتا تھا۔جس میں ایک دن خواتین اور ایک دن صرف مرد جاتے ہیں۔اس میلے میں پورے ہندوستان سے لوگ جوق در جو ق آتے تھے۔ہوشیار پور میں جنگلات بھی کافی تعداد میں پائے جاتے تھے اور ان میں سے ہر قسم کی لکڑی دستیاب تھی۔جو مختلف مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ضلع ہوشیار پور میں دو موسم ہوتے ہیں موسم بہار اور موسم خزاں۔موسم بہار کے آتے ہی ہر طرف شگفتہ پھول اور سبزے سے ہری بھری کیاریاں ہر طرف نظر آتی ہیں۔بارش ہونے کے بعد ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے اور پورا ماحول پھولوں کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے۔مختصریہ کہ وہ ضلع تہذیب یافتہ، تعلیم یافتہ اور شرفا کی آماجگاہ تھا۔

خاندانی پس منظر

اختر ہوشیار پوری کے خاندان کا تعلق کپور خاندان سے تھا۔بنیادی طور پرخاندان ہندو تھا اور ان کے بزرگ کا نام گلاب رائے تھا جو بعد میں اسلامی تعلیم سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ اُن کی ذات شیخ قانون گو تھی۔اسلام قبول کرنے کے بعد گلاب رائے نے اپنا نام ملیح اللہ رکھا۔ خاندانی پس منظر کو اختر ہوشیار پوری کی بیٹی نے اپنے الفاظ میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

> ''ملیح اللہ صاحب کے پڑ پوتے کا نام شیخ غلام قادر تھاجو کہ اس وقت ہندوستان کے چند مشہور طبیبوں میں سے تھے۔یہ میری امی اور ابا جان کے پرداداجی تھے۔دادا جی غلام قادر کے دو بیٹے تھے۔ایک بیٹے حکیم محمدعالم گیر صاحب تھے اور دوسرے بیٹے کا نام مولوی عطا محمد صاحب تھا۔مولوی عطا محمد صاحب میرے ابا جان کے دادا جی تھے۔یہ فاضل دیو بند تھے۔ان کا تعلق درس و تدریس سے تھا۔''(۱۰)

دادا جی مولوی عطا محمد کا مذہب سے دلی لگاؤ تھا۔انہوں نے اسلام کی بہت تبلیغ کی اور گاؤں گاؤں جاکر اسلام کو پھیلانے کی کوشش کرتے اور ان کی کوشش سے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔اختر ہوشیاری پوری کے دادا کے چار بیٹے تھے۔ان کے نام شیخ نور الٰہی، عبدالرحمٰن، فضل الرحمٰن اور عبدالعزیزتھے۔عبدالعزیز اختر ہوشیار پوری کے والد تھے اور سب بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ان چاروں بھائیوں کا تعلق طب سے تھا۔اختر ہوشیار پوری کے والد نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے دوسرے بیچ میں چار سالہ کورس پاس کیا جس کو L.S.M.F کہتے تھے بعد میں اس ڈگری کو M.B.B.S کے نام پکارا جانے لگا۔عبدالعزیز کے دوبیٹے اور دوبیٹیاں تھیں۔پہلی بیٹی کا نام امت الرشید، دوسرے بیٹے کا نام اختر ہوشیار پوری، تیسرے بیٹے کا نام اکرام قمر اور چوتھی بیٹی کا نام امت الرفیق ہے۔ہوشیار پورمیں جہاں اخترہوشیارپوری کے والدصاحب رہتے تھے۔عائشہ سلام کے مطابق اس کا پتہ یوں تھا:۔

''ڈاکٹر شیخ عبدالعزیز صاحب،
شیخوں کا محلہ،
قاضی کی حویلی،ڈبی بازار،
سنہری مسجد روڈ،

ہوشیار پور انڈیا‘‘(۱۱)

نام، بچپن اور تعلیم

اختر ہوشیار پوری اپنے والد کی پہلی اولاد نرینہ تھے۔آپ کی پیدائش پر بہت خوشی منائی گئی۔آپ کی تاریخ پیدائش اور اصل نام کے حوالے سے رشید نثار یوں لکھتے ہیں۔

’’پیدائش: مورخہ ۰۲ اپریل ۱۸۹۱ء

بمقام: ہوشیارپور(مشرقی پنجاب)

نام: عبدالسلام

والد کا نام: شیخ عبدالعزیز جو پیشے کے لحاظ سے ایک ڈاکٹر تھے‘‘(۱۲)

اختر ہوشیارپوری ان کا ادبی نام ہے۔’’اختر‘‘ ان کا تخلص ہے او ہوشیارپوری ان کے علاقے ہوشیارپور سے نسبت ہے۔اختر ہوشیار پوری کا مقام پیدائش صوبہ پنجاب بھارت کا شہر ہوشیار پور ہے مگر قیام پاکستان کے بعد اختر ہوشیار پوری اور ان کے اہل خانہ ہجرت کرکے پاکستان کے شہر راولپنڈی میں آگئے۔اس ہجرت میں جو تکالیف اور صعوبتیں درپیش آئیں۔ان کے متعلق اختر ہوشیار پوری خود یوں لکھتے ہیں۔

’’پاکستان جب تخلیق ہوا تو میرا خاندان بھی لہورنگ ہو گیاتھا۔میرا خاندان آسانی سے نئے ملک میں داخل نہیں ہوا تھا‘‘(۱۳)

راولپنڈی میں اختر ہوشیارپوری کا گھر بنی چوک، فوڈ سٹریٹ کے قریب ہے۔گھر کے سامنے سے ایک مین روڈ گزرتا ہے۔جس کو ۲۰/مارچ ۲۰۰۶ء سے حکومت کی طرف سے’’اختر ہوشیارپوری روڈ‘‘ کا نام دے دیا گیا ہے۔اس روڈ کا افتتاح کرتارپورہ چوک میں ہوا تھا۔باقاعدہ تقریب منعقد کی گئ جو کہ اختر ہوشیارپوری کے گھر پر ہی ہوئی تھی۔ضلع کے ناظم شیخ راشد شفیق صاحب تشریف لائے تھے۔دوست احباب کے علاوہ ادبا اور شعرا بھی تشریف لائے تھے۔اختر ہوشیارپوری کے دوست ان کو گاڑی پر لے گئے جہاں پر اختر ہوشیارپوری کے نام کا بورڈ لگا ہوا تھا۔بورڈ پر لال ربن کا فیتہ لگا رکھا تھا۔اختر ہوشیارپوری نے اس ربن کو کاٹ کر روڈ کا افتتاح کیا۔یوں یہ اعزاز اختر ہوشیارپوری کو ان کی زندگی میں نصیب ہوا۔اس دن اختر ہوشیارپوری بہت خوش تھے اور زیر لب مسکراتے رہے تھے۔اختر ہوشیارپوری کے موجودہ گھر کا پتہ:

اختر ہوشیارپوری

اختر ہوشیارپوری روڈ،

محلہ کرتارپورہ، راولپنڈی

اخترہوشیارپوری نے ابتدائی تعلیم ہوشیار پور سے حاصل کی۔آپ کے والد صاحب کا تعلق شعبۂ طب سے تھا۔والد صاحب نے مختلف شہروں میں اپنی طبّی خدمات سرانجام دیں۔اس سلسلہ میں ایک دفعہ ان کی پوسٹنگ بلوچستان میں ہوگئی تو اختر ہوشیارپوری سنڈیمن ہائی سکول میں ساتویں جماعت میں داخلہ لیا مگر جلد ہی آپ کے والد کا تبادلہ پھر واپس ہو گیا۔اخترہوشیارپوری نے اسلامیہ ہائی سکول ہوشیار پور سے ۱۹۳۳ء میں انٹرمیڈیٹ پاس کیا اور ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کالج ہوشیار پور سے ایف۔اے امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔اختر ہوشیار پوری اپنی تعلیم کو آگے جاری رکھنا چاہتے تھے مگر ہوشیار پور میں ڈگری کالج نہ تھا لہذا آپ علم کی پیاس بجھانے کے لئے لاہور آگئے اور ۱۹۳۷ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کر لیا۔اختر ہوشیار پوری مجموعی طور پر ایک ذہین طالبعلم تھے اور مزاجاً کچھ شرارتی بھی۔زمانہ طالب علمی میں وہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔کالج میگزین کے ایڈیٹر بھی رہے۔اختر ہوشیار پوری سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور کالج کے زمانے میں انہوں نے مسلم فیڈریشن کی بنیاد رکھی۔اس سلسلے میں وہ اپنی ایک کتاب میں یوں لکھتے ہیں۔

> ”میری زندگی طالب علم کی حیثیت سے سکولوں اور کالجوں میں گزری۔میں نے اپنی جنم بھومی کے علاوہ، بلوچستان، لاہور، دہلی اور راولپنڈی کوکھلی آنکھوں سے دیکھاہے۔میں نے سیاست میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد میں حصہ لیاہے۔“(۱۴)

اختر ہوشیار پوری نے ۱۹۳۸ء میں لاہور لاء کالج میں داخلہ لیا۔جب اختر قانون کی ڈگری حاصل کرنے کی تگ و دو میں تھے اس وقت ایل ایل بی کورس ۳سال پر محیط تھا مگر بعد میں دو سال کا ہو گیا۔مرزا ادیب، تابش صدیقی، نسیم حجازی اور مختار صدیقی آپ کے کلاس فیلو تھے اور ان سب کے ساتھ آپ کے بڑے اچھے مراسم تھے جبکہ حمید نظامی، سید ضمیر جعفری اور مولاناعبدالستار نیازی کالج میں ایک سال جونیئر تھے۔اختر ہوشیار پوری کے دوستوں کے حوالے سے ان کی بیٹی عائشہ سلام ایک مزاحیہ واقعہ یوں لکھتی ہے۔

''اباجان کے دوست اورکلاس فیلو ہوسٹل میں ایک ہی کمرے میں قیام پذیر تھے۔ان صاحب کا نام عزیز الرحمٰن تھا۔ان کے بارے میں اباجان بتاتے ہیں کہ عزیز چھٹیوں سے جب ہوسٹل آتا تھا تو مٹھائیاں بنوا کر لاتا تھاکنستر کو تالا لگا کر رکھتا تھا۔کیونکہ اباجان شریر بہت تھے ان کی مٹھائی چرا کر کھا جاتے تھے۔پھر ان دونوں کی خوب لڑائی ہو تی تھی''(۱۵)

اختر شیاری پوری اپنے کالج کے دوستوں سے بہت محبت کرتے تھے۔جس زمانے میں آپ نے وکالت کا امتحان پاس کیا اس وقت آزادی کی تحریک خوب زوروں پر تھی۔سیاست عام ہو رہی تھی۔افراتفری کا منظر تھا۔لاہور اسلامیہ کالج اس تحریک کا بہت بڑا گڑھ تھا۔خاص طور پر اس کالج کے طالب علم چودھری رحمت علی کے تصور پاکستان سے بہت متاثر تھے۔انھوں نے ہی پاکستان کا نام تجویز کیا۔اس زمانے میں ہی مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کی بنیاد رکھی گئی۔اختر ہوشیار پوری کے چھوٹے بھائی قمر اکرام اور یونس سعید اس فیڈریشن کے بانی تھے۔اس فیڈریشن میں تابش صدیقی نے بھی بھر پور حصہ لیا۔اس فیڈریشن کا ذکر کرتے ہوئے عائشہ سلام اپنے چچا کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

''جب قائداعظم اسلامیہ کالج میں رونق افروز ہوئے تھے چاچا جی نے بہت پرجوش تقریریں کی تھیں۔''(۱۶)

اختر ہوشیار پوری کو بھی سیاست سے دلچسپی تھی مگر ان کا زیادہ تر جھکاؤ ادب، تاریخ اور قانون کی طرف تھا۔اختر ہوشیار پوری اپنے بھائی کی ہر حوالے سے مدد فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی کر تے تھے۔سیاسی معاملات میں اختر نے اپنے چھوٹے بھائی قمر اکرام کا بہت ساتھ دیا اور اچھے اچھے مشوروں سے نوازا۔

اختر ہوشیار پوری کے اساتذہ میں ڈاکٹر غلام جیلانی کا نام بہت اہم ہے جو آپ کے فارسی کے استاد تھے، بعد میں ڈاکٹر غلام جیلانی نے اختر ہوشیار پوری کی خالہ زاد بہن سے شادی کر لی تھی۔غزل کے حوالے سے اختر ہوشیار پوری مضامین کے اعتبار سے احسان دانش کی غزل کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔اختر ہوشیار پوری نہایت اچھے انسان تھے۔دبلے پتلے مگر نہایت ذہین اور چست تھے۔تمام معاملات میں بڑی گہری دلچسپی لیتے۔لوگوں کے ساتھ لین دین میں بڑے صاف گو اور

شریف انسان تھے۔ کبھی کسی کو دھوکا نہ دیتے تھے اور نہ ہی کسی سے جھوٹ بولتے تھے۔ان کی بیٹی عائشہ سلام اپنے والد کے بارے میں کہتی ہیں۔

''ابا جان کی تربیت بہت ہی خاص ماحول میں ہوئی تھی۔ہمارا گھرا نہ علم و ادب اور شرافت کا علمبردار تھا۔اباجان نے ہمیشہ اپنی خاندانی شرافت کو مدنظر رکھا۔ہمارے شجرے میں خاندانی قابلیت، فقر اور درویشی تھی۔ابا جان خامو ش طبع، دیانت و صداقت کا مجسمہ، حد درجہ نیک، مخلص اور ہمدرد شخصیت کے مالک تھے۔''(۱۷)

ملازمت/ عملی زندگی

اختر ہوشیار پوری نے لاء کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۳۴۹۱ء میں جی۔ایچ۔کیو کے ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کی مگر یہ ملازمت زیادہ دیر نہ چل سکی اور انہوں نے اس ملازمت سے استعفیٰ دے کر وکالت شروع کر دی۔بھارت میں انہوں نے وکالت شروع کی مگر آزادی کی تحریک کی بدولت کوئی اچھی پریکٹس نہ ہوئی لیکن ہجرت کے بعد پنڈی میں آکر ان کی وکالت خوب چمکی۔اختر ہوشیارپوری کو معاشی استحکام کی ضرورت تھی۔انہوں نے وکالت کا شعبہ اپنایا۔مگر انہوں نے شاعری صرف اور صرف اپنے ذوق کی آب یاری کے لیے کی۔وہ شاعری کے ذریعے معاشرے کی اصلاح چاہتے تھے۔

راولپنڈی کی سرزمین اخترہوشیارپوری کے لئے بہت مبارک ثابت ہوئی۔یہاں ان کی پریکٹس بام عروج پہ پہنچی۔اس طرح اختر ہوشیارپوری بہت جلد راولپنڈی کے بہت مشہور وکیل بن گئے۔وہ اپنے کیس میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔انہوں نے وکالت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔وہ دن رات اپنے مقدموں کا مطالعہ کرتے تھے۔وہ کسی مقدمہ کو بھی چھوٹا مقدمہ تصور نہ کرتے تھے۔بطور وکیل ان کی زندگی کا بہت مشہور کیس جعلی نوٹوں کا تھا۔ملزمان نے پولیس کا چھاپہ پڑنے پر جعلی نوٹوں کی مشین تالاب میں پھینک دی۔ان ملزموں میں تین اختر ہوشیارپوری کے کلائنٹ تھے۔فیس لیتے وقت اخترہوشیارپوری بغور مشاہدہ کرنے کے بعد ان سے نوٹ وصول کیے۔انہوں نے احتیاط کی کہ کہیں وہ فیس کی رقم میں جعلی نوٹ ہی نہ شامل کر دیں، گویا یہ واقعہ اختر ہوشیارپوری کی باریک بینی کا ثبوت دیتا ہے۔

اختر ہوشیار پوری کے نزدیک ہر ایک بڑا کیس ہوتا تھا۔وہ کوئی کیس لینے میں دریغ نہ کرتے تھے۔وکالت ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ہرایک کیس بڑی دیانت داری اور ایمانداری سے نمٹاتے تھے۔

اختر ہوشیارپوری بہت تحمل مزاج انسان تھے۔وہ ہر ایک سے بہت اچھے انداز میں بات کرتے تھے۔وہ منکسر المزاج شخص تھے۔اپنے کلائنٹس سے تو بہت ہی عاجزانہ رویہ اپناتے تھے۔کبھی ان کو جھڑکا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے کلائنٹس کی بات بہت غور و توجہ سے سنتے تھے اور مسئلے کا حل بہت سوچ و بچار کر کے اپنی ذہانت سے نکالتے تھے۔دراصل وہ وکالت کے ذریعے خدمتِ خلق کرتے رہے۔زخم خوردہ کے زخم پر مرہم لگاتے رہے۔

اختر ہوشیارپوری کا موکل اپنا کیس ان کے حوالے کر کے بے فکر ہو جاتا تھا اور کیس کی پیروی بہت کم کرتا تھا کیوں کہ ان کو پتہ تھا کہ اختر ہوشیارپوری ایک ذمہ دار وکیل ہیں۔

اختر ہوشیارپوری کی ایمانداری اور منصفانہ رویہ کوجانچ کر عدالت کے جج ان کو خود مقدمے کا فیصلہ تک لکھنے کا کہہ دیتے تھے۔اختر ہوشیارپوری کو بہت زیادہ عزت ملی۔دراصل اختر ہوشیارپوری عزت دینے والے اور عزت سمیٹنے والے انسان تھے۔وکالت کا پیشہ اپنانے کے باوجود انہوں نے شاعری کو ہمیشہ بھرپور توجہ دی۔اگرچہ شاعری اور قانون دونوں مختلف چیزیں ہیں۔مگر انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے نبھائیں۔اختر ہوشیارپوری نے شعر کو فکر کے ترازو پر تولا اور وکالت کے میدان میں منطق سے کام لیا اور یوں دو بے جوڑ چیزوں کو ایک ساتھ بڑے عمدہ طریقے سے برتا۔ اختر ہوشیارپوری نے وکالت کے پیشے کو زندگی اورشاعری کواپنا منصب سمجھ کر نبھایا۔

اخترہوشیارپوری اپنے پیشہ وکالت سے محبت کرتے تھے۔اس لئے کہ ان کے بچوں کا رزق اس پیشے سے وابستہ تھا۔اختر ہوشیار پوری اپنے ہم عصر وکیلوں میں سب سے زیادہ شہرت رکھتے تھے۔اختر ہوشیارپوری اپنے شعبے میں بہت محنتی اور وقت کے پابند انسان تھے۔وہ عدالت میں ہمیشہ وقت پر پہنچتے تھے اور باقاعدہ یونیفارم میں جاتے تھے۔وہ صبح سویرے اٹھتے تھے۔نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور عدالت چلے جاتے تھے۔اختر ہوشیارپوری بہت سادگی پسند انسان تھے۔وہ خاموش طبع مگر مزاجاً نفیس شخص تھے۔وہ عام محفلوں میں دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے مگر عدالت میں کھلم کھلا بلند آہنگ رکھتے تھے۔اس حوالے سے ان کی ایک بہت مشہور نظم ملاحظہ کیجئے جس کو اختر ہوشیارپوری نے ''مصروفیت'' کا عنوان دیا ہے۔

''مجھے تو روز جانا ہے
یہ سڑکیں پار کرنی ہیں
یہ کچی پکی اجلی گندی سڑکیں پار کرنی ہیں
مجھے تو روز جانا ہے
وکالت روز کرنی ہے
کچہری روز جانا ہے
گواہوں کے نئے چہروں کو تک تک کر ہنر کو آزمانا ہے
مجھے اپنا مؤقف پیش کرنا ہے
عدالت کی روا اور نا روا باتیں بھی سننا ہیں
کبھی ریڈر سے مل کر اپنی معذوری پہ تاریخیں بھی لینا ہیں
دیانت اور ذہانت سے دلائل پیش کر کے
رِستے زخموں پر مجھے مرہم بھی رکھنا ہے
چراغ عدل روشن ہو
مجھے اس کے لئے اپنا لہو بھی صرف کرنا ہے
ملائم نرم گفتاری سے سر بھی اونچا رکھنا ہے
نگاہ و دل کو لے کر ساتھ چلنا ہے
غرض جو کچھ بھی کرناہے بڑی ہمت سے کرنا ہے
مجھے جو کچھ کہنا ہے بڑی جرأت سے کہنا ہے
مجھے تو روز جانا ہے
وکالت روز کرنی ہے
کچہری روز جانا ہے''(۱۸)

اختر ہوشیارپوری نے ایمانداری اور سچائی پر مبنی زندگی گزاری۔انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔اختر ہوشیارپوری بعض اوقات کیس بغیر معاوضے کے بھی لڑتے تھے۔وہ فیس کی لالچ نہیں رکھتے تھے۔ انسانیت ان کے سامنے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ وکالت کی مصروفیت کے باوجوداخترہوشیارپوری شعر و شاعری پر باقاعدہ توجہ دیتے تھے۔عائشہ سلام بتاتی ہیں:

"کالے رنگ کا بریف کیس ہوتا تھا جس میں ان کے مقدموں کے لفافے
ہوتے تھے اور ان کے کونوں پر شعر لکھے ہوتے تھے۔"(۱۹)

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ اختر ہوشیارپوری کس قدر شاعری میں شغف رکھتے تھے۔ کبھی کبھار جب عدالت میں رش نہیں ہوتا تھا تو جج صاحبان بھی اختر ہوشیارپوری سے شاعری سن کر لطف اندوز ہوتے تھے۔گویا کچہری کے خشک ماحول کو اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری سے تر کر تے تھے۔یوں تھکے ہوئے ذہنوں کو جلا ملتی تھی۔

اختر ہوشیارپوری نے ۱۹۴۱ء میں ای ایس ای کا امتحان بھی دیا تھا۔ٹیسٹ بھی پاس کر لیا تھا مگر ہندو اکثریت کی وجہ سے وہ انٹرویو سے باہر کر دیے گئے تھے۔اسلام دشمنی غالب آگئی تھی۔

شادی/ازدواجی زندگی

اخترہوشیار پوری نے دو شادیاں کیں۔ان کی پہلی بیوی کا نام ضیاء البدر تھا۔ضیاء البدر سے آپ کی شادی۱۹۴۵ء میں ہوئی۔ضیا البدر ان کے چچا کی بیٹی تھیں۔ضیاء البدر نے ابتدائی تعلیم لاہور کینرڈ سکول اینڈ کالج سے حاصل کی۔ضیاء البدر بڑی ذہین خاتون تھیں۔ان کا تعلق بڑے پڑھے لکھے گھرانے سے تھا۔جب انہوں نے بی۔اے کیا تو اس کے بعد ان کی طبعیت خراب ہو گئی پھر اسی سبب سے وہ مزید تعلیم حاصل نہ کر سکیں۔ضیاء البدر کا ساتھ اخترہوشیارپوری کے لئے بہت اچھاثابت ہو ا۔بیوی کی صورت میں ان کو ایک مخلص دوست حاصل ہو گیا۔اختر ہوشیارپوری اورضیاء البدر دونوں کی آپس میں مکمل ذہنی ہم آہنگی تھی۔

ضیاء البدر بہت مہذب خاتون تھیں۔خاندانی روایات کی پابند اور اخلاق سے پیش آتی تھیں۔ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کے ساتھ محبت کرنا اس کی طبعیت میں شامل تھا۔اردو ادب کے ساتھ لگاؤ اور ادب شناس تھیں۔عائشہ سلام اپنی امی کے بارے میں یوں لکھتی ہیں۔

"امی کو ادب سے بہت لگاؤ تھا۔شاعری کے بجائے نثرکو پسند کرتی تھیں۔
امی نے خود مختلف موضوعات پرمضامین لکھے"(۲۰)

ضیاء البدر بڑی سلیقہ شعار خاتون اور نہایت مخلص عورت تھیں۔اختر ہوشیار پوری جب بھی کوئی غزل لکھتے اپنی بیوی کو سناتے۔شعروں کے قافیہ اور ردیف پر بہت بحث ہوتی۔آپس میں میاں بیوی کا تعلق بہت اچھا تھا۔ضیاء البدر نے کبھی بھی اخترہوشیارپوری کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کیا تھا۔ضیاء البدر سے اختر ہوشیار پوری کی دو بیٹیاں تھیں۔بڑی بیٹی کا نام زاہدہ اور چھوٹی بیٹی کا نام

عائشہ ہے۔زاہدہ آجکل امریکہ میں مقیم ہے۔ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی چھوٹی بیٹی عائشہ سلام راولپنڈی میں اپنے والد کے گھر پہ مقیم ہیں۔

۱۹۶۶ء میں ضیاء البدر کا انتقال ہوا۔اخترہوشیارپوری کی زندگی کے لئے یہ بہت بڑا سانحہ تھا۔ اختر ہوشیار پوری نے ان کی وفات کا ذکر اپنی ایک نظم''مرگ تمنا'' (بیوی کی لحد پر) میں اس طرح کیا ہے:

''میری آرزوؤں امیدوں کا مدفن
یہ مٹی کا ڈھیر
مری عمر رفتہ کا نقش قدم ہے
ادھر سے کوئی جانے والوں سے کہہ دے
کہ آہستہ آہستہ گزریں
دبے پاؤں آئیں
وہ باتیں بھی سرگوشیوں میں کریں
کہ اک پیکر ناز اک جانِ ارماں
(بہت نیند ہلکی ہے جسکی)
یہاں سو رہی ہے
یہاں سو رہی ہے''(۱۲)

ضیا ء البدر کی وفات کے بعد جب دونوں بیٹیا ں اپنے گھروں میں چلی گئیں تو اختر ہوشیارپوری کی دیکھ بھال کرنے والاکوئی نہ تھا تو آپ نے ۶مئی۱۹۷۳ء کو دوسری شادی کر لی۔اختر ہوشیارپوری کی دوسری شادی راحت جان سے ہوئی۔ان کا تعلق رسول پورا افغانیہ ضلع ہوشیار پور سے تھا۔راحت جان بہت نیک سیرت، نیک صورت اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

راحت جان کی شخصیت بڑی پروقار اور سلیقہ شعار تھی۔انہوں نے بھی اختر ہوشیار پوری کی بہت عزت کی اور ان کا ہر حوالے سے بہت خیال رکھا۔وہ ایک صابرہ وشاکرہ خاتون تھیں۔

اختر ہوشیار پوری اور راحت جاں کے تعلقات بھی بہت خوشگوار تھے۔ان کا آپس میں رشتہ بہت مضبوط اور مستحکم تھا۔راحت جان بہت سلجھی ہوئی خاتون تھیں۔جب راحت جان کی شادی اختر ہوشیارپوری سے ہوئی تو اخترہوشیارپوری بہت پریشان رہتے تھے مگر راحت جاں کے آنے سے

اخترہوشیارپوری کی زندگی میں خوشی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔راحت جاں نے بھی آتے ہی بکھرے ہوئے گھر کو سہارا دینے کی بھرپور کوشش کی۔اختر ہوشیارپوری کی بے کیف زندگی کو خوشنمااور رنگین بنا دیا۔اختر اپنے ذاتی کاموں میں بہت مصروف رہتے تھے مگر راحت جاں نے کبھی کوئی شکایت نہ کی بلکہ وہ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھیں۔اختر ہوشیارپوری اپنی وکالت اور شاعری میں مصروف رہتے تھے۔اس وجہ سے وہ راحت جاں کو زیادہ وقت نہ دے پاتے تھے۔مگر وہ حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ لائیں۔

ادبی زندگی کا آغاز

شاعری لطیف جذبوں کے اظہار کا نام ہے۔بنیادی طور پر شاعر معاشرے کا عکاس ہے۔وہ جو کچھ اپنے اردگرد دیکھتا ہے ان کو نہایت اچھے اور خوبصورت انداز میں شعروں میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے بیان کر دیتا ہے۔اخترہوشیارپوری کے اندر کا انسان جو کہ چھوٹی سی ٹھوکر کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ معاشرے میں ہونے والی بداعتدالیوں اور کج رویوں کو کیسے برداشت کرتا۔لہذا جو کچھ انہوں نے محسوس کیا اس کواشعار کی صورت میں صفحہ ئ قرطاس پر بکھیر دیا۔ان کی شاعری کے بارے ان کی بیٹی عائشہ سلام ایک جگہ لکھتی ہیں۔

> ''اباجان نے شاعری کا آغاز ۱۹۳۳ ء میں کیاتھا۔شروع میں ابا جان نے پابند نظمیں کہیں اور نظم معریٰ بھی کہی تھی پھر فارسی میں غزلیں کہی تھیں۔ اردو کو فروغ دینا تھا اس لئے اردو میں کہنے لگے۔''(۲۲)

اختر ہوشیار پوری کے خاندان کا تعلق طب سے تھا لیکن اختر ہوشیارپوری نے اپنے خاندانی پیشہ طب سے انحراف کیا۔شاعری اور علم و ادب کی طرف زیادہ توجہ کی۔اس سلسلے میں آپ کو بہت سی تکالیف اٹھانی پڑیں مگر آپ ثابت قدم رہے۔شاعری کی طرف اختر ہوشیارپوری کا رجحان کیسے ہوا۔عائشہ سلام اس حوالے سے بتاتی ہیں:

> ''اس بارے میں اختر صاحب نے بتایا۔ہوشیار پور کے آم پورے پنجاب میں مٹھاس اور شیرینی کے اعتبار سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔آم کھانے کے لئے مختلف علاقوں کے لوگ ہوشیار پور آتے تھے۔چنانچہ گرمیوں کی چھٹیوں میں جالندھر سے سید محمد علی آزر (شاگر د داغ دہلوی)خان کبیرخان، رس جالندھری، سرفراز خان (استاد حفیظ جالندھری)ہوشیار پور آئے اور ہمارے

گھر قیام کیا۔وہ تقریباً دس دن ہمارے گھر رہے۔ان اساتذہ کے قیام سے
میں فیض یاب ہوا۔ادب سے توپہلے ہی لگاؤ تھا۔ان کے فیض سے مکمل
رجحان شاعری کی طرف ہوگیا۔"(۲۳)

اختر ہوشیار پوری کے والد کو شاعری پسند نہیں تھی۔اس لئے اخترہوشیارپوری کو انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ کوئی اچھی چیز نہیں شاعری میں رجحان کی وجہ سے انسان بیکار ہو جاتا ہے اور کسی کام کا نہیں رہتا۔عزیز و اقارب میں اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔اختر ہوشیارپوری کے والد صاحب کا کہنا تھاکہ شاعری میں گھس کر آدمی کوئی اور کام نہیں کر سکتا لیکن بعد میں جب اخترہوشیارپوری نے تعلیم کو بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا تو والد صاحب مان گئے۔

اختر ہوشیارپوری نے اپنی شاعری کا آغاز نظم سے کیا۔ان کی پہلی نظم "سہیلی" رسالہ میں شائع ہوئی وہ اخترہوشیارپوری کی پہلی نظم تھی۔دراصل وہ نوحہ تھا جو کہ انہوں نے اپنی بہن کی وفات پر لکھا تھا۔

اختر ہو شیارپوری کی شاعری کی اشاعت کے حوالے سے عائشہ سلام اپنی کتاب میں یوں لکھتی ہیں:

"ان کی پہلی نظم ۱۹۳۴ء میں "سہیلی"رسالہ میں چھپی تھی یہ نوحہ تھا۔
انہوں نے اپنی بڑی بہن کے انتقال پر کہی تھی۔"(۲۵)

اختر ہوشیار پوری شروع ہی سے بڑا پختہ اور اچھا کلام لکھتے تھے۔شاعری میں وہ کسی سے اصلاح لینے کے قائل نہ تھے۔اختر ہوشیار پوری نے پہلی بار ۱۹۳۵ء میں ایک مشاعرہ میں شرکت کی اس مشاعرے میں آپ نے جو کلام پڑھا لوگوں نے بڑا پسند کیا اور آپ کو بہت داد ملی۔اس لیے آپ لاہور آگئے۔اخترہوشیارپوری کے ساتھ اس وقت کے مشہور زمانہ شعراء مشاعرے میں شریک ہوتے تھے۔ان مشاعروں میں احسان دانش، سید عابد علی عابد، مولانا تاجور نجیب آبادی، یوسف ظفر، مختار صدیقی،تابش صدیقی، صوفی غلام مصطفی تبسم اور حفیظ ہوشیار پوری،ان کے نام قابل ذکر ہیں۔

اخترہوشیارپوری کو شاعری سے بہت لگاؤ تھا۔انہوں نے مختلف مشاعروں میں شرکت کی۔ یوں وہ مشاعروں میں شریک ہو کر لوگوں کو اپنا کلام سنا کر داد سمیٹتے رہے۔۱۹۳۹ء کے آخر میں ایف سی کالج میں مشاعرہ ہوا۔جس کی صدارت سید عابد علی عابد کر رہے تھے۔اس مشاعرے میں اخترہوشیارپوری نے غزل پڑھی جس پرآپ کو بہت داد ملی۔بعد میں یہ غزل ۱۹۴۰ میں مرزا ادیب

نے ''ادبِ لطیف''میں شائع کی۔اختر ہوشیارپوری کی یہ غزل بہت مشہور ہوئی۔اس حوالے سے بہت سارے شعرا کی آراء عائشہ سلام نے اپنی کتاب میں شامل کی ہے۔جیسا کہ:

''ناصر زیدی صاحب نے فرمایا تھا کہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ شعر اختر ہوشیار پوری صاحب کا ہے کیونکہ شعر آگے نکل گیا اور شاعر پیچھے رہ گیا۔

چمن کے رنگ و بونے اس قدر دھوکے دیئے مجھ کو
کہ میں نے شوق گل بوسی میں، کانٹوں پر زباں رکھ دی

یہ غزل سن کر عابد علی عابد صاحب نے فرمایا تھا کہ اختر تم غزل ہی کہنا کبھی بھی نظم کی طرف مت آنا۔ مولانا صلاح الدین صاحب جو کہ رسالہ " ادبی دنیا " لاہور کے مدیر تھے، شاباش دیتے ہوئے کہا تھا، اختؔر صاحب!آپ توشہنشاہ غزل ہیں۔''(۲۵)

وقت گزرتا گیا اور اختر ہوشیار پوری کی شاعری نکھرتی گئی۔۱۹۴۰ء کے بعد آپ دہلی چلے گئے۔دہلی کے لوگ بڑے ادب شناس تھے۔شاعری سے ان کو بڑی رغبت تھی۔دہلی میں آکر اخترہوشیارپوری کی شاعری کو مزید چار چاند لگ گئے اس طرح اختر ہوشیارپوری نے دہلی میں ہونے والے مشاعروں میں بھی اپنا کلام سنایا اور لوگوں میں بہت مشہور ہوئے۔

دہلی میں ہونے والے ایک مشاعرہ کا واقعہ کچھ یوں تھا کہ اختر ہوشیارپوری نے ایک غزل پڑھی۔حاضرین بہت شوق سے سن رہے تھے اور اختر ہوشیار پوری کو شک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔اختر ہوشیارپوری نے پوچھا تو پتہ چلا کہ ان کی غزل کے بعض اشعار نجمہ تصدق کے نام سے ماہنامہ "زیب النساء" میں حال ہی میں چھپ چکے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اہلِ مجلس کو بتایا کہ میری غزل سال کے اوائل میں ماہنامہ "ہمایوں " لاہور کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔اس کے بعد اختر ہوشیارپوری نے مدیرہ نجمہ تصدق کو ایک شعر لکھ کر بھیجا۔

بس اک غزل کے چرانے سے فائدہ تجھکو
مجھے چرا کہ میں لکھ دوں تجھے ہزار غزل(۲۶)

اختر ہوشیار پوری بہت اچھے اور خوش قسمت انسان تھے۔آپ جہاں جاتے لوگ آپ کوعزت اور احترام سے دیکھتے۔برصغیر میں چھپنے والے بے شمار رسائل و جرائد میں آپ کا کلام چھپا۔

ان میں چند ایک یہ ہیں۔ادبِ لطیف، نقوش، چہارسو، ہمایوں، ادبی دنیا، رومان، سب رس، حیدر آباد دکن ندیم(کانپور)، فنون، اوراق، سیپ، ابلاغ،نیر نگ خیال اورافکار وغیرہ۔اختر ہوشیار پوری اپنا سارا وقت وکالت اور شاعری میں گزار دیتے۔شاعری ان کے لیے جذبہ اظہار کا نام تھا اور قانون سے دلچسپی وکالت کے پیشے کے باعث رکھتے تھے یہی ان کی روزی کا ذریعہ بھی تھا۔

شاعری انسانی جذبوں کی نمائندگی کرتی ہے۔معاشرے میں پیدا ہونے والے بگاڑ،بے راہ روی اور بے ترتیبی کو جب شاعر محسوس کرتاہے تو وہ انہیں جذبوں کو دنیا کے سامنے پیش کر تا ہے۔یہ نثر میں بھی ہو سکتا اور شاعری میں بھی۔جس زمانے میں اختر ہوشیار پوری نے شاعری شروع کی اس وقت رومانوی تحریک دم توڑ رہی تھی اور ترقی پسند تحریک کا آغاز ہو رہا تھا۔لوگوں میں یہ شعور بیدار ہو چکا تھا کہ من گھڑت قصوں اور افسانوی کہانیوں میں کچھ باقی نہیں ہے۔لوگ حقیقت پسند ہو گئے تھے اور سچائی کو پسند کر تے تھے۔مفلسی، بھوک، غربت اور معاشی حالات پر سنجیدہ بحث شروع ہو چکی تھی۔اخترہوشیارپوری نے اس تحریک کے اثرات قبول کئے مگر مکمل طور پر اس تحریک میں آپ نے شمولیت نہ کی۔اختر ہوشیارپوری اس تحریک کے کبھی رکن نہیں رہے تھے۔ وہ آزاد سوچ پر یقین رکھتے تھے۔وہ اپنی فکر پر پابندی قبول نہیں کر سکتے تھے۔

اختر ہوشیار پوری کا تعلق حلقہ ارباب ذوق سے تھا۔وہ اس حلقہ کے رکن رہے اس حلقہ کا پہلا نام ''بزم داستان گویاں'' تھا۔اس کا پہلا اجلاس ۲۹اپریل۱۹۳۹ء کو حفیظ ہوشیار پوری کی زیر صدارت ہوا۔اس اجلاس میں اختر ہوشیار پوری شامل نہیں ہو سکے تھے البتہ آپ کے چھوٹے بھائی اکرام قمر اور تابش صدیقی نے بھرپور حصہ لیا تھا۔بزم داستان گویاں نے اردوادب میں ایک نئے ماحول کو متعارف کروایا۔عائشہ سلام نے اپنے والد کے بارے میں حلقہ کے رکن بننے کے حوالے سے یوں لکھا ہے:

> ''ابا جان کا نام بطور رکن۲جون۱۹۴۱ء کے اجلاس مکان منشی مہتاب الدین میں درج ہواتھا۔'' (۲۷)

اختر ہوشیار پوری حلقہ ارباب ذوق کے اجلاسوں میں جاتے تھے اور اس کے تحت جو مشاعرے ہوتے تھے ان میں بھی شرکت کرتے تھے۔وہاں پر آپ کی ملاقات تابش صدیقی،یوسف ظفر، قیوم نظر،ڈاکٹر محمد حیات اور میرا جی سے ہوتی تھی۔ان سب کے فیض سے اختر ہوشیار پوری کی شاعری کو جلا ملی۔اسی سال ہوشیارپور میں طرحی مشاعرہ منعقد ہوا۔اس میں اختر ہوشیارپوری نے

اپنی ایک غزل سنائی۔اس مشاعرے میں غزل پڑھنے کے بعد اختر ہوشیارپوری کے اندر شعر کہنے کی صلاحیت کو مزید تقویت ملی۔انہی دنوں اختر ہوشیارپوری کے روابط میرا جی سے بھی بڑھے اور دن بدن اختر ہوشیارپوری میں شعر کہنے اور سمجھنے میں ترقی ہوئی گئی۔دہلی میں اختر ہوشیارپوری کی ملاقا ت ن، م راشد، اخترالایمان اور عبادت بریلوی سے بھی ہوئی جن کی محبت میں اخترہوشیارپوری نے بہت کچھ سیکھا تھا۔

اختر ہوشیارپوری نے نہ تو اپنے ادبی سفر میں روایت سے رو گردانی کی اور نہ ہی شعر و ادب کے دامن کوجدید رجحانات سے وسیع کرنے میں بخل اندازی کی۔بلکہ نئے اور تازہ احساسات اور میلانات سے استفادہ کرنے کی کوشش کی۔نئ سوچ اور اس کا اظہار اپنانے، جدید سے جدید تر اسلو ب، فکراور اندازِ بیان ہمیشہ اختر ہوشیارپوری کے مطمع نظر رہا ہے۔

حلقہ ارباب ذوق نے علامت نگاری کو بہت فروغ دیا۔حلقے میں شامل بہت سے ادبا و شعراکے ہاں علامت نگاری کا رجحان ملتا ہے۔اخترہوشیارپوری کی شاعری میں بھی علامت نگاری واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔مکان، پیرہن، حویلی، آندھی، آئینہ اور شہر بدن اخترہوشیارپوری کے کلام میں بار ہا استعمال ہونے والی علامتیں ہیں۔اخترہوشیارپوری کے کلام میں استعمال ہونے والی چند علامتیں شاعری کے پیکر میں یوں ڈھلتی ہیں۔

گرد سی اُڑتی نظر آتی ہے، آندھی ہوگی
دُور تک نقشِ قدم ہیں، کوئی راہی ہوگا(۲۸)

آئینہء ذات دیکھتا ہوں
بارش میں کھڑا، میں بھیگتا ہوں (۲۹)

اندر کی چیزیں اڑ کے فضا میں بکھر نہ جائیں
دروازے آندھیوں میں کبھی کھولتے نہیں (۳۰)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں علامت نگاری اپنی مثال آپ رکھتی ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنے اشعار میں علامتوں کو یوں استعمال کرتے ہیں جیسے نگینے کو انگوٹھی میں جوڑا جاتا ہے۔امین راحت چغتائی، اختر ہوشیارپوری کی علامت نگاری کے حوالے سے یوں کہتے ہیں:

''آئینہ، پتھر، آندھی اور سفر اختر ہوشیارپوری کی شاعری کے عناصر اربعہ ہیں۔''(۳۱)

اختر ہوشیارپوری کی تصنیفات

غزل کے ساتھ ساتھ اختر ہوشیارپوری نے حمد، نعت، سوز و سلام اور ہائیکو نگاری میں میں طبع آزمائی کی۔اختر ہوشیارپوری نے جو اپنے ارد گرد محسوس کیا اس کو شاعرانہ رنگ دے کر صفحۂ قرطاس پر پھیلا دیا۔گویا انہوں نے اپنے خیالات اور محسوسات کو شاعری کے روپ میں ڈھال دیا۔ اختر ہوشیارپوری کی شعری تصانیف کی تعداد ۱۲ ہے۔جن میں گیارہ غزلیہ مجموعے، چھے نعتیہ مجموعے، دو مجموعے ہائیکو کے، ایک نظم کا اور ایک سوزو سلام /مرثیہ پر مبنی مجموعہ ہے۔ان سب مجموعات کا ابتدائی تعارف درج ذیل ہے۔

ا۔ علامت

"علامت"اردو غزل پر مشتمل اختر ہوشیارپوری کا پہلا مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۷۸ء میں ادبی اکیڈمی روالپنڈی نے شائع کیا یہ ۱۶۰صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعہ میں ۹۳ غزلیں ہیں۔اس مجموعہ کلام کا انتساب "اردو غزل کے نام"ہے۔''علامت'' کی ابتدا میں یہ شعر درج ہے۔

''میں پتھروں کے تراشے سجا کے بیٹھا ہوں
کہ جیسے ان کا تعلق غزل کے فن ہی سے تھا''(۳۲)

اس مجموعہ کلام پر اختر ہوشیارپوری کے بارے میں ڈاکٹر رشید نثار اور ڈاکٹر وزیرآغا نے اپنی بھرپور رائے دی ہے۔شروع سے لیکر ۱۹۷۷ء تک کی تما م غزلیں اسی مجموعہ میں شامل ہیں۔عبیدہ رضوی اپنے مقالہ میں اختر ہوشیارپوری کے اس شعری مجموعے کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

''یہ مجموعہ اسم بامسمٰی ہے یعنی انہوں نے اپنے جذبات و احساسات کا بیان علامتوں کے پیرایہ میں کیا ہے۔''(۳۳)

۲۔آئینہ اور چراغ

اختر ہوشیارپوری کا دوسرا مجموعہ "آئینہ اور چراغ ہے جو۱۹۸۵ء میں سنگ میل پبلشرز لاہوروالوں نے شائع کیا۔''آئینہ اور چراغ''۹۸۱ صفحات پر مشتمل مجموعہ ہے۔اس میں غزلوں کی تعداد ۸۶ ہے۔یہ مجموعہ بھی غزلیہ مجموعہ ''علامت'' کی طرح علامتی اسلوب رکھتا ہے۔

اختر ہوشیارپوری کے غزلیہ مجموعہ آئینہ اور چراغ سے لیے گئے اشعار ملاحظہ ہوں:

"مرا تو خون کا رشتہ ہے ان گلابوں سے
یہ کاغذی ہی سہی پھر بھی پھول میرے ہیں
یہ راہ جیسی بھی اخترؔ ہے کٹ ہی جائے گی
کہ ایک میں ہوں مرے ساتھ دو فرشتے ہیں"(۳۴)

۳۔برگِ سبز

برگِ سبز اخترؔہوشیارپوری کا نعتیہ مجموعہ ہے۔اس مجموعے کو ۱۹۸۷ء میں ماڈرن بک ڈپو، آب پارہ، اسلام آباد والوں نے شائع کیا۔یہ نعتیہ مجموعہ ۱۶۰صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعہ میں ۴۶ نعتیں شامل ہیں جو کہ تمام کی تمام اختر ہوشیارپوری کی نبی ﷺ سے والہانہ محبت کا ثبوت دیتی ہیں۔اس مجموعہ کے ابتدائی صفحہ پر درج ذیل شعر لکھا ہوا ہے۔

لوگ قرآن کو سرچشمۂ جاں کہتے ہیں
جس پہ نازل ہوا قرآن وہ خود کیا ہوگا(۳۵)

اپنے اس نعتیہ مجموعہ کے متعلق اختر ہوشیارپوری یوں لکھتے ہیں:

"سرکارِ دوعالم،فخرِ موجودات، رسولِ اکرمﷺ کی مدحت جس کے حصے میں آجائے۔ایک بے پایاں سعادت ہے اور اس پر بار گاہِ رب العزت میں جس قدر بھی ہدیۂ تشکر پیش کیا جائے کم ہے۔میں نے کم و بیش پچاس سال اردو نظم و غزل کہنے کے بعد نعت کی دنیا میں قدم رکھا تو اپنے قلب و نظر کو پہلی بار آسودہ پایا۔آنکھوں کی نمی نے جانے کتنے مرحلے ایک ہی جست میں طے کر دیے اور مجھے محسوس ہوا۔

یونہی تو منڈیروں پر ستارے نہیں اُترے
میں نعتِ محمد ﷺ میں گہربار رہا ہوں"(۳۶)

۴۔سمت نما

"سمت نما" اختر ہوشیارپوری کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔اس مجموعہ کو سنگ میل والوں نے ۱۹۹۲ء میں لاہور سے شائع کیا۔یہ کل ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعہ میں ۵۰۱ غزلیں شامل ہیں۔عبیدہ رضوی اپنے مقالہ میں اس مجموعہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

''اردو شاعری کو نئی سمت عطا کرنے میں "سمت نما" کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے۔یہ مجموعۂ کلام ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آیا۔ان میں روایت کا پختہ رچاؤ بھی ہے اور جدید فکر کا شوخ اظہار بھی۔''(۳۷)

نمونہ کے طورپر ایک شعر "سمت نما" سے

''مرے لہو کی اُنہیں قدر کیا وہ جانیں کیا
جنہیں چراغ ملے ہیں جلے جلائے ہوئے''(۸۳)

۵۔شہرِ حرف

شہرِ حرف سنگ میل والوں نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔یہ بھی اختر ہوشیارپوری کی اُردو غزلوں کا مجموعہ ہے جوکہ کل ۲۵۳صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعہ کلام میں اختر ہوشیارپوری کی کل ۱۱۸غزلیں شامل ہیں۔

"شہر حرف" کے بارے میں اختر ہوشیارپوری اپنی کتاب کے پیش لفظ میں یوں لکھتے ہیں۔

''شہرِحرف'' کی شاعری ماضی وحال کی شاعری ہے۔اسی لئے کہ میں ماضی و حال کا شاعر ہوں میری ذات انہی دوادوار سے وابستہ ہے''(۳۹)

دولتِ قرار آئے نکہت نگار آئے
آنا ہے تو یوں اب کے موسم بہار آئے
پھول کھلتے جاتے ہیں کانٹے بجھتے جاتے ہیں
کیا خبر کے اب کے وقت سازگار آئے(۴۰)

٦۔جہت

"جہت" اختر ہوشیاپوری کا پانچواں شعری مجموعہ ہے جس میں کل ۱۱۵غزلیں شامل ہیں۔اس مجموعہ کوسنگ میل پبلی کیشنز والوں نے لاہور سے ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔یہ مجموعہ ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''میں نےModem senibility اور جدید تقاضوں کو بھی غزل میں
سمونے کی بھر کوشش کی ہے۔لب و لہجہ کے نئے پیکر بھی تراشے ہیں۔
الفاظ کی تازہ اور نئی صورت گری کی بھی سعی کی ہے۔''(۴۱)

نمونہ کلام

''اے شبِ غم! تو ہی کچھ تدبیر کر
گھر میں سب کچھ ہے دیا کوئی نہیں''(۴۲)

۷۔شبِ گزراں

''شبِ گزراں''۱۹۹۷ء کو منصہَ شہود پر آئی۔۱۵۱صفحات پر مشتمل اس کتاب کو سنگ میل والوں نے شائع کیا۔ یہ کتاب نظموں پر مشتمل ہے۔ جس میں نظموں کی کل تعداد۸۳ہے۔اختر ہوشیارپوری غزل کے شاعر ہیں۔مگر انہوں نے نظمیں بھی بہت اچھی لکھیں۔جن میں اختر کی چند ایک نظمیں جو بہت مشہور ہوئیں درج ذیل ہیں۔ نئی کرن، زنجیریں، تاج محل، دسمبر کی آخری رات، شکست شب، کشمیر اور اوّل شب کے راہی ہیں۔اختر کی نظموں میں شعورر کی گہرائی اور فکر کی پختگی جھلکتی ہوئی واضح دکھائی دیتی ہے۔اخترہوشیارپوری کی نظموں کے بارے میں امین راحت چغتائی یوں لکھتے ہیں۔

''یہ نظمیں اپنے دور کے بتدریج بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت
رومان،انقلابی رومانیت اور حقیقت پسندی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔'' (۴۳)

اس کتاب کے بارے میں امین راحت چغتائی نے اپنی رائے'پیش گفتار' کے عنوان سے دی ہے۔جس میں انہوں نے بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

۸۔لہورنگ شام

''لہورنگ شام'' بھی۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔اس مجموعے کو فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی والوں نے شائع کیا۔یہ کتاب اختر ہوشیار پوری کے سلام اور نوحوں پر مشتمل ہے۔یہ کتاب ۷۹صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ پوری کتاب اخترہوشیارپوری کی اہل بیت سے محبت کا ثبوت ہے۔اس کتاب کی ابتداء درج ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

"کبھی چراغ کی لو قتل ہو نہیں سکتی
کبھی کسی نے اجالے کو مرتے دیکھا ہے"(۴۴)

شاعر اپنی اس کتاب کے بارے میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

"اس مجموعے میں شامل کلام میری عقیدت اور گہری مؤدت پر مبنی ہے۔ میرے لیے واقعہ کربلا اور علیؑ کا گھرانہ بمعہ وجود ایثار اور کلمۃ الحق کو بیان کرنے کے لیے فضیلت رکھتا ہے۔"(۴۵)

اس کتاب کے شروع میں اختر ہوشیارپوری نے "عرض حال" کے عنوان سے اپنی محبت اور عقیدت کو بیان کیا ہے جبکہ اہل بیت سے اختر ہوشیارپوری کی مؤدت کو ڈاکٹر رشید نثار نے "اختر ہوشیارپوری کی مؤدت" کے نام سے پیش کیا ہے۔اسی طرح سے "کتاب نما" کے عنوان سے ڈاکٹر سبط حسن نے اختر ہوشیارپوری کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے۔

۹۔حرفِ ہنر

"حرفِ ہنر" اختر ہوشیار پوری کی غزلوں کا مجموعہ ہے جو ۸۸ غزلیات پر مشتمل ہے۔یہ کتاب جولائی ۱۹۹۷ء کو طیب اقبال پرنٹرز، لاہور والوں نے شائع کی۔یہ کتاب ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا پیش لفظ اختر ہوشیار پوری نے ۵۔مئی۱۹۹۷ء کو لکھا۔اس کتاب کے پہلے صفحے پر درج ذیل شعر درج ہے۔

"چڑھتے سورج کے پجاری تھے، پجاری نکلے
میرے احباب بھی عیسیٰؑ کے حواری نکلے"(۴۶)

حرفِ ہنر کے پیش لفظ میں اختر ہوشیارپوری بتاتے ہیں کہ

"زیر نظر کتاب میں آپ کو غزل میں ایک ایسا موضوع بھی ملے گا جو ایک عمر بسر کرنے والے شعرا نے محسوس کیا ہو گا مگر انہیں اظہار میں تامل رہا۔میں نے تامل سے اعتنا نہیں کیا اور عمر کے اس حصہ میں جو بھی بیتی ہے اسے رقم کیا ہے۔میرے احوال کی تائید میں یہ اشعار دیکھیے

جو اب کے شہر سے ہجرت کا مجھے اذن ملے
میں گھر کی اینٹیں بھی سر پر اٹھا کے لے جاؤں

انہیں بھرِ وضو میرا لہو دو
میں باتیں سن رہا ہوں اقربا کی

آندھی تو ابھی اٹھی نہیں ہے
پردوں میں ہزار جنبشیں ہیں''(۴۷)

تشبیہ استعارہ اور خوبصورت تراکیب سے مزّین اختر ہوشیار پوری کا یہ مجموعہ کلام اپنی نوعیت کا بے مثال مجموعہ ہے۔

۱۰۔ مجتبیٰ

مجتبیٰ اختر ہوشیارپوری کا نعتیہ مجموعہ ہے۔اس مجموعہ میں کل ۶۱ نعتیں ہیں۔یہ مجموعہ کل ۱۰۳صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعہ کو شائع کرنے کی سعادت سنگ میل پبلی کیشنز لاہور کے حصے میں آئی جو کہ ۱۹۹۷ء کو شائع ہوا۔اخترہوشیارپوری اپنے اس مجموعہ میں نعت کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں۔

''میرا لب و لہجہ دھیما اور انکسار سے مملو ہے۔میں نے نعت جوش سے نہیں ہوش سے کہی ہے اور اپنی اوقات کو ایک لمحے کے لیے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔عشق رسولﷺ،اطاعت رسولﷺ کے سوا کچھ نہیں۔''(۴۸)

اس کتاب کے شروع میں یہ نعتیہ شعر درج ہے۔

''ارض طیبہ میں میرے نبی ﷺ کا وجود
جیسے قرآن اختر ہو جزدان میں''(۴۹)

۱۱۔ برگِ گل

''برگِ گل'' اختر ہوشیار پوری کی''ہائیکو'' کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کو سارنگ پبلی کیشنز، لاہور والوں نے ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔یہ کتاب کل۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں ۲۰۰ ہائیکو شامل ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے غزل، نظم اور سلام کے علاوہ ہائیکو میں بھی طبع آزمائی کی۔ انہوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ہائیکو کو بھی اپنایا اور اردو ادب میں ہائیکو نگاری کی

روایت کو توانا لب و لہجہ بخشا۔اس کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا ہے۔اختر ہوشیار پوری نے گذارشات کے عنوان سے اپنی ہائیکو کے بارے میں بتایا ہے۔انہوں نے ہائیکو کے بارے میں یوں کہا:

''میرے لیے ہائیکو ایک خوش آئند سفر ہے۔جس میں میری شمولیت صرف اس بات پر ہے کہ انسان کے پاس کچھ کہنے کو ہوتو اسے کسی ایک ہیئت تک محدود نہیں ہوناچاہیے۔''(۵۰)

''میں ہی خود سے سوال کرتا ہوں
اور خود ہی جواب دیتا ہوں
یہ مگر زندگی تمام سوال'' (۵۱)

۱۲۔سرسوں کے پھول

''سرسوں کے پھول'' الحمد پبلی کیشنز،لاہور والوں نے جولائی ۱۹۹۹ء میں شائع کیا۔ جوکہ ۱۲۰صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں ۲۱۵ ہائیکو شامل ہیں۔جن میں آخری ۷ ہائیکو جاپانی ہائیکو کے تراجم ہیں۔ جاپانی سفارت خانے کی طرف سے جاپانی ہائیکو کے انگریزی تراجم اختر ہوشیارپوری کو فراہم کیے گئے جن کا اردو منظوم ترجمہ اختر ہوشیارپوری نے کیا، گویا سات ہائیکو ہیں جو کہ اس کتاب کے آخر میں دی گئی ہیں۔اختر ہوشیار پوری کی ہائیکو انسانی زندگی کی عکاس ہے۔ جس میں ہمیں بولتی اور جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔اختر ہوشیار پوری کامشاہدہ اور تجربہ بہت گہرا اور وسیع ہے۔

اس کتاب کے ابتداء میں ''میری ہائیکو میں'' کے عنوان سے اختر ہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو کے بارے میں بتایا ہے کہ کیسے ہائیکو نظم انسانی زندگی کی عکاس ہے۔وہ ہائیکو کے بارے میں بتاتے ہیں کہ

''میرے نزدیک ہائیکو متنوع مشاہدے کی غماز ہے۔یہ ''انہونی'' میں ''ہونی''تلاش کرتی ہے۔زندگی کی مختلف پرتوں کو اس طرح کھولتی ہے کہ دیکھنے والا ایک جھلک دیکھتا ہے اور کبھی داستان بننے لگتا ہے اور کبھی داستان بن جاتا ہے۔بس یہی ہائیکو کا منصب ہے۔''(۵۲)

گوری! اب رک جا
چاند نکلنے والا ہے
کچھ باتیں کر لیں

بازاروں کے بیچ
ہاتھ بھکارن پھیلاتے
میں مڑ مڑ دیکھوں،،(۵۳)

اختر ہوشیارپوری کا اردو منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

Blow blow thaou winter wind

Thou art not so unkind

As man's ingratitude

اے یخ بستہ ہوا
تو اتنی ظالم تو نہیں
جتنا انسان ہے(۵۴)

۱۳۔رسالت مآب

''رسالت مآب'' اختر ہوشیارپوری کا نعتیہ مجموعہ ہے۔جو الحمد پبلی کیشنز،لاہور والوں نے ۹۹۹۱ء میں شائع کیا۔ یہ مجموعہ ۸۲۱صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کی ابتداء میں ایک حمد لکھی ہوئی ہے اور نعتوں کی تعداد۵۷ ہے۔امین راحت چغتائی نے ''پیش گفتار'' میں ''اختر کی نعت'' کے نام سے ایک مضمون پیش کیا ہے جس میں انہوں نے اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری کی فضا کے بارے میں بتایا ہے۔اس کتاب میں فہرست نعت کے بعد یہ شعر درج ہے۔

''بہت آگے ہے اپنی منزلوں سے
زمانے کا محمد ﷺ راہبر ہے''(۵۵)

امین راحت چغتائی اختر ہوشیار پوری کی نعت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''نعتیہ ادب کے قارئین و ناقدین ''رسالتمآب''پڑھنے کے بعد محسوس کریں گے کہ اختر نئ غزل کی طرح نئ نعت کے بھی پیش رو شعرا میں شامل ہے۔زیر نظر کتاب کی نعتیہ فضا یکسر مختلف ہے۔اس میں نہ صرف مذکورۃ الصدر کتابوں کے اوصاف برقرار ہیں بلکہ اکثر مقامات پر خیالات کی ندرت الفاظ کی جدت اور معنی کی لطافت نے ایسا سماں باندھ رکھا ہے کہ آنکھیں فرطِ عقیدت سے چھلکتی ہیں توروح انوکھے کیف سرور سے سرشار ہوتی ہے۔ یہی نہیں نعت کی صورت میں عصر حاضر پر مرتب ہونے والے سیرت رسول ﷺ کے اثرات کا ظہور بھی دکھائی دیتا ہے۔''(۵۶)

۱۴۔تنگنائے غزل

اختر ہوشیار پوری اردو غزل کے ایک نمائندہ شاعر تھے۔وہ اپنے زمانے میں اچھی غزل لکھنے والوں میں شمار کیے جاتے تھے۔''تنگنائے غزل'' ان کا غزلیہ مجموعہ ہے جو ۲۶ غزلوں پر مشتمل ہے۔حرف اوّل میں اختر ہوشیارپوری نے اپنے شاعرانہ انداز اور شاعری کے ساتھ رشتہ بتایا کہ کس قدر میرا اور شاعری کا رشتہ مضبوط ہے۔وہ شعر کو تازہ ہوا سمجھتے ہیں۔جس سے ان کی سانس میں تازگی آتی ہے اور وہ تازہ دم ہوتے ہیں۔غزلیات سے پہلے ''الحمد'' کے نام سے اخترہوشیارپوری نے اللہ کی تعریف بیان کی ہے۔''تنگنائے غزل'' میں ۶۹۹۱ء کے بعد کا سارا کلام شامل ہے جو ۹۹۹۱ء میں منظر عام پر آیا۔اس مجموعہ کو الحمد پبلی کیشنز والوں نے شائع کیا۔اس کتاب کے ۸۲۱ صفحات ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے اپنی اس کتاب میں بھی علامتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔عبیدہ رضوی اس مجموعہ کے حوالے سے یوں اظہار کرتی ہیں۔

''شاعر کی علامتیں یہاں بھی مختلف مفہوم کا جامہ پہنے نظر آتی ہیں۔اختر داخلیت سے خارجیت کی طرف سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں وہ اپنے داخل کو ایک پرسکون کمرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔''(۵۷)

''تنگنائے غزل'' میں شامل ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''پہلے لہولہان بدن تھا جہان میں
میں اِس کے بعد آ گیا اپنی امان میں
بچپن میں کھیلتا تھا جہاں تتلیوں کے ساتھ
اُتری ہے چاندنی اسی خالی مکان میں
بچے بہت ہیں خوش کہ یہاں رونق آگئی
چڑیا نے گھونسلہ جو بنایا مکان میں
بے خواب راستوں سے مرے ساتھ آ گیا
اختر تھا جس کا ذکر مری داستان میں''(۵۸)

۱۵۔خیر البشر

خیر البشر اختر ہوشیار پوری کا نعتیہ مجموعہ ہے جس کو ۲۰۰۰ء میں الحمد پبلی کیشنز، لاہور والوں نے شائع کیا یہ مجموعہ ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں حمد کے علاوہ کل ۸۳ نعتیں شامل ہیں۔''خیر البشر'' کی ابتداء میں اختر ہوشیار پوری نے بڑا جامع تبصرہ کیا ہے جس میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ وہ نعت اپنے پورے ہوش و حواس رہ کر لکھتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کا قرآن و حدیث پر گہرا مطالعہ ہے۔وہ نعت کو لکھتے وقت تمام حدود و قیود کو سامنے رکھتے ہیں ناکہ جوش میں آکر مبالغہ آرائی کر جاتے ہیں۔

اختر ہوشیار پوری کی نعت کے چند اشعار جو,, خیر البشر،، میں شامل ہیں۔

''یا نبی ﷺ سیدِ ابرار ہیں آپ ﷺ
دونوں عالم کو طلبگار ہیں آپ ﷺ
زندگی آپ ﷺ کے در کی ہے کنیز
رحمتوں کی بڑی سرکار ہیں آپ ﷺ
آپ ﷺ کے نام کا سکہ ہے رواں
تا ابد احمدِ مختار ﷺ ہیں آپ ﷺ''(۵۹)

اختر ہوشیارپوری حرف اوّ میں بتاتے ہیں کہ

''خیر البشر کی نعتوں میں فضائل و شمائل کا بیان زیادہ ہے اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔''(۶۰)

۱۶۔خاتم المرسلین ﷺ

''خاتم المرسلین ﷺ'' اختر ہوشیار پوری کا چوتھا نعتیہ مجموعہ ہے۔یہ نعتیہ مجموعہ کتاب ساز پبلی کیشنز دریا آباد راولپنڈی والوں نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔اس کتاب کے کل ۱۶۰ صفحات ہیں اور کل نعتوں کی تعداد ۹۰ ہے جبکہ شروع میں ''ایک طرز احساس'' کے عنوان سے اختر ہوشیارپوری نے ابتدائیہ پیش کیا ہے جس میں انہوں نے اپنی نعت گوئی کے متعلق مفصل گفتگو کی ہے۔''اعجاز قلم'' کے عنوان سے محمود فیصل راجہ نے اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ اوصاف پر مقدور بھر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔اس کے بعد ''قرآن پاک'' پر دو خوبصورت اشعار کہے گئے ہیں جس میں اختر ہوشیارپوری نے قرآن پاک کو نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔اس کے بعد اختر ہوشیارپوری نے دو اشعار نے نبی ﷺ کی شان میں کہے ہیں۔اس مجموعہ کی ابتداء میں یہ نعتیہ شعر درج ہے۔

''میں نعت کی عظمت کا کیا اور کہوں احوال
یہ حرف کی دولت ہے اظہارِ محبت ہے''(۶۱)

''خاتم المرسلین ﷺ''کے بارے میں محمود فیصل راجہ اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"اختر ہوشیار پوری کی نعت میں مروجہ مضامین کے پہلو بہ پہلو نئے مضامین بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جواس امر کی دلیل ہیں کہ اُن کا حضور ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور اُسی مطالعہ کی بدولت وہ اپنے نعتیہ کلام میں حضور پاک ﷺ کی شخصیت مبارک کے کئی پہلو نہایت حزم و احتیاط اور فنی مہارت سے بیان کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔''(۶۲)

۱۷۔گئی رات کے خواب

''گئی رات کے خواب'' اختر ہوشیارپوری کی اردو غزلوں کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کو کتاب ساز پبلی کیشنز راولپنڈی والوں نے۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔اس کے کل صفحات کی تعداد ۱۶۰ ہے۔اس

کتاب میں حمد کے علاوہ کل غزلوں کی تعداد ۷۷ ہے۔اس کتاب کے پیش لفظ میں اختر ہوشیار پوری نے اپنے پورے احوال دیے ہوئے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری کے بارے میں اس کتاب میں انور ضیاء مشتاق نے رائے پیش کی ہے اور اختر ہوشیارپوری کے شاعرانہ مقام کے بارے میں بتایا ہے۔اس کے ابتدائی صفحات میں اختر ہوشیارپوری نے''گذری ساعتیں'' کے عنوان سے نظم نما غزل پیش کی ہے جس میں بچپن کی یادیں سمیٹی ہیں۔اس کو پڑھ کر قاری اپنے پورے بچپن کو یاد کر بیٹھتا ہے۔گویا اختر ہوشیارپوری ماضی کے خوبصورت دن یوں ساتھ ساتھ رکھتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری اپنے ماضی کا ذکر اشعار کی صورت میں یوں کرتے ہیں۔

''وہ بستی یاد آتی ہے ٹھکانہ یاد آتا ہے
گزار آئے ہیں جو دن وہ زمانہ یاد آتا ہے
وہ یاروں دوستوں کے جمگھٹے آموں کی وہ فصلیں
اکیلے بھی وہ گھر سے جا نکلنا یاد آتا ہے''(۶۳)

۱۸۔آئینوں کے ساتھ

''آئینوں کے ساتھ،، اختر ہوشیار پوری کی اُردو غزلوں کا مجموعہ ہے۔اس کو شائع کرنے کی ذمہ داری بھی کتاب ساز پبلی کیشنز راولپنڈی والوں نے اٹھائی۔اس کتاب کے کل ۱۵۹ صفحات اور ۷۱ غزلیں ہیں۔اس کتاب پر ان کی بیٹی عائشہ سلام اور محمود فیصل راجہ نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۲۰۰۵ء میں منظر عام پر آیا۔اس کتاب کا انتساب اختر ہوشیارپوری نے اپنے نواسوں کے نام کیا ہے۔جو کہ ان کی بڑی بیٹی کے بچے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کو اپنے نواسوں سے بڑی انسیت تھی خصوصاً اپنی نواسی سارہ سے۔اختر ہوشیارپوری نے سارہ کے لیے دو اشعار بھی لکھے جو کہ ان کا ''شب گزراں'' نظمیہ مجموعہ میں شامل ہیں۔اس غزلیہ مجموعہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

''کہیں ہونے کو حادثہ نہ رہا
پھر بھی جینے کا حوصلہ نہ رہا
اُن سے کہہ دو کہ وہ بھی آ دیکھیں
ہم میں اور اُن میں فاصلہ نہ رہا
دائروں میں گزر رہی تھی حیات
اور اب کوئی دائرہ نہ رہا،، (۶۴)

محمود فیصل راجہ نے ''ماضی، حال اور مستقبل کا شاعر'' کے نام سے ایک مضمون پیش کیا ہے جو کہ اس مجموعہ کے شروع میں دیا گیا ہے۔محمود فیصل راجہ کہتے ہیں کہ

''اختر ہوشیارپوری کی طبیعت انکسار پسندی کا عکس ہے کیوں کہ ان کی شاعری نہ صرف ماضی و حال کے رچاوٹ لیے ہوئے ہے بلکہ مستقبل کے رجحانات کی واضح جھلک بھی اس میں موجود ہے۔''(۶۵)

۱۹۔حدیث حرف

''حدیثِ حرف'' اختر ہوشیار پوری کی نعتوں کا چھٹا مجموعہ ہے جس کو کتاب ساز پبلی کیشنز،راولپنڈی والوں نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔اس کتاب کے کل صفحات کی تعداد ۱۲۸ ہے جبکہ نعتوں کی تعداد ۶۸ ہے۔''حدیثِ حرف'' کا پیش لفظ ''نعت گوئی کے افق پر چمکتا ستارہ'' کے عنوان سے سید امتیاز حسین شاہ کاظمی نے لکھا۔اس کتاب کے شروع میں اختر ہوشیارپوری نے ایک قطعہ لکھا ہے جس میں انہوں نے نبی ﷺ کی مدح بیان کی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے کاظمی صاحب یوں لکھتے ہیں۔

''ان کی شاعری میں جو خصوصیات نمایاں طورپر پائی ہیں ان میں سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہمیشہ بارگاہ رسالت ﷺ کا ادب و احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ ایک ایک لفظ کو ہزار بار مشکِ گلاب سے دھونے کے بعد بارگاہِ رسالتﷺ میں ہدیہ کرتے ہیں۔''(۶۶)

''حدیثِ حرف'' کی ایک نعت کے چند اشعار۔

''میں نعتِ محمد ﷺ ہی سے سرشار رہا ہوں
یارو مجھے لینا کہ قدح خوار رہا ہوں
یہ کس کو خبر ہے مرے احوالِ جنوں کی
خوابوں میں گھرا ہوں کہ میں بیدار رہا ہوں (۶۷)

۲۰۔پیش آہنگ

''پیش آہنگ''، اختر ہوشیار پوری کی غزلوں کا مجموعہ ہے مگر اس میں رباعی اور قطعات بھی شامل ہیں۔''پیش آہنگ'' کو مونال پبلی کیشنز راولپنڈی والوں نے ۲۰۱۰ء میں شائع کیا۔یہ کتاب

۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا انتساب اپنے پیارے وطن اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام جس کی خاطر قربانیاں دیں۔اس کتاب پر عائشہ سلام اور میراجی کی آرا شامل ہیں۔''خالق پیش آہنگ''کے عنوان سے ایک مضمون جس میں آصف مغل (جنرل سیکریٹری بزم احباب قلم، راولپنڈی نے اختر ہوشیارپوری کی شاعری پر بھرپور بحث کی ہے اور ان کی شاعری کو سراہا ہے۔یہ مضمون پیش آہنگ کی ابتدا میں دیا گیا ہے۔''پیش آہنگ'' میں شامل ایک رباعی۔

''ساقی یہ ترا جام و سبو پھوٹے گا
زاہد کا بھی یہ ظرفِ وضو پھوٹے گا
مزدور نے اِک آہ بھی کھینچی جس دن
ہر چشمۂ سیمیں سے لہو پھوٹے گا''(۶۸)

ایک غزل کے دو شعر

''دل جو خانہ خراب ہوتا ہے
آپ اپنا جواب ہوتا ہے
کیوں نہ دنیا میں انقلاب آئے
دل میں اِک انقلاب ہوتا ہے''(۶۹)

یہ مجموعہ اختر ہوشیارپوری کا ابتدائی کلام پر مشتمل مجموعہ ہے۔اگرچہ یہ آخر میں چھپنے والا کلام ہے۔اس مجموعہ کے شروع میں میرا جی کی اختر ہوشیارپوری کی شاعری پر کیا گیا تبصرہ دیا گیا ہے جس میں وہ اختر ہوشیارپوری کو غزل کا فطری شاعر قرار دیتے ہیں۔میرا جی کا کہنا ہے۔

''جسے آپ اختر ہوشیارپوری کے نام سے جانتے ہیں میری نظر میں طبعاً غزل کا شاعر ہے۔''(۷۰)

۲۱۔مسافتیں

''مسافتیں'' غزلوں کا مجموعہ ہے اس کتاب کو بھی مونال پبلی کیشنز راولپنڈی نے ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔اس کتاب کا پیش لفظ اختر ہوشیارپوری نے خود لکھا۔اس کتاب ''مسافتیں'' کے بارے میں عائشہ سلام نے آگاہ کیا ہے کہ کچھ وجوہات کی بنا پر یہ مجموعہ اختر ہوشیارپوری کی زندگی میں نہ

چھپ سکا۔اُن کی وفات کے بعد چھپا۔نعیم اکرم قریشی نے ''اختر ہوشیارپوری ایک عہد ساز شاعر'' کے نام سے مضمون پیش کیا ہے جو کہ ''مسافتیں'' مجموعہ کی ابتداء میں دیا گیا ہے۔

اختر ہوشیار پوری نے اس کتاب کا انتساب اپنے والد محترم ڈاکٹر شیخ عبدالعزیز صاحب (مرحوم) کے نام کیا ہے۔اس کتاب کے کل ۱۲۸ صفحات ہیں۔اس میں کل غزلوں کی تعداد ۵۵ ہے۔اس کتاب میں حمد، نعت اور نظم بھی شامل ہیں۔یہ اختر ہوشیارپوری کا ابتدائی کلام پر مشتمل مجموعہ ہے۔خود اختر ہوشیارپوری بتاتے ہیں کہ یہ مجموعہ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۶۰ء تک کی شاعری پر محیط ہے جو کہ کسی وجہ سے چھپ نہ سکی مگر بعد میں ان کی بیٹی عائشہ سلام نے اس مواد کو ضائع ہونے سے بچا لیا اور ''مسافتیں'' کی شکل میں اسے ہمارے سامنے رکھ دیا۔اس کتاب کے بارے میں عائشہ سلام لکھتی ہیں۔

> ''اس مجموعہ کلام میں ہر طرح کے حالات کاعکس ملتا ہے بدلتے ہوئے ملکی حالات، موسموں کے تغیرات اور نگارنگی گویا زندگی کے تمام نشیب و فرازاس میں سمٹ آئے ہیں۔''(۷۱)

اس کتاب میں شامل اختر ہوشیار پوری کی ایک غزل کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

''ہمارا ذکر ہوا اور بار بار ہوا
ہمارا غم نہ ہوا شرحِ روزگار ہوا
کہاں کہاں نہ گئے ہم نسیمِ صبح کے ساتھ
چمن سے گزرے تو اندازۂ بہار ہوا''(۷۲)

اختر ہوشیارپوری کی تمام تصانیف آن لائن بھی دستیاب ہیں۔

آخری ایام/وفات

اختر ہوشیار پوری کی طبیعت۱۹۹۴ء سے بگڑنا شروع ہوئی تھی۔ابتدامیں ان کو شوگر کا مرض لاحق ہواتھا۔جس کا علاج بہت عرصہ تک کرواتے رہے مگر طبعیت میں کوئی خاطر خواہ شگفتگی اور تازگی نہ ہوئی۔اپنے والد کی طبیعت کے بارے میں ان کی بیٹی اپنی کتاب میں ایک جگہ یوں لکھتی ہے۔

''ابان جان اپنے آخری ایام میں بہت چڑ چڑے ہو گئے تھے ہر وقت آنکھیں نم بند کر کے لیٹے رہتے تھے اپنے دوستوں سے بھی بات زیادہ نہیں کرتے تھے''(۴۷)

آخر کار اُردوادب کا یہ درخشندہ اختر ۱۸۔مارچ ۲۰۰۷ء کو اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لیے رختِ سفر باندھ کر پردہ عدم میں روپوش ہوگیا مگر انہوں نے اردو ادب کے لیے جو سرمایہ تخلیق کیا وہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گااورجب بھی اُردو ادب کی تاریخ رقم کی جائے گی، اختر ہوشیار پوری کے ذکر کے بغیر نہ صرف ادھوری بلکہ نامکمل ہوگی۔اختر ہوشیارپوری کے انتقال کی خبر اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی پر بھرپور انداز میں دی گئی بعد میں اختر ہوشیارپوری صاحب کی یاد میں خصوصی تعزیتی ریفرنس منعقد ہوا تھا جو کہ ۱۲۔اپریل ۲۰۰۷ء کو اکیڈمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد کے تحت قرار پایا۔جس میں رشید نثار صاحب اور امین راحت چغتائی صاحب نے اختر ہوشیار پوری پر مضامین پیش کیے اور اختر ہوشیارپوری صاحب کے فن پر پُرزور گفتگو کر کے اختر صاحب کے فن کو سراہا جاتا رہا۔مارچ ۲۰۰۸ء میں اختر ہوشیارپوری کی برسی منائی گئی جس میں کئی نامور ادبا نے شرکت کی اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔اسی طرح مارچ ۲۰۱۱ء میں بھی ایک تعزیتی پروگرام نعیم اکرم قریشی نے ''نگارش'' کے نام سے کروایا اور اپریل ۲۰۱۱ء میں اخترہوشیارپوری کی سالگرہ بھی منائی گئی۔

مقبرہ

اختر ہوشیارپوری کی قبر ''عید گاہ قبرستان'' راولپنڈی میں بنائی گئی یوں وہ ہمیشہ کے لیے اپنی آخری آرام گاہ میں ابدی نیند سو گئے۔اللہ تعالیٰ اختر ہوشیارپوری صاحب کے درجات بلند کرے اور اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین

اختر ہوشیار پوری نے اُردو ادب کی بے پناہ خدمت کی۔غزل، نظم، نعت، ہائیکو اور سلام گویا اخترہوشیارپوری نے ہر صنفِ ادب میں طبع آزمائی کی۔ہر صنف میں انہوں نے بہت خوبصورت لکھا۔ اپنے ہم عصروں میں اخترہوشیارپوری کا شمار اچھا لکھنے والوں میں ہوتا تھا۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی زندگی کے تقریبا ۶۰ سال اُردو کے فروغ اور اس کی آبیاری کے لیے صرف کیے۔نہ وہ صرف خود لکھتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی لکھنے کی ترغیب دیتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ انہوں نے خصوصاً غزل اور نعت میں نئے نئے موضوعات متعارف کروائے۔

اختر ہوشیارپوری کی شخصیت و فن نامور شعراء و ادباء کی نظر میں

اختر ہوشیارپوری نے اردو ادب کے میدان میں ایک معتبر مقام پایا ہے۔ان کی شخصیت اور فن پر مختلف نامور شعرا اور ادبا نے اپنے اپنے لحاظ سے بھرپور آرا اور تاثرات پیش کیے ہیں۔جن کو پڑھ کر قاری پر اختر ہوشیارپوری کی شخصیت اور ان کا فن دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔گویا قاری کے لیے ایک سمت متعین ہو جاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے ہمیشہ زندگی کے مثبت رویوں کو پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے اور زندگی کی عظمتوں میں ایک توازن برقرار رکھا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی شخصیت اورشاعری کے حوالے سے مختلف آرا دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

ڈاکٹر رشید نثار

ڈاکٹر رشید نثار اختر ہوشیارپوری کے بہترین ساتھیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔انھوں نے باقاعدہ اختر ہوشیارپوری پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ’’اختر ہوشیارپوری ......شخصیت اور فن‘‘ ہے۔انھوں نے اختر ہوشیارپوری کے بارے میں کافی آرا ظاہر کی ہیں۔ایک جگہ رشید نثار صاحب اختر ہوشیارپوری کے بارے میں یوں بتاتے ہیں:

> ’’اختر ہوشیارپوری میں یہ صلاحیت موجود ہے اس نے عظمت فن، عظمت انساں اور عظمت قانون میں کبھی جھول نہیں آنے دیا۔لہذا خاموشی اور معصومیت اس کے ساتھ ساتھ ایک تاریخی کردار ادا کرتی رہی ہے۔زندگی میں اختر ہوشیارپوری کے تکمیل مراحل اور تشفی فکر خود اس کا خیر مقدم کرتے رہے ہیں۔کیوں کہ اس نے ادب میں میکانکی صورت احوال کو قبول نہیں کیا۔اس نے زندگی کے ضابطوں کو برقرار رکھا ہے۔‘‘(۷۴)

امین راحت چغتائی

امین راحت چغتائی بھی اختر ہوشیارپوری کے قریبی دوستوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔امین راحت چغتائی، اختر ہوشیارپوری کے شاعرانہ مزاج کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں یوں رائے پیش کرتے ہیں:

''ٹی ایس ایلیٹ کا پیر و مرشد کالرج تھا مگر وہ خود ہمیشہ یہی کہا کرتا تھا کہ ایک اچھا شاعر، بڑے شاعر سے بہتر ہے۔چنانچہ میں بھی اختر ہوشیارپوری کو اسی پس منظر میں ایک اچھا شاعر کہہ رہا ہوں۔وہ کم و بیش ساٹھ سال سے اپنے دھیمے لب و لہجہ کے ساتھ اچھی شاعری پیش کرتا چلا آرہا ہے۔اس کی شاعری میں جذبات کی دروں بینی بھی ہے اور گردوپیش سے آگاہی بھی اور یہ آگاہی تعقل ہی کے ذریعے شاعری میں پیدا ہوتی ہے۔''(۷۵)

پروفیسر جمیل آذر

پروفیسر جمیل آذر، اختر ہوشیارپوری کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں آرا یوں دیتے نظر آتے ہیں کہ اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں فکری پہلو کھل کر سامنے آجاتا ہے لہذا وہ بتاتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری ایک مثبت فکر اور توانا جذبہ کا شاعر ہے۔وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ مختلف امکانات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے کہ اس کا معاشرہ جہد مسلسل کے ساتھ ترقی و کامرانی کے زینے طے کرے۔وہ دانش ور شاعر ہے اور تمام عمر اپنی دانش کی قندیل روشن کرتا رہا۔''(۷٦)

زاہد حسن چغتائی

زاہد حسن چغتائی، اختر ہوشیارپوری کو تاریخی شاعر قرار دیتے ہیں لہذا وہ اختر ہوشیارپوری کی شاعری اور شخصیت کے حوالے سے یوں کہتے ہیں:

''ان کا شمار ان شاعروں میں ہوتا ہے جنہیں اردو ادب کی تاریخ کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔''(۷۷)

نثار ناصر

نثار ناصر کا شمار اختر ہوشیارپوری کے پیروکاروں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے نہ صرف اختر ہوشیارپوری کے کلام سے استفادہ حاصل کیا بلکہ بہت بار اختر ہوشیارپوری سے اصلاح بھی پائی۔ نثار

ناصر اختر ہوشیارپوری کی شخصیت اور ان کے اخلاق و اطوار کے بارے میں بڑے مدلل انداز میں اپنی آرا پیش کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی عاجزانہ طبیعت کا پتہ چلتا ہے۔نثار ناصر بتاتے ہیں۔

> ''میں نے کبھی کسی کے لیے کوئی برا لفظ ان کی زبان سے نہیں سنا۔کسی کو کبھی کوئی تکلیف نہیں دی۔جہاں تک ہو سکا انھوں نے دوسروں کے کام ہی کیے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی شخصیت کی نمایاں خصوصیت سادگی اور عجز ہے۔ان کے لباس، رہن سہن اور مزاج میں اس درجہ سادگی ہے کہ ان کو دیکھ کر ہی یقین ہو جاتا ہے کہ وہ کسی اور مزاج کے آدمی ہیں اور درویش صفت انسان ہیں اور ساری زندگی انھوں نے درویشانہ انداز میں گزاری ہے۔ اس انداز نے ان کی شخصیت کو اور بھی خوبصورت اور محترم بنا دیا ہے۔''(۷۸)

اختر ہوشیارپوری ایک سادہ مزاج، سادہ لوح اور بناوٹ سے پاک آدمی تھے۔جن کی زندگی کا مقصد دوسروں کو خوشیاں دینا اور آسانیاں بانٹنا تھا۔وہ خاموش طبع اور بے غرضانہ زندگی گزارنے کے قائل تھے۔اگر کوئی غرض تھی تو یہی تھی کہ معاشرے کی اصلاح ہو اور امن و امان کا ہر جگہ بسیرا ہو۔

اختر ہوشیارپوری ایک ہی وقت میں شاعر بھی تھے اور قانون دان بھی۔مگر اختر ہوشیارپوری کے ہاں کبھی دونوں شعبوں کو ایک دوسرے کے لیے دیوار بنتے نہیں دیکھا بلکہ اختر ہوشیارپوری کی ذات کے دائرہ میں یہ دونوں شعبے اپنی اپنی اہمیت کے مطابق رواں دواں رہے۔گویا فکر اور فن ایک ساتھ اپنے اپنے زاویوں میں چلتے رہے اور دل اور دماغ کی مشق برابر جاری رہی۔یہی مشق اختر ہوشیارپوری کو ذات کی انفرادیت بخشتی ہے۔

اختر ہوشیارپوری چونکہ پیشہ کے لحاظ سے وکالت سے وابستہ تھے لہذا ان کے پیشہ سے وابستہ کئی نامور شخصیات نے بھی اختر ہوشیارپوری کی شخصیت اور ادبی فن پر اپنا اظہار خیال کیا ہے اور داد و تحسین پیش کی ہے۔چند ایک آراء درج ذیل ہیں۔

شیخ انور الحسن، چیف جسٹس، سپریم کورٹ آف پاکستان

شیخ انوارالحق، اختر ہوشیارپوری کے ادبی مشن کے حوالے سے اپنا خیال پیش کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

''مجھے یہ دیکھ کر یک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے کہ اختر ہوشیارپوری نے اپنی تخلیقات کو تسلسل کے ساتھ ترتیب دے کر ادبی مشن کی تکمیل کی ہے۔اس کی نئی تحریر اور نئے خیالات خالصتاً ادبی کارناموں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔''(۷۹)

اختر ہوشیارپوری کے کلام پر کلاسیکیت کا اثر بہت زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ان کی شاعری میں نئے دور کے رجحانات نظر آتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری وکالت کے پیشے کے ساتھ ساتھ شاعری کے مزاج کو بھی بھرپور انداز میں نبھاتے ہیں۔

جسٹس محمد الیاس

جسٹس محمد الیاس، اختر ہوشیارپوری کی شخصیت اور شاعرانہ مزاج پر یوں تبصرہ آرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں ابھی نووارِدِ ادب تھا کہ اختر ہوشیارپوری کا نام میرے ذہن میں موجود تھا۔پنڈی میں خصوصاً شعری محفلوں میں میں نے انہیں دیکھا ہے اور جب میں عدالتی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوا تو اختر ہوشیارپوری ایک محترم وکیل اور صداقت آمیز شاعر کی حیثیت سے میرے قریب آئے۔میں نے انہیں فرض شناس انسان اور اپنے عہد سے آگے نکلتا ہوا شاعر پایا۔''(۸۰)

اختر عالم

اختر عالم، اختر ہوشیارپوری کی شخصیت، شاعری اور قانون دان کے حوالے سے اپنی رائے اپنے ایک مضمون میں یوں دیتے ہیں:

''ادیب ہو یا شاعر قانون فہمی کو چار چاند لگا دیتا ہے۔محترم اختر ہوشیارپوری شاعر بھی ہیں اور قانون دان بھی۔مگر وہ شاعر پہلے ہیں اور وکیل بعد میں کیوں کہ ابھی وہ قانون کی سند نہیں لے پائے تھے کہ ان کے کلام پڑھنے والوں نے انہیں بہترین شاعر ہونے کی سند دے دی تھی کیوں کہ ان کا کلام برصغیر کے موقر جرائد میں چھپ کر مقبولیت کے مدارج طے کر رہا تھا۔''(۸۱)

ڈاکٹر منور ہاشمی

ڈاکٹر منور ہاشمی کا شمار اختر ہوشیارپوری کے بہت قریبی جاننے والوں اور دوستوں میں ہوتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے حوالے سے ایک انٹرویو میں انھوں نے اختر ہوشیارپوری کی شخصیت و

شاعری کے بارے میں کافی قوی اندازمیں اپنی آرا و تاثرات پیش کیے اور ایک اچھے دوست ہونے کا حق ادا کیا۔ڈاکٹر منور ہاشمی کی ان آرا و تاثرات سے اختر ہوشیارپوری کی ذات و فن اور بھی کھل کر قاری پر عیاں ہو جاتا ہے۔

''اختر ہوشیارپوری ایک درویش منش انسان تھے۔اختر ہوشیارپوری حلقے کے بانی ارکان میں شامل تھے۔وہ حقیقت میں سچے سُچے اور کھرے شاعر تھے اور انتہائی مخلص انسان تھے۔وہ انتہائی سادہ طبیعت تھے۔وہ کسی فرد کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے۔وہ اکثر شاعروں میں چلے جایا کرتے تھے۔حتیٰ کہ گلی محلوں میں ہونے والے طرفی مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے یعنی کہ کوئی ناز نخرہ ان کی ذات میں شامل نہ تھا۔اختر ہوشیارپوری کو پاکستان کے شعرا و ادبا میں بہت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔شرافت کی خوبی ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔ان کی یہ خوبی وکالت جیسے پیشے میں بھی ان کے ساتھ رہی۔ہم نے ان کو جھوٹ سے ہمیشہ گریز کرتے دیکھا۔اختر جدید شعری اسلوب کے ساتھ کلاسیکیت نواز شاعر تھے۔''(۸۲)

انٹرویو کے آخر میں ڈاکٹر منور ہاشمی، اختر ہوشیارپوری کے حوالے سے ایک منفرد قسم کا جملہ فرماتے ہوئے بتاتے ہیں۔

''حق مغفرت کر کے عجب آزاد مرد تھا۔''(۸۳)

سلیم اختر

سلیم اختر کا شمار اختر ہوشیارپوری کے قریبی میل جول رکھنے والوں میں ہوتاہے۔ان کا اختر ہوشیارپوری کی کتب کے حوالے سے مطالعہ بھی کافی وسیع ہے اور کئی حوالوں سے ملاقات کا سلسلہ بھی اکثر رہتا تھا۔اختر ہوشیارپوری کی شخصیت و احوال کے حوالے سے ایک مکالمہ میں وہ یوں بیان کرتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری کا شمار ان سینئر غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔جنہوں نے ایک طویل عرصے تک شعر و ادب کے گلشن کی آب یاری کی۔تمام اصناف سخن میں کامیاب طبع آزمائی کی۔رنگ رنگ

کے شعری پھول کھلائے۔غزلوں کے کئی مجموعے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے نظموں اور ہائیکو کے بھی کئی مجموعے اردو ادب کو دیے ہیں۔اختر ہوشیارپوری مجموعی طور پر غزل کے اساتذہ میں شامل ہیں اور تخلیقی طور پر غزل ہی کے حوالے سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔جس صنف میں انھوں نے تخلیقی تازگی کا بھرپور اظہار کیا ہے وہ نعت کی صنف ہے۔نعتیہ شاعری کے کئی مجموعے پیش کر کے انھوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ جہاں غزل کے محبوب شاعر رہے ہیں وہاں نعت ایسی مقدس صنف سخن بھی ان کے ایوان سخن میں ہے۔ان کے ہاں عشق رسول ﷺ سے عقیدت کے چراغ ہمیشہ روشن رہے ہیں۔"(۸۴)

گویا ان تمام آرا اور تاثرات سے اختر ہوشیارپوری کی شخصیت اور شاعری واضح انداز میں قاری کے سامنے ابھر کر آتی ہے۔اختر ہوشیارپوری جدّت کے رنگ میں کلاسیکل شاعر تھے۔وہ ایک مخلص انسان اور خالص محب وطن شاعر تھے۔اختر ہوشیارپوری اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ترجمان کے طور پر اردو شعری ادب میں خصوصی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

اعزازات و امتیازات

اُردو ادب کی خدمت کے سلسلے میں اختر ہوشیارپوری کو اُن کی زندگی میں ہی بہت سے اعزازات سے نوازا گیا۔دنیائے شعور و ادب میں بہت کم لوگ ایسے ملتے ہیں جن کو اُن کی زندگی ہی میں اعزازات سے نوازا گیا۔اختر ہوشیارپوری کے اعزازات کی تفصیل کچھ یوں ہے جن کا عکس ضائم میں دیا جا رہا ہے۔

۱۹۹۴ء میں حکیم محمد سعید مرحوم جو کہ سندھ کے گورنر تھے۔انھوں نے اختر ہوشیارپوری کے اعزاز میں ایک شاندار پروگرام منعقد کروایا۔اس فنکشن کا اہتمام "ہمدرد ہال" میں کروایا گیا تھا۔ مختلف شعراء اور ادیب تشریف فرما تھے۔اختر ہوشیارپوری کو بہت پذیرائی ملی تھی۔گورنر سندھ حکیم محمد سعید مرحوم نے اختر ہوشیارپوری کو وثیقہ اعتراف سے نوازا تھا(جس میں ان کی فکری اور تخلیقی توانائیوں کو سراہا گیا ہے)۔اس سند کی نقل ضائم میں دی گئی ہے۔حوالہ نمبر (۱) دیکھیں۔

جولائی ۱۹۹۸ء میں اختر ہوشیارپوری کو ان کا نعتیہ مجموعہ "مجتبیٰ" پر دوئم انعام ملا۔اس وقت پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف تھے۔انہوں نے 15000 روپے انعام دیا اور سند امتیاز سے بھی نوازا۔یہ تقریب اسلام آباد میں سٹیٹ بنک کی عمارت میں صبح کے وقت منعقد ہوئی۔اس تقریب

میں کافی نامور لوگ تشریف لائے۔جن میں اسلامی ملکوں کے سفیر شامل تھے۔اختر ہوشیارپوری اپنی علالت کی وجہ سے اپنا انعام اور سند وصول کرنے نہ جاسکے بلکہ ان کی بیٹی عائشہ سلام نے اختر ہوشیارپوری کی جگہ وصول کیا۔اختر ہوشیارپوری نے انعام کی رقم ''خود انحصاری فنڈ'' میں عطیہ کر دی تھی۔

اختر ہو شیارپوری کو اپنی کاوش پر ملنے والے انعام کی بے حد خوشی ہوئی تھی۔وہ سجدہ ریز ہو کر اللہ کا شکر بجا لاتے رہے اور روتے رہے۔اختر ہوشیارپوری نے وزیراعظم پاکستان کو شکریے کا خط لکھ بھیجا۔وہ خط اختر ہوشیارپوری کی بیٹی عائشہ سلام نے وزیراعظم کو پیش کیا۔جس کا ذکر وزیراعظم نے اپنی تقریر میں کیا تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔گویا اختر ہوشیارپوری کو خوب عزت نصیب ہوئی۔ایسا اعزاز بہت کم لوگو ں کے نصیب میں آتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کو ان کے نعتیہ مجموعہ ''مجتبیٰ'' پر ملنے والی سند امتیاز کی نقل ضمائم میں دی جارہی ہے۔حوالہ نمبر (۲) دیکھیں۔ نہ صرف اختر ہوشیارپوری نے شکریہ بجا لانے کے لیے جناب وزیراعظم محمد نواز شریف کوخط لکھ بھیجا بلکہ نواز شریف صاحب نے اختر ہوشیارپوری کو خط لکھا جس میں انھوں نے تہ دل سے اختر ہوشیارپوری کا شکریہ ادا کیا۔یہ شکریہ خصوصاً ۲۸ مئی کے حوالے سے کیا گیا جو کہ پاکستان کا تاریخی دن شمار کیا جاتا ہے۔جیسے ''یوم تکبیر'' کے نام سے نوازا گیا۔۲۸ مئی کو قومی اہمیت کا تاریخی دن قرار دینے پر جب عوام کو اس کے لیے کوئی مناسب نام تجویز کرنے کو کہا گیا تو نہ صرف سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں پاکستانیوں نے حصہ لیا۔اختر ہوشیارپوری کا شمار بھی انہی پاکستانیوں میں ہوتا ہے لہذا جناب وزیراعظم محمد نواز شریف نے اختر ہوشیارپوری کو خط لکھ بھیجا جس میں انہوں نے شکریہ ادا کیا اور سند امتیاز کے لیے مبارکباد پیش کی۔اس خط کا حوالہ بھی ضمائم میں دیا جارہا ہے۔خط کی نقل حوالہ نمبر (۳) میں دیکھیں۔

جولائی ۱۹۹۸ء میں اختر ہوشیارپوری کو ان کے نعتیہ مجموعہ ''مجتبیٰ'' پر انعام اور سند امتیاز سے نوازا گیا۔اس کے بعد حکومت پاکستان کی طرف سے ۱۴۔اگست ۱۹۹۸ء کو تمغۂ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔مگر یہ تمغئ امتیاز باقاعدہ تقسیم اعزازات کی تقریب میں پیش کیا گیا جو کہ کیبنٹ ڈویژن کی طرف سے ۲۳۔مارچ ۱۹۹۹ء کو منعقد ہوئی۔اس سے پہلے عبدالوحید قاضی نے ایک خط لکھ کر اختر ہوشیارپوری کو بھیجا جس میں انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تمام تفاصیل سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اب آپ اپنے نام کے ساتھ تمغئ امتیاز یا اس کا مخفف ٹی آئی۔لکھنے کے مجاز ہیں۔خط کے

آخر میں بتایا گیا کہ پروگرام کے مطابق ۲۳۔مارچ ۱۹۹۹ء کو یوم پاکستان کے موقع پر منعقد ہونے والی تقریب میں آپ کو اس اعزاز سے نوازا جائے گا اور اس کے لیے دعوت نامہ پر وقت ارسال کیا جائے گا۔کابینہ ڈویژن کی طرف سے بھیجے گئے اس خط کی نقل بھی ضمائم میں دی گئی ہے۔حوالہ نمبر (۴) دیکھیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۹۹ء کو اختر ہوشیارپوری کو ان کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت تمغۂ امتیاز سے نوازا گیا۔یہ انعام صدر پاکستان جناب رفیق تارڑ صاحب کے ہاتھ سے اختر ہوشیارپوری کو دیا گیا۔ چونکہ اختر ہوشیارپوری علیل تھے تو یہ انعام بھی ان کی بیٹی عائشہ سلام نے وصول کیا۔اور ساتھ ہی سند بھی عطا کی گئی جس میں اختر ہوشیارپوری کے فطری شاعرانہ جوہر اور ہمہ گیریت کا اعتراف کیا گیا اور اختر ہوشیارپوری کا ادب کے میدان میں گراں قدر خدمات کی تصدیق کی گئی۔یہ تقریب ایوان صدر میں منعقد ہوئی تھی۔اختر ہوشیارپوری کا نام خصوصی گزٹ گورنمنٹ آف پاکستان میں درج کیا گیا۔کتاب کانام ہے:

Pakistan Civil Awards

Investiture Ceremony

23rd March 1999

Cabinet Division

Islamabad

تمغۂ امتیاز کی تصویر کی نقل اور سند کی نقل ضمائم میں دی جارہی ہے۔حوالہ نمبر (۵) اور (۶) دیکھیں۔

۵ جون ۲۰۰۱ء کو اختر ہوشیارپوری کو ان کے نعتیہ مجموعہ ''خیر البشر'' پر تیسرا انعام سے نوازا گیا۔یہ انعام دس ہزار روپے پر مشتمل تھا اور ساتھ سند امتیاز بھی دی گئی۔یہ انعام چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف صاحب نے اپنے ہاتھوں سے دیا تھا۔یہ تقریب سٹیٹ بنک بلڈنگ اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی۔اختر ہوشیارپوری اپنی علالت اور ضعیف العمری کے باعث شرکت سے قاصر تھے۔ لہذا ان کی بیٹی عائشہ سلام ہی یہ انعام بھی وصول کرنے گئیں۔اس انعام کی رقم بھی اختر ہوشیارپوری نے ایک فنڈ میں عطیہ کر دی۔انعام اور سند امتیاز وصول کرتے ہوئے کی تصویر ضمائم میں دی جارہی ہے۔حوالہ نمبر (۷)دیکھیں۔

سند امتیاز کی نقل ضمائم میں حوالہ نمبر (۸) دیکھیں۔

اختر ہوشیارپوری نے تمام معروف اصناف سخن میں اپنی بھرپور قوت آزمائی فرمائی اور وہ طبعاً غزل گو شاعر کہلائے۔اسی طرح ان کو شہنشاہ غزل کا خطاب بھی ملا۔اختر ہوشیارپوری بے شک غزل گو شاعر کے نام سے ضرور پہچانے جاتے ہیں۔مگر نعتیہ ادب میں انہوں نے جو جو پھول کھلائے ان کی مثالیں ان کا ایک ایک نعتیہ شعر ہے۔ہر ایک شعر میں محبت رسول ﷺ کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے جبکہ حد احترام بھی لازم نظر آتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی محبت رسول ﷺ کو ان کے چھے نعتیہ مجموعے خوب ظاہر کرتے ہیں اور اس معیاری محبت کی تصدیق ان نعتیہ مجموعوں پر دیے گئے انعامات، اسناد اور تمغۂ امتیاز کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کو پہلے دو نعتیہ مجموعوں پر حکومت پاکستان کی طرف سے انعام سے نوازا گیا۔لہذا ''خاتم المرسلین'' جو کہ اختر ہوشیارپوری کا پانچواں نعتیہ مجموعہ ہے اس پر حکومت پاکستان وزارت مذہبی امور کی طرف سے ۱۳۔اپریل۲۰۰۶ء کو تیس ہزار روپے انعامی رقم سے نوازا گیا۔سند امتیاز بھی دی گئی۔اس انعام کو بھی اختر ہوشیارپوری کی ہونہار بیٹی عائشہ سلام نے ہی وصول کیا۔یہ تقریب اسلام آباد میں جناح کنونشن ہال میں منعقد ہوئی تھی۔اگرچہ یہ انعام بھی جنرل پرویز مشرف صاحب نے دینا تھا مگر وہ اس تقریب میں تشریف نہ لا سکے۔گویا مذہبی امور کے وزیر اعجاز الحق نے انعام دیا تھا۔سند امتیاز کی نقل ضمائم میں دی جارہی ہے۔حوالہ نمبر (۹) دیکھیں۔

حکومت پاکستان نے مختلف ادبا و شعرا پر بائیو گرافی کا کام شروع کروایا یہ انتہائی احسن قدم تھا۔یہ کام اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کے حوالے کیا گیا۔جو کہ آج تک بڑی خوش اسلوبی سے طے پا رہا ہے۔

اختر ہوشیارپوری پر بائیو گرافی کا کام جناب ڈاکٹر رشید نثار کو سونپا گیا۔اس کتاب کا نام ''اختر ہوشیارپوری......فن اور شخصیت''ہے۔ڈاکٹر رشید نثار کو حکومت پاکستان کی طرف سے دس ہزار روپے انعام دیے گئے جبکہ اس کتاب پر نظر ثانی جمیل ملک نے کی اور ان کو بھی پانچ ہزار روپے دیے گئے۔یہ کتاب ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کو لکھوانے کے لیے اکادمی ادبیات پاکستان نے اختر ہوشیارپوری کو ایک خط لکھا گیا جس میں انہوں نے اس کام کی اجازت طلب فرمائی اور ڈاکٹر رشید نثار کا نام بتایا۔مزید اس ضمن میں پوچھا کہ اگر آپ یہ کام کسی اور سے کروانا چاہتے ہیں تو آپ نام بتا دیں۔مگر اختر ہوشیارپوری نے بھی ڈاکٹر رشید نثار کو ہی چنا۔کیوں کہ ڈاکٹر رشید نثار نہ

صرف اختر ہوشیارپوری کو قریب سے جانتے تھے بلکہ ان کے اچھے دوست بھی تھے۔اکادمی ادبیات پاکستان کی طرف سے بھیجے گئے خط کی نقل ضمائم میں دی جارہی ہے۔حوالہ نمبر (۱۰) دیکھیں۔

اس کتاب پر ۲۶۔جنوری ۲۰۰۴ء کو اکادمی ادبیات پاکستان نے تقریب کا انعقاد کیا جو کہ اکادمی کے ہال میں منعقد ہوئی۔اس تقریب میں اختر ہوشیارپوری کے دوست احباب تشریف لائے اور بہت سے ادبا اور شعرا نے شرکت کی۔اختر ہوشیارپوری کو بہت پذیرائی ملی۔نیلوفر بختیار مہمان خصوصی تھیں۔

ادبی تنظیم ''پیاس'' کی طرف سے ''نشان ادب'' کی شیلڈ دی گئی تھی۔جس پر اختر ہوشیارپوری کو جدید غزل گو شاعر کے لقب سے نوازا گیا۔اس پر اختر ہوشیارپوری کا مشہور شعر بھی لکھا ہوا ہے۔

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکے دیے مجھ کو
کہ میں نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پر زبان رکھ دی

اس شیلڈ کی نقل ضمائم میں دی جارہی ہے حوالہ نمبر (۱۱) دیکھیں۔

۳۰۔جنوری ۲۰۰۴ء کو راولپنڈی پریس کلب میں ڈاکٹر رخسانہ روحی اور علی ثمر صاحب نے بھی اس کتاب پر تقریب منعقد کروائی۔اس تقریب میں بھی محترمہ نیلوفر بختیار جو کہ اس وقت صدر پاکستان کی مشیر اعلیٰ تھیں۔ان کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا۔اس تقریب میں اختر ہوشیارپوری کے گھر کے سامنے والے روڈ کا نام''اختر ہوشیارپوری روڈ'' رکھا گیا۔اس تقریب میں نیلوفر بختیار نے اختر ہوشیارپوری کو ''بزم احباب قلم'' کی طرف سے ''نشان ادب''کی شیلڈ بھی دی تھی۔یہ شیلڈ اختر ہوشیارپوری کو ان کی ادبی خدمات پُر امن طریقے سے سرانجام دینے اور اردو ادب میں خوبصورت نگینے جوڑنے پر پیش کی گئی۔اس شیلڈ میں اختر ہوشیارپوری کی کتابوں کی فہرست بھی دی گئی ہے جو کہ ۲۰۰۳ء تک شائع ہوئی تھیں۔اس شیلڈ کی نقل ضمائم میں دی جارہی ہے۔حوالہ نمبر (۱۲) دیکھیں۔

اختر ہوشیارپوری کو پذیرائی ملنے کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوتا۔ایک اچھے انسان کو اچھے دوستوں ساتھیوں کا ساتھ نصیب ہو جائے تو اس سے بڑی خوش نصیبی نہیں ہوتی۔اختر ہوشیارپوری کا شمار انہی خوش نصیبوں میں ہوتا ہے۔نعیم اکرم قریشی اختر ہوشیارپوری کے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ستمبر ۲۰۰۴ء کو نعیم اکرم قریشی نے بزم عروج ادب ایریا سٹڈی سنٹر کی طرف سے اختر

ہوشیارپوری کے گھر پر مشاعرے کروائے۔اختر ہوشیارپوری بیماری کی وجہ سے کمزور بہت زیادہ تھے مگر صدارت انہی کو سونپی گئی تھی۔اس طرح سے اکثر مشاعروں کی صدارت اختر ہوشیارپوری نے کی۔

۲۰۔اپریل ۲۰۰۵ء کو اختر ہوشیارپوری صاحب کا جنم دن تھا۔اختر ہوشیارپوری کے ایک کولیگ قاضی عارف حسین ایڈووکیٹ نے ان کی سالگرہ کا اہتمام کیا۔کیک کاٹا گیا۔بہت سے دوست احباب نے شرکت کی۔بہت سے تحائف بھی دیے گئے۔ایک سالگرہ کے کارڈ پر سب نے اپنا اپنا اظہار خیال بھی کیا۔

اس سالگرہ کی تقریب کی فوٹو کی نقل اور سالگرہ کارڈ پر کیے گئے اظہار خیال کی نقول کو ضمائم میں شامل کیا گیا ہے۔حوالہ نمبر(۱۳) دیکھیں۔

ایک انسان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے حلقہ احباب میں کتنے چاہے جانے والے تھے۔یہ بہت بڑی بات ہوتی ہے کہ ایک انسان کو اس کے کولیگز اس حد تک چاہیں کہ وہ اس کے لیے ۱۰ سال تک انتظار کریں۔شاید وہ صحت یاب ہو کر واپس آجائیں اور اپنی سیٹ سنبھالیں۔مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا تھااختر ہوشیارپوری صحت یاب نہ ہو سکے اور آخر کار وہ سیٹ دوسرے وکیل کو دے دی گئی تھی۔

۲۳۔دسمبر ۲۰۰۳ء کو کچہری کی فضا میں پہلی دفعہ بار روم میں ادبی تقریب منعقد کروائی گئی تھی۔اس تقریب میں بہت سے نئے وکلا کو متعارف کروایا گیا تھا۔اس تقریب میں اختر ہوشیارپوری کو خصوصاً دعوت نامہ بھیجا گیا مگر اختر ہوشیارپوری اپنی علالت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔لہذا اس تقریب میں اخترہوشیارپوری کی نعتیں پڑھی گئیں جو کہ مختلف وکلا نے پڑھیں۔انیس ملک جنہوں نے اس تقریب کا انتظام و اہتمام کیا تھا ایک مضمون پڑھا جو کہ نعت کے حوالے سے تھا۔آخر میں سلام پڑھا گیا اور یوں اس تقریب کا انجام طے پایا۔

۲۴۔دسمبر ۲۰۰۴ء کو بھی کچہری کے بار روم میں ایک ادبی تقریب کا اہتمام ہوا۔اس تقریب کا انعقاد بھی اختر ہوشیارپوری کے نام پر ہوا۔مگر اس میں بھی اختر ہوشیارپوری تشریف نہیں لے جاسکے۔

اختر ہوشیارپوری ایک سادہ لوح انسان تھے۔ان کی سادہ لوحی پسند کرنے کے قابل تھی۔ان کی سادہ لوحی میں اخلاص محبت، قدر اور احترام چھپاہوا تھا۔جو کہ انسان کی خصوصیات میں بڑے

ستون کی اہمیت رکھتے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ اختر ہوشیارپوری نے جہاں جہاں قدم رکھا وہاں وہاں ان کو نہ صرف پیار ملا بلکہ عملاً مظاہرہ بھی کیا گیا۔

اختر ہوشیارپوری کو ہر ایک رشتے سے محبت تھی۔وہ رشتے نبھانے والے انسان تھے۔وہ قدر شناس آدمی تھے۔یہی وجہ تھی کہ ان کو اپنے ملک پاکستان سے بے انتہا محبت تھی اورپھر اس سے جڑے ہر خطہ سے پیار تھا۔وہ کشمیر سے بہت محبت کرتے تھے۔آزاد کشمیر کے وزیراعظم سے دوستی تھی۔آزاد کشمیر کے وزیراعظم ہر سال عید کارڈ بھیجتے تھے۔آخری عید کارڈ ۲۰۰۷ء میں اختر ہوشیارپوری کی وفات کے بعد موصول ہوا تھا۔پھر وزیراعظم کو اختر ہوشیارپوری کی وفات کی اطلاع ہوئی تو عید کارڈ آنے بند ہو گئے تھے۔عید کارڈ کی نقل ضمائم میں دی جارہی ہے۔حوالہ نمبر (۱۴) دیکھیں۔

حوالہ جات

1. The New webster encyclopedia Dictionary, Consalated book publishers, Chicago, 1980, p 619

۲۔ توقیر سلیم خان، ''اقبال کی شخصیت کا نفسیاتی جائزہ''، شیر ربانی پریس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۲۰

۳۔ عبدالحئی علوی، پروفیسر، ''اصول نفسیات''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص۲۵۳

۴۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، ''عروج اقبال''، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ص۳،۴

۵۔ نعیم صدیقی،''المودودی''، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور،۱۹۹۸ء، ص ۳۳

۶۔ عائشہ سلام، ''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)''، فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ۲۰۱۱، ص۱۲

۷۔ ایضاً، ص ۱۳

۸۔ ثمینہ یاسمین، ''اختر ہوشیارپوری بحیثیت غزل گو شاعر''،مقالہ:ایم اے اردو، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگو ئجز، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء، ص۲

۹۔ عائشہ سلام، ''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)، ص ۱۴

۱۰۔ ایضاً،ص۱۷

۱۱۔ ایضاً،ص۱۸

۱۲۔ رشید نثار، ڈاکٹر، ''اختر ہوشیارپوری۔ (شخصیت اور فن)''،فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء،ص۱۳

۱۳۔ اختر ہوشیارپوری، حرف اوّل، ''تنگنائے غزل''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۹

۱۴۔ ایضاً،ص۹

۱۵۔ عائشہ سلام، ''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)،ص۴۰

۱۶۔ ایضاً،ص۴۲

۱۷۔ ایضاً،ص۴۴

۱۸۔ اختر ہوشیارپوری،''شب گزراں''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ص۱۳۸،۱۳۹

۱۹۔ عائشہ سلام، ''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)،ص ص۴۸،۴۹

۲۰۔ ایضاً،ص۲۳

۲۱۔ اختر ہوشیارپوری،''شب گزراں''، ص ۱۱۵

۲۲۔ عائشہ سلام، ''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)،ص ۶۴

۲۳۔ عائشہ سلام، ''میرے ابا جان''، مشمولہ: ''آئینوں کے ساتھ''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۵ء،ص ۱۳

۲۴۔ عائشہ سلام، ''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)،ص ۶۴

۲۵۔ ایضاً،ص ص۶۵،۶۶

۲۶۔ ایضاً،ص۶۶

۲۷۔ ایضاً،ص۶۸

۲۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ادبی اکیڈمی، راولپنڈی، ۱۹۷۸ء، ص۱۴۸

۲۹۔ ایضاً،ص۲۷

۳۰۔ ایضاً،ص۲۸

۳۱۔ امین راحت چغتائی، ''آئینہ اور پتھر''،مشمولہ:ماہنامہ چہار سو،راولپنڈی،مدیران: سید ضمیر جعفری، گلزار جاوید،جلد۶،شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۷ء،ص ۸۱

۳۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''،ص۴

۳۳۔ عبیدہ رضوی، ''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''،مقالہ:ایم فل، اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،

اسلام آباد،۲۰۰۳،ص ۱۵

۳۴۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ص ۱۴،۱۳

۳۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص۳

۳۶۔ ایضاً،ص۱۲

۳۷۔ عبیدہ رضوی، ''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''، ص ۱۶

۳۸۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۲ء، ص۳

۳۹۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۸

۴۰۔ ایضاً،ص۱۱

۴۱۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۱۶

۴۲۔ ایضاً،ص۷۳

۴۳۔ اختر ہوشیارپوری،''شب گزراں''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص۵

۴۴۔ اختر ہوشیارپوری،''لہو رنگ شام''، فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ۱۹۹۷ء، ص۳

۴۵۔ اختر ہوشیارپوری، عرض حال، مشمولہ: ''لہو رنگ شام''، ص ۷

۴۶۔ اختر ہوشیارپوری،''حرف ہنر''، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص۵

۴۷۔ ایضاً،ص ص۱۴،۱۳

۴۸۔ اختر ہوشیارپوری،''متاع فقیر''، مشمولہ:''مجتبیٰ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص۱۰

۴۹۔ ایضاً،ص۳

۵۰۔ اختر ہوشیارپوری، گذارشات،''برگ گل''، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۶

۵۱۔ ایضاً،ص۵۱

۵۲۔ اختر ہوشیارپوری، میری ہائیکو میں، ''سرسوں کے پھول''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۸

۵۳۔ ایضاً،ص۱۶

۵۴۔ ایضاً،ص۱۱۹

۵۵۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالتمآبﷺ'' الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۹

۵۶۔ امین راحت چغتائی، ''اختر کی نعت''،مشمولہ: ''رسالتمآبﷺ''، ص ص۱۳،۱۲

۵۷۔ عبیدہ رضوی، ''اخترہوشیارپوری کی ادبی خدمات''، ص ۱۸

۵۸۔ اختر ہوشیارپوری،''تنگنائے غزل''، ص ص۶۵،۶۴

۵۹۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص۷۵

۶۰۔ ایضاً،ص۵

۶۱۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلینﷺ''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء، ص ۲

۶۲۔ محمود فیصل راجہ،''اعجاز قلم''، مشمولہ:''خاتم المرسلین ﷺ''، ص ۱۲

۶۳۔ اختر ہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی،۲۰۰۴ء، ص ۱۲

۶۴۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، کتاب ساز پبلی کیشنز، لاہور، راولپنڈی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۶

۶۵۔ محمود فیصل راجہ، مضمون:''ماضی، حال اور مستقبل کا شاعر''، مشمولہ:''آئینوں کے ساتھ''، ص ۹

۶۶۔ امتیاز حسین شاہ کاظمی، سید، مضمون:''نعت گوئی کے افق پر چمکتا ستارہ''، مشمولہ:''حدیث حرف''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۷ء، ص ۹

۶۷۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''، ص ۵۶

۶۸۔ اختر ہوشیارپوری،''پیش آہنگ''، مونال پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۰۳

۶۹۔ ایضاً، ص۳۵

۷۰۔ میرا جی، مضمون''اختر ہوشیارپوری''، مشمولہ ''پیش آہنگ''، ص ۹

۷۱۔ عائشہ سلام، مضمون: ''مسافتیں''، مشمولہ:''مسافتیں''، مونال پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۱

۷۲۔ اختر ہوشیارپوری،''مسافتیں''، ص ۷۷

۷۳۔ عائشہ سلام،''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)''، ص۸۹

۷۴۔ رشید نثار، ڈاکٹر، ''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اور فن)''، ص ۶۲

۷۵۔ امین راحت چغتائی، مضمون:''اختر ہوشیارپوری: نقاد شاعر''، مشمولہ: ماہنامہ اوراق، لاہور، مدیران: وزیر آغا، سجاد نقوی، خاص نمبر، جلد ۲۹، شمارہ ۷،۸، جولائی اگست ۱۹۹۴ء، ص۵۰

۷۶۔ جمیل آذر، پروفیسر، مضمون:''اختر ہوشیارپوری...... مثبت سوچ کی مثال''، مشمولہ: سالنامہ نیرنگ خیال، راولپنڈی، مدیر: سلطان رشک، جلد ۸۱، شمارہ ۷، جولائی ۲۰۰۵ء، ص ۷۱-۴

۷۷۔ زاہد حسن چغتائی، ''اختر ہوشیارپوری...... آرا اور تاثرات''، ماہنامہ وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، اپریل تا مئی ۲۰۰۹ء، ص ۳

۷۸۔ نثار ناصر، ''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)''، مشمولہ: روزنامہ بزنس ٹائمز، اسلام آباد، ص ص ۲۳۰،۲۲۹

۷۹۔ انوار الحق، چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان، مشمولہ:''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اور فن)''، ص۱۶۹

۸۰۔ محمد الیاس، جسٹس، مشمولہ:"اختر ہوشیارپوری۔ شخصیت اور فن"، ص ۱۶۹

۸۱۔ اختر عالم، مضمون:"اختر ہوشیارپوری ایک شاعر،ایک قانون دان"،مشمولہ:سالنامہ نیرنگ خیال، راولپنڈی، ص ۴۶۸

۸۲۔ منورہاشمی،ڈاکٹر،مکالمہ بحوالہ اخترہوشیارپوری(انٹرویو)،بروزاتوار،۱۹جولائی۲۰۲۰ء،وقت۵۵:۴شام

۸۳۔ ایضاً، ص

۸۴۔ سلیم اختر، خصوصی مکالمہ بحوالہ:"اختر ہوشیارپوری شاعری کے تناظر میں"، (انٹرویو)، بروز سوموار، ۲۰۔جولائی۲۰۲۰ء، وقت۳۰:۴ شام

باب دوم

اختر ہوشیار پوری بحیثیت غزل گو

باب دوم

اختر ہوشیار پوری بحیثیت غزل گو

تمہید:

انسانی زندگی میں تبدیلی کی طرح ادب میں بھی تغیر پذیری کا عمل جاری رہتا ہے۔یہ عمل فکری اور فنی دونوں سطحوں پر رونما ہوتا ہے۔اُردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل،فکری اور فنی دونوں حوالوں سے اپنی ایک شناخت رکھتی ہے۔اُردو غزل نے ہر دور کے تقاضوں کا ساتھ دیا ہے اور اس نے ان فنی اور اسلوبیاتی تبدیلیوں کو بھی قبول کیا ہے جو بعض دوسری اصناف قبول کرنے سے گریزاں رہیں۔اُردو زبان کا شعری ادب مختلف اصناف پر مشتمل ہے۔اس میں غزل، مثنوی، نظم، نعت، مرثیہ نگاری، قصیدہ نگاری، رباعی، قطع، مسدس، مخمس، مربع، شہر آشوب وغیرہ شامل ہیں۔ان تمام اصنافِ سخن میں غزل گوئی سب سے زیادہ مقبول صنف ہے۔

رفیع الدین ہاشمی اپنی تصنیف ''اصناف ادب'' میں غزل کی تعریف اس انداز میں کرتے ہیں۔

''غزل اردو ادب کی قدیم اصناف میں سے ہے۔اردو کے کل تخلیقی ادب کا زیادہ تر سرمایہ اسی صنف میں تخلیق ہوا ہے۔(۱)

غزل شعر ا کی محبوب ترین صنفِ سخن رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے نابغۂ روز گار شعراء نے غزل میں طبع آزمائی کی ہے اور اس کے دامن میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ولی سے لے کر اب تک تمام شعرا نے اپنے اپنے رنگ میں غزل کہہ کر غزل کے وقار کو بامِ عروج بخشا ہے۔دیگر اصنافِ ادب کی طرح غزل کی صنف بھی اُردو میں فارسی کی مرہون منت ہے۔غزل کے لغوی معنی عورتوں سے گفتگو کرنے کے ہیں۔

ایک اور جگہ پر غزل کے حوالے سے رفیع الدین ہاشمی یوں رقم طراز ہیں:

''غزل کے لغوی معنی عورتوں سے یا عورتوں سے متعلق گفتگو کرنا ہے۔ ہرن کے منہ سے بوقتِ خوف جو درد ناک چیخ نکلتی ہے اسے بھی غزل کہتے ہیں۔''(۲)

بیسویں صدی کے آغاز تک کم و بیش تمام شعراء نے اپنے دقیق اور لطیف تجرباتِ زندگی کے بیان کے لئے غزل ہی کو ترجیح دی۔غزل میں عشق وتصوف، اخلاق، فلسفہ،سیاست اور دیگر موضوعات اشعار کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ملتے ہیں۔بہت سی غزلیں غمِ یار کی بجائے غمِ روز گار کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو غزل گو شعرا نے وارداتِ قلبیہ کے سوزوگداز کے ساتھ ساتھ خارجی دنیا کے حقائق کو غزل میں شامل کرکے اس کے دائرہ کو وسیع کردیا ہے۔غزل کی انفرادیت اور وضاحت کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ تخیل کی لطافتوں، باریکیوں اور نزاکتوں کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن رسالہ ''مخزن'' میں اپنے مضمون ''غزل اور غزل کی تنقید'' میں یوں خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

> ''غزل ایسی صنف ہے جس کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے اس وجہ سے ہم اسے دو مختصر مصرعوں پر مشتمل صنف قرار دے سکتے ہیں۔''(۳)

غزل وہ صنفِ شعر ہے جس میں حسن وعشق کی مختلف کیفیات کا بیان اور سوزو گداز کی کیفیت پائی جاتی ہے۔اصطلاح میں غزل سے مراد وہ صنفِ سخن ہے جس کے اشعار میں مضامین کی نوعیت مختلف ہو، ہر شعر اپنے اندر الگ اور واضح مضمون لیے ہوئے ہو۔

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی غزل کے موضوعات کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ''غزل بنیادی طور پر عشقیہ شاعری ہے۔غزل میں مضامین کے اعتبار سے اس قدر وسعت پیدا ہو چکی ہے کہ آج عشق و محبت، فکر و فلسفہ، دین، عرفان و تصوف، سیاست و معیشت، نفسیاتی اور سماجی، مسائل، کائنات کی وسعتیں اور باطن کی گہرائیاں غرضیکہ حیات و کائنات کا ہر پہلو غزل گو شعراء کی دسترس میں ہے۔اس کے علاوہ یہ دیکھتے ہیں کہ غزل میں دیوانگی اور جنونی اشعاروں کا مطالعہ کثرت سے ملتا ہے۔غزل میں فنی جائزہ لیا جائے تو مطلع، مقطع، بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کی بنیاد پر اُستوار غزل دوسری اصناف سے ممتاز نظرآتی ہے۔''(۴)

مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزل عشقیہ مضامین پر مشتمل ہوتی ہے تاہم آج کے دور میں اس کے مضامین میں بے پناہ وسعت آچکی ہے۔اب غزل میں عشقیہ مضامین کے علاوہ فکر و فلسفہ، دین، عرفان و تصوف، سیاست، معیشت، نفسیا تی مسائل، سماجی و معاشرتی مسائل بھی در آئے ہیں۔جس سے غزل کا دامن وسیع سے وسیع تر ہو تا چلا گیا ہے۔نئے دور کے تقاضوں میں صنعتی انقلاب نے زندگی کو یکسر بدل دیا۔صنعتی تبدیلیوں کی وجہ سے زندگی کے ہر میدان میں انقلاب آیا تو یہ بات غیر ممکن تھی کہ شاعری اور خاص طور پر غزل اس کے اثرات قبول نہ کرے۔اس طرح جب پرانے رجحانات کو پسِ پشت ڈال کر نئے رجحانات کو ترجیح دی گئی تو زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کا دور دورہ شروع ہوا۔اُردو غزل بھی اس مجموعی رجحان کے تحت ترقی کے نئے دور میں داخل ہوئی۔

بر صغیر میں تقسیم کے وقت ایک نیا وطن معرضِ وجود میں آیا اور انسان کو تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت دیکھنے کو ملی۔اس وطنِ عزیز کے لئے ہزاروں افراد نے لازوال قربانیاں دیں۔اس ہجرت کے لازوال اور انمٹ نقوش شعراء پر بھی پڑے۔

قیام پاکستان کے بعد کی غزل میں چار لہریں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ایک فسادات کا المیہ، دوسرا ہجرت کا دکھ، تیسرا خوابوں کا بکھرنا اور پھرچوتھا موجودہ صورتحال پر کچھ لوگوں کا عدم اطمینان۔لہٰذا ہجرت کرکے آنے والوں کے ساتھ ساتھ شاعر بھی نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوئے۔چنانچہ انہوں نے ان سنگین واقعات پر آنسو بہائے اور نوحہ کناں ہوئے ان گہرے اثرات نے اُردو غزل کو متحرک کیا۔یہ سارے عوامل ایسے تھے جن کے بناء پر شاعروں کو اپنا عہد میر کے مماثل دکھائی دینے لگا۔انہوں نے بھی اس معاشرتی و تہذیبی آشوب کو رنگ میر میں بیان کرنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر خالد علوی کے خیال میں:

''پاکستانی شاعری بالخصوص غزل کی شاعری میں اولین غالب رجحان فسادات کے خلاف رد عمل، تقسیم کے بعد اقدار کی شکست و ریخت، گزرے ہوئے ماضی نوحی اور ہجرت کے کڑے تجربے کی ترجمانی ہے۔''(۵)

قیام پاکستان کے وقت روایتی اور کلاسیکی طرز کی غزل لکھی جارہی تھی لیکن قیامِ پاکستان کے بعد نیا ماحول پیدا ہوا وہ اپنے ساتھ نئے موضوعات لایا۔تقسیم کے فوراً بعد پاکستان کی سیاسی، سماجی اور معاشی صورتحال انتشار کا شکار ہو گئی۔جس سے وطن سازی کے ساتھ وابستہ خوش کن

تصورات پارہ پارہ ہو گئے۔اس صورتِ حال کو غزل میں خوب اندازمیں پرویا گیا۔قیامِ پاکستان کے وقت اُردو غزل کے آسمان پر کئی ستارے جگمگارہے تھے۔

ان میں فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، حفیظ ہوشیارپوری، احمد ندیم قاسمی، احسان دانش، ظہیر کاشمیری، انشا جی، ساحر لدھیانوی کے نام شامل ہیں۔جنہوں نے اردو غزل میں اپنے اپنے رنگ سے نئے تجربات کیے اور غزل کے معیار کو برقرار رکھا۔اس وقت غزل کے موضوعات بدل گئے تھے۔ان شعرا نے غزل میں جدید موضوعات شامل کر کے غزل کی روایت کو مزید آگے بڑھایا۔انہی شعرا میں اختر ہوشیارپوری کا نام بھی آتا ہے۔جنہوں نے اپنے منفرد رنگ سے غزل کی آب یاری کرتے ہوئے جدید غزل کہی اور اپنی نمایاں شناخت کرائی۔

اختر ہوشیارپوری کی شاعری اپنا مخصوص رنگ لیے ہوئے ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنا الگ شاعرانہ مزاج اور نظریہ فن رکھتے تھے۔نظریہ فن پر بات کرتے ہوئے اختر ہوشیارپوری ایک جگہ یوں کہتے ہیں:

> ’’فن اپنا کوئی مخصوص نظریہ نہیں رکھتا۔میرا یہ اظہار ہی فن کا دوسرا نام ہے۔یہی ایک تخلیقی عمل ہے اور وسعتِ بیان سے تعلق رکھتا ہے۔شاعر اور ادیب ہر وہ چیز مشاہدہ یا تجربہ جس سے بھی اثر پذیر ہو۔اس کے اظہار کے لیے اس پر کوئی قدغن لگائی نہیں جاسکتی۔وہ آزاد ہے۔ہمیں صرف یہ جانچنا مقصود ہے کہ کہنے والے نے کیا سوچا ہے اور اس کا ابلاغ کس طرح کیا ہے۔یہی فن کا تقاضا ہے۔‘‘(۶)

اختر ہوشیارپوری ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔وہ ایک لمبا عرصہ تک ادب سے وابستہ رہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے خیال کو غزل میں نئے پیرائے سے پیش کیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی غزل میں تصوف، مذہب، وطن، ہجرت، عدم شناخت، تنہائی، خوف، رومان، سیاست اور دیگر موضوعات پائے جاتے ہیں۔اگرچہ یہ تمام موضوعات عام موضوعات ہیں جو کہ روزمرہ زندگی میں پیش آتے ہیں مگر اختر ہوشیارپوری نے ان موضوعات کو فکر کی گہرائی سے اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں الفاظ کا چناؤ بھی بہت عمدہ ہے جو کہ اردو غزل کے مزاج کے مطابق ہے۔مثلاً چراغ، سحر، قفس، کسیار، ہجرو وصال، بلبل، زندان، زنجیر و

سلال،مشعل، آشیاں، چمن، منزل، سناٹا، یاد وغیرہ۔یہ وہ الفاظ ہیں جنھوں نے اختر ہوشیارپوری کی غزل کو زینت بخشی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے ان الفاظ کو غزل میں بڑی پرکاری سے استعمال کیا ہے اور غزل کو نئے موضوعات دیے ہیں۔

اختر ہوشیارپوری کی غزل کا فکری جائزہ

شاعری میں فکر اور فن دونوں عوامل کا ہونا ضروری ہے۔فکر سے شاعری کے موضوعات میں جہاں تنوع پیدا ہوتا ہے وہیں شاعری وقت کا ساتھ بھی دیتی ہے۔شاعری میں نظریہ اور خیال ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔اخترہوشیارپوری ایک نظریہ اور فکر کے شاعر تھے۔ان کی شاعری میں بدلتے ہوئے ادوار کے نظریات اور خیال آفرینی موجود ہے۔ان کی شناخت چونکہ ایک غزل گو شاعر کے طور پر نمایاں ہے۔انہوں نے اپنی غزل میں نئے خیالات اور تصورات کو بہت دل کش انداز سے پیش کیا ہے۔ان کی فکر میں نقطہ آرائی اور فکر کی گہرائی پائی جاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی فکر کی گہرائی غزل کے مختلف موضوعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔وہ جس خیال کو اپنی غزل کا موضوع بناتے ہیں۔اس میں ان کے جذبے کی گرفت نمایاں رہتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی غزل میں بہت خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے ان کی فکر کو وسعت ملی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی غزل کا فکری جائزہ لینے کے لیے ان کی غزل کے مختلف موضوعات کا تجزیہ کیا جائے گا۔

تصوف

اردو غزل کی روایت میں تصوف کے رجحان کو بنیادی حیثیت رہی ہے۔ہر بڑے شاعر نے اپنی غزل میں تصوف کے موضوع کو شامل کیا ہے اور کچھ غزل گو شعرا تو ایسے بھی ہیں جن کی غزل میں تصوف کا رنگ غالب رہا ہے مثلاً خواجہ میر دردؔ، علاوہ ازیں غالبؔ، میرؔ سے لے کر عہد حاضر تک کئی شعرا کی غزل میں صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں بے شمار ایسے اشعار موجود ہیں جن میں تصوف کا رجحان اور افکار و نظریات موجود ہیں۔انہوں نے اپنی غزل میں صوفیانہ خیالات و تصورات کے مضامین باندھے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی غزل میں کئی مقامات ایسے آتے ہیں۔جہاں انھوں نے تصوف کے مختلف نظریات کو اپنے شعروں میں سمویا ہے۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اختر ہوشیارپوری مذہب اور روحانیت سے خاصا لگاؤ رکھتے تھے۔یہ اختر ہوشیارپوری کے جذبے کی سچائی کی درخشاں دلیل ہے جو ان کے اشعار سے جھلکتی ہے۔وہ رب العزت کے حضور

اپنے اشعار کے ذریعے خوبصورت نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔وہ ذوالجلال کے حضور عجز و انکساری سے دعائیہ اشعار کہتے ہیں کہ قاری پڑھتے ہوئے سرشاری کی کیفیت میں پہنچ جاتا ہے۔اس طرح مذہبی رنگ میں اختر ہوشیارپوری کے ہاں رنگ تصوف اور بھی نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔اختر ہوشیارپوری ایک نظریہ ساز فکر کے شاعر تھے۔انھوں نے اپنی شاعری میں تصوف کے رجحان کو شامل حال رکھا۔تصوف میں خدا کا تصور اور خدا کے سامنے رہنے کا خیال ہمہ وقت رہتا ہے۔ایسے ہی موضوعات اختر ہوشیارپوری کے ہاں بھی ملتے ہیں۔اس حوالے سے اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہستی کا سب کاروبار
تُو ہی اس کا ہے مختار

تیرا اشارہ کافی ہے
تُو ہی محافظ کھیون ہار

ماہ و اختر تیرے گدا
تُو ہی سب کا پالن ہار (۷)

اختر ہوشیار پوری اپنے رب کے حضور یہ اقرار کر رہے ہیں کہ اس بھری کائنات میں ایک تیری ہی ذات ایسی ہے جو مالک و مختار ہے یہ صفت او رکسی کو حاصل نہیں ہے۔تیرے ہی اشاروں پر ساری کائنات چل رہی ہے۔تو ہی کشتیوں کا محافظ اور نگہبان ہے۔تیرے ہی کے حکم سے کنارے ملتے ہیں۔چاند اور ستارے تیرے ہی در کے سائل ہیں اور تو ہی سب کا پیٹ پال رہا ہے۔ پتھر میں کیڑے کو خوراک پہنچا رہا ہے۔سب کا پالنہار رب العزت کی واحد ذات ہے۔وہ ہی سب کو رزق دیتا ہے اور وہ ہی سب کو عزتیں او رذلتیں دینے والا ہے۔اختر ہوشیار پوری اپنے رب کی صفات انتہائی عاجزی سے بیان کرتے ہیں۔

اختر ہوشیاری پوری کے ہاں حضور اکرم ﷺ سے گہری عقیدت اور محبت کا اظہا ر ملتا ہے۔وہ عشقِ محمدﷺ میں ڈوب کر جب شعر کہتے ہیں تو اس طرح کا اظہار سامنے آتا ہے۔

اے شاہِ امم مجھ کو انعام محبت دے
میں بندۂ عصیاں ہوں اعزازِ شفاعت دے

پھر لطفِ حضوری سے بھر دے مرے دامن کو
جاگیرِ عنایت دے اقلیمِ عنایت دے (۸)

یہ ایک ایسا رویہ ہے جو شاعر کے دل کی کیفیات کو سمجھنے اور عشق نبیؐ سے سرشاری کا غماض ہے۔اختر ہوشیارپوری کا کہنا ہے کہ صراطِ مستقیم کا راستہ وہی راستہ ہے جو نبی معظم، فخرِ کائنات اور وجہ تخلیقِ کائنات ﷺ نے ہمیں بتایا ہے۔وہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ بتانے کے لیے ہی آئے تھے۔اختر ہوشیاری پوری کا کہنا ہے کہ میں گنہگار شخص ہوں۔آپ ﷺ میرے لیے شفاعت کے دروازے کھول دیں۔آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں آپ ﷺ کا کرم ہوگیا تو گنہگار بندے بھی جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے۔آپ ﷺ کی شفاعت ہی بخشش کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اختر ہوشیارپوری قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں جا بجا صوفی رنگ نظر آتا ہے۔وہ طبیعت کے بھی صوفی منش انسان تھے۔وہ عاجزانہ رویہ رکھتے تھے۔یہی رویہ ان کی شاعری میں واضح جھلکتا ہے۔وہ نماز،روزہ کے پابند انسان تھے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو ہمیشہ مد نظر رکھتے تھے۔انہوں نے جتنی بھی شاعری کی وہ سب کسی مقصد کے تحت کی۔اختر ہوشیارپوری کا مقصد اسلامی نقطۂ نظر کو پھیلانا تھا اور اسلام کے مطابق زندگی گزارنا تھا۔گویا انہوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں مذہب اور تصوف کو نمایاں رکھا۔

میں چومتا پھرتا ہوں چٹانوں کی جبین کو
شاید کسی بت خانے سے گلبانگِ حرم آئے(۹)

وطنیت

انسان جہاں رہتا ہے، زندگی گزارتا ہے اس جگہ سے پیار اور محبت کا ہوجانا ایک فطری جذبہ ہے۔اختر ہو شیار پوری کے ہاں بھی جذبہ حب الوطنی اپنے عروج پر دکھائی دیتا ہے۔اُن کے ہاں وطن سے محبت کا جذبہ اس قدر موجزن تھا کہ وہ اپنے وطن کے ذرّے ذرّے سے محبت کرنے والے انسان تھے۔وہ اپنے وطن عزیز سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔اختر ہو شیار پوری وطن میں موجودہ صورت حال سے پوری طرح آگاہ تھے وہ یہاں کے ماحول کو حبس زدہ موسم قرار دیتے ہوئے حضور پاک ﷺ سے التجا کرتے ہیں کہ کوئے مدینہ سے اگر کوئی ہوا اِدھر میرے وطن میں

آئے تو پھر شاید حبس زدہ موسم بہار میں بدل جائے۔گویا اختر ہوشیارپوری کی التجا ان کی مدینہ سے محبت اور اپنے وطن کو اس کی فضا سے ہم آہنگ کرنے کی خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔وہ کہتے ہیں:

بلا کا حبسِ گراں ہے مرے وطن میں آ
ہوائے کوئے مدینہ اس انجمن میں آ (۱۰)

اختر ہو شیار پوری کا پاک دھرتی سے تعلق خون کے رشتہ کا ہے۔وہ اس کی عزت و حرمت پر جان و دل نثار کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔پاک دھرتی کا مرتبہ ماں جیسا ہے۔ماں سے بے پناہ محبت کرتے ہوئے اس کے بیٹے اس کی حفاظت کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ دھرتی کی حفاظت میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔اختر ہوشیارپوری اس کے ذرے ذرے کی حفاظت کرنا اپنافرض سمجھتے ہیں کیوں کہ وہ پاک دھرتی سے تعلق کو ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسا خون کا رشتہ ہو اور خون کے رشتے بڑے مضبوط اور اٹل ہوتے ہیں۔اِن کے تحفظ کے لیے انسان کسی بھی طرح کی قربانیوں سے گریز نہیں کرتا۔اسی مضمون کو اختر ہوشیارپوری اپنی ایک غزل میں یوں سموتے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جہان والوں سے ہمدم مرا جہاں ہے بلند
زمیں بلند مری میرا آسماں ہے بلند
ضیائے اختر و تنویر کہکشاں ہے بلند
ہے ترجمانِ حدیثِ نظر کلام مرا
بہت بلند ستاروں سے ہے مقام مرا (۱۱)

اختر ہوشیارپوری کا اپنی زمین اپنی دھرتی سے والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار ان اشعار میں موجود ہے۔وہ سارے جہاں سے بلند تر اپنی زمین کو قرار دے رہے ہیں۔یہ وطن سے گہری محبت و الفت کا نتیجہ ہے۔پاک دھرتی سے بے پناہ محبت کا اظہار ان کے اس شعر میں بھی ملتا ہے۔

کشش زمیں کی کہاں چھوڑتی ہے انساں کو
بلندیوں پہ بھی جا کر زمیں کو دیکھے گا (۱۲)

مذکورہ بالا شعر میں بھی زمین سے محبت اور عقیدت کو کمالِ ہنر مندی سے پیش کیا گیا ہے۔ یہاں پہلے مصرع میں ''کشش'' سے مراد محبت اور عقیدت ہے۔شعر میں کہا گیا ہے کہ

بلندیوں پر جانے کے باوجود زمین سے محبت اور عقیدت زمین کی طرف کھینچتی رہے گی۔چاہے انسان کتنا ہی ترقی کر جائے مگر اس کو اپنی جائے پیدائش سے اپنے وطن سے محبت فطری طور پر برقرار رہتی ہے۔اختر ہوشیارپوری خالص محب وطن تھے۔وہ وطن کو اپنا محافظ سمجھتے تھے۔اس حوالے سے اان کا شعر دیکھیں:

دھوپ سے بچ کر اور جاؤں کہاں
اپنا سایہ گھنا شجر ہے یہاں (۱۳)

اختر ہوشیارپوری کو اپنے وطن کی خاک سے بہت پیار تھا وہ اس خاک کو ماں کا درجہ دیتے تھے جیسے ماں کی گود میں سر رکھ کر ماں کے چہرے کو دیکھا جائے تو ایک عجیب سے سکون کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔بالکل اسی طرح سے اپنے وطن کی خاک بھی سکون میسر کرتی ہے۔اس کو دیکھ کر اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔اگرچہ اختر ہوشیارپوری ہوشیارپور، مشرقی پنجاب، ہندوستان میں پیدا ہوئے مگر انہوں نے جس طرح سے اس وطن پاکستان اور پاکستان سے وابستہ ہر ایک چیز کو اپنایا یہ ان کی پاکستان سے محبت کا گہرا ثبوت ہے۔شعر ملاحظہ ہو:

یہ الگ بات کہ خراشیں ہی خراشیں ہیں تمام
ورنہ اس خاک کا چہرہ مجھے ماں ایسا ہے(۱۴)

عشق و رومانویت

محبت انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔یہ فطری جذبہ ہے جس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نا ممکن ہے۔اختر ہوشیار پوری کے ہاں بھی رومانویت کا پہلو موجود ہے۔اختر ہوشیارپوری کی غزلوں میں رومان کا جذبہ اگرچہ دھیما ہے مگر واضح ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے محبوب سے محبت کا جا بجا اظہار بھی کیا ہے تو کبھی اس کی بے رخی کا گلہ بھی۔اختر ہو شیار پوری کے ہاں ہجر و وصال کے ذائقے بھی موجود ہیں۔ان کی غزلوں کا بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا شاعرانہ لہجہ دھیما اور دلآویز ہے۔پُر خلوص ہے سوزِدروں رکھتا ہے۔امیجری جاندارہے اور واضح ہے۔وہ زندگی کی مختلف کیفیات کو اور محبت کی واردات کو بڑے دلپذیر انداز میں پیش کرتے ہیں۔کلام میں حُسن ہے، حُسن انسان کے اندرون سے آتا ہے۔اندر حسین ہے تو زندگی بھی حسین اور اطراف بھی

حسین ہوتے ہیں۔محبت یعنی رومان کا جذبہ اختر کے ہاں نمایاں ہے۔اس حوالے سے چند اشعار مثال کے طور پر پیش ہیں:

یہ رنگ بھی آئینہ میں دیکھا نہیں جاتا
میں خود کو دیکھوں تیرا چہرہ نظر آئے(۱۵)

زخم مہکے ہیں کہ پھولوں سے صبا ملتی ہے
شہر دل میں ترے کوچے کو فضا ملتی ہے(۱۶)

لوٹ کر جب آئے تھے ان کے آستانے سے
حسن لے چکا تھا رنگ عشق کے فسانے سے(۱۷)

جسے محبت پکارتے ہیں اسی کا شاید وہ نام ہو گا
کہ بارہا ان کو دیکھتے ہیں ہم ان سے نظریں بچا بچا کر(۱۸)

ایک اور جگہ پر شعر ملاحظہ کیجیے:

وہ میرے غمکدہ میں آج اگر بھولے سے جو آ جائے
تو ننھی بوندوں سے میرے دل کا داغ دھل جائے(۱۹)

''پیش آہنگ'' اور''مسافتیں'' دونوں غزلیہ مجموعے اختر ہوشیارپوری کے ابتدائی دور کے مجموعے ہیں۔اگرچہ یہ دونوں آگے پیچھے آخری چھپنے والے مجموعات ہیں مگر ان میں اختر ہوشیارپوری کا موجودہ کلام اوائل عمری کا کلام ہے۔گویا اس دور میں رومانیت کا غلبہ تھا اور یہ فطری موضوع تھا۔کوئی بھی شاعر اپنی شاعری کا آغاز رومانویت کا موضوع لے کر کرتا ہے۔یہ موضوع وقت اور شعور کا تقاضا ہوتا ہے۔بعد میں وقت کے ساتھ ساتھ شعور کی گہرائی اور گیرائی میں پختگی آتی جاتی ہے۔موضوعات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔پھر غمِ ذات، غمِ کائنات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اسی روایت کو جاری رکھااگرچہ اختر ہوشیارپوری کے ہاں رومانیت کا رنگ بہت پھیکا اور مدھم ہے مگر خوبصورت انداز میں ملتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کا محبوب جیتا جاگتا انسان ہے۔اخترہوشیارپوری عشق کے آداب سے بخوبی آگاہ ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی نظر میں محبوب کا بہت بڑا

مقام ہے۔وہ کسی صورت اپنے محبوب کی رسوائی برداشت نہیں کر سکتے۔وہ اپنے محبوب کو چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں۔

یہ آرزو بھی ہے کہ تجھے دیکھتا رہوں
یہ چاہتا بھی ہوں کہ کسی کو خبر نہ ہو(۲۰)

رومانیت اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں اہم موضوع ہے۔رومان ان کے تمام شعری سفر میں خراماں خراماں چلتا رہتا ہے۔اس طرح قاری بوریت محسوس نہیں کرتا۔''مسافتیں'' میں رومانوی رنگ کافی گہرا اور واضح معلوم ہوتا ہے۔کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

نظر اداس نہ تھی دل کو اضطراب نہ تھا
تمہارے عہد سے پہلے کوئی خراب نہ تھا(۲۱)

عشق میں ہوش کو آزار کہا جاتا ہے
آہ کو دور کا اظہار کیا جاتا ہے
حسن کو بزم میں دستور نرالا دیکھا
بے خطا کو بھی خطا وار کہا جاتا ہے(۲۲)

زمانہ راہ میں دیوار بن کے تھا حائل
نظر بچا کے محبت کا کارواں نکلا(۲۳)

میں کیا تم کو بتاؤں، ہے کیا سوزش محبت کی
کہ یہ محسوس تو ہوتی ہے، پہچانی نہیں جاتی(۲۴)

ترا شباب ہی وارفتیٔ نگاہ نہیں
یہ حادثہ تو محبت میں سب پہ گزرا ہے(۲۵)

اختر ہوشیارپوری کا محبوب بھی اپنے عاشق سے اتنی ہی محبت رکھتا ہے جتنا کہ عاشق اپنے محبوب سے رکھتا ہے۔یہ محبت یک طرفہ نہیں ہے۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں محبوب اپنے عاشق کو کوئی بے رخی نہیں دکھاتا بلکہ وہ بھی اپنے عاشق کے لیے چاہت رکھتا ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں:

مرے خیال میں تُو ہے، مری نگاہ میں تُو
کسے خبر کہ تجھے بھی مری تمنا ہے
میں اپنی آگ میں جلتا تھا اور چپ چپ تھا
مگر گماں یہ کہاں تھا کہ تُو بھی تنہا ہے(۲۶)

اختر ہوشیارپوری کی رومانیت میں تجریدیت پائی جاتی ہے۔رومانوی شاعری میں مصوری کا رنگ پایا جاتا ہے۔ قاری کے سامنے تصویر جھلکنے لگ جاتی ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں:

پاکر تری آنکھ کا اشارہ
ہر چیز شراب ہو گئی ہے
یہ زلف ترے بدن سے چھو کر
تفسیرِ شباب ہو گئی ہے(۲۷)

آہستہ آہستہ رومانویت کا رنگ چھٹتا جاتا ہے اور حقیقت کا ادراک ہوتا جاتا ہے۔ اختر ہوشیارپوری معاشرے کے عکاس شاعر تھے۔بہت جلد اختر ہوشیارپوری کی شاعری پر حقیقت کا عنصر غالب آ گیا اور وہ جو کچھ دیکھتے گئے جو جو محسوس کرتے گئے انہوں نے صاف گوئی سے کام لے کر اس کو شاعرانہ رنگ دے کر صفحہ قرطاس پر پھیلادیا۔اس حوالے سے ان کی ایک غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

بہت دنوں میں یہ عقدہ کھلا محبت پر
کہ زندگی کا بھی احساں ہے دل کی دولت پر
یہ بات اور ہے راس آ سکی نہ میری وفا
مجھے گماں تو بہت تھا تری محبت پر
ترا خیال مجھے زندگی ہے اے غمِ دوست
مگر یہ کیا کہ ہے اک بار سا طبیعت پر(۲۸)

ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

وفا کا ذوق عشقِ ناتواں کے قلب میں رکھا
کہاں رکھنی تھی بنیاد محبت اور کہاں رکھ دی

الٰہی خیر ہو اب میں ہوں اور راز محبت ہے
یہ میں نے خاک پر بنیادِ کاخِ آسماں رکھ دی(۲۹)

خوف اور ڈر کا احساس

اختر ہو شیار پوری کے ہاں فکری حوالے سے ایک موضوع خوف بھی ابھر کر سامنے آتا ہے۔ان کے ہاں یہ خوف مختلف صورتوں میں ظاہر ہو تاہے۔کہیں یہ خوف اندر سے پھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے او رکہیں یہ خو ف باہر کے ماحول سے کشید کرتے ہوئے سامنے آتا ہے۔یہ خوف عدم تحفظ کا بھی ہے۔جہاں تحفظ کا احساس نہ ہو وہاں خوف پیدا ہو جانا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔اختر ہوشیارپوری کا اس حوالے سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

ازل آگے ہے اور اَبد پیچھے
زندگی! تجھ سے ڈر رہا ہوں میں (۳۰)

اختر ہوشیار پوری نے اس شعر میں بہت اہم موضوع باندھا ہے۔اگرچہ اس رنگین دنیا میں بسنے والے لوگ اپنے ازل اور ابد سے غافل ہیں اور اسی غفلت میں پوری زندگی گزار دیتے ہیں۔ شاعر یہاں بڑا محتاط نظر آتا ہے اور وہ زندگی سے خوف زدہ ہے۔یہ خوف دراصل اختر ہوشیارپوری کے اندر سے کہیں پھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے کیوں کہ اختر ہوشیارپوری نے زندگی کی بے ثباتی پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ کبھی بھی کسی وقت زندگی کا تسلسل ٹوٹ سکتا ہے کہیں ایسے موڑ پریہ سلسلہ ختم نہ ہو جب ہم غفلت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔اختر ہوشیارپوری بے خبری کی زندگی نہیں گزارنا چاہتے ہیں۔

جب معاشرہ اس قسم کے خوف سے دو چار ہو گا تو ہمارے اہل قلم بھی خاموش تماشائی نہیں بن سکتے۔وہ معاشرے کے بہترین نباض ہوتے ہیں۔اس لیے غیر شعوری طور پر ان واقعات کو ہمارے ادب کا حصہ بنا دیا جاتا ہے۔افسانہ نگاروں نے ان واقعات کو اپنے افسانے میں پرونے کی کوشش کی ہے۔شاعر وں نے اپنی شاعری کے ذریعے ان واقعات کو پینٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔اُردو غزل کے موضوعاتی دائرے میں عدم تحفظ کا خوف جیسے موضوعات نے بھی جنم لیا ہے۔ اختر ہو شیار پوری نے بھی اس موضوع پر بہت سے اشعار کہے ہیں۔جن میں عدم تحفظ کا خوف پایا

جاتا ہے۔ لوگوں کا اعتماد ٹوٹ چکا ہے۔اور یہاں تک کہ وہ سایہ سے بھی ڈرنے لگ گئے ہیں۔ اخترہوشیارپوری یہاں پر عدم اعتمادی کی چھائی ہوئی فضا کو ظاہر کرتے نظر آتے ہیں۔

سانپ کے پھنکارنے کی اختر آتی ہے صدا
لوگ اب ڈرنے لگے ہیں سایہ ٔاشجار سے (۳۱)

معاشرے میں پھیلے ہوئے خوف سے لوگ سہمے ہوئے ہیں۔اخترہو شیار پوری کا کہنا ہے کہ اس سے لگتا ہے کہ کوئی سانحہ ضرور ہوا ہے جس کی وجہ سے سارے لوگ خوف زدہ او رسہمے سہمے سے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اصل میں معاشرے کے عکاس شاعر تھے۔ان کی شاعری معاشرہ اور معاشرتی مسائل کی تصویریں بہت واضح انداز میں ہمارے سامنے لاکھڑا کرتی ہے اگرچہ اخترہوشیارپوری کی شاعری معاشرے کی ظاہری صورت حال کو واضح کر رہی ہے مگر اس کے پیچھے عدم اعتمادی، خوف و ہراس اور دکھ کی لہرواضح نظرمیں محسوس کی جاسکتی ہے۔

ضرور سانحہ کوئی ہوا ہے بستی میں
کہ لوگ سہمے ہوئے اس گلی سے گزرے ہیں (۳۲)

جہاں پر لوگ چہروں پر غلاف چڑھائے ہوئے ہوں وہاں اصل چہرے کی پہچان بہت مشکل ہو جایا کرتی ہے۔اس صورت حال سے بھی ختر ہوشیا رپوری خوف زدہ ہیں کہ لوگ اصلی چہروں کے بجائے نقلی چہرے سجا کر ملتے ہیں۔اس صورت حال میں عدم تحفظ کا خوف دامن گیر ہو جایا کرتا ہے۔اختر ہوشیارپوری نے معاشرے میں ہونے والی ناہمواریوں کو ہر لحاظ سے محسوس کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ایک تو شاعر ہونا چونکہ شاعر حضرات بہت حساس ہوتے ہیں اور پھر اخترہوشیارپوری کا پیشہ وکالت رہا تو اس طرح سے ان کی محسوس کرنے کی حس اور بھی زیادہ تیز اور دوربین ہو گئی تھی۔وہ معاشرے کا دوہرا پن خوب جانتے تھے اس وجہ سے زیادہ محتاط ہوجاتے تھے۔خوف کی ایک صورت ایسی بھی ہے جہاں اپنے ہی گھر سے خوف آنے لگتا ہے۔شعرملاحظہ ہوں:

کوئی چہرہ نہیں اصلی کہ ہیں چہروں پہ غلاف
میں مگر جاؤں کہاں، خوف سا آتا ہے مجھے (۳۳)

جہاں ڈر اور خوف بڑھ جائے وہاں انسان ہوا سے بجنے والے دروازے سے بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔بعض اوقات کہنہ در و دیوار سے بھی خوف آنے لگتا ہے۔دیواریں کہنگی کا لبادہ اوڑھ لیں تو معمولی سا زلزلہ بھی ان کو گرا سکتا ہے۔اس صورت حال سے بھی شاعر خوف میں مبتلا ہے اسی لیے اس طرح کے اشعار کہہ کر دلی جذبات کا اظہار کر رہا ہے۔حقیقت میں اختر ہو شیار پوری کے ہاں خوف اور ڈر ان کے اندر کی کیفیات کو ظاہر کرتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں ایک انجانے خوف نے ڈیرا جمایا ہوا ہے مگر درحقیقت یہ خوف نہیں بلکہ ذات کی اندرونی اور بیرونی محرومیاں ہیں جنھوں نے ڈر اور خوف کی شکل اختیار کر لی ہے۔

میں نے کھولا نہیں دروازہ ہوا کے ڈر سے
پھر بھی کیا حال ہوا، سب نظر آتا ہے مجھے
زلزلہ آیا تو دیواروں میں دب جاؤں گا
لوگ بھی کہتے ہیں یہ،گھر بھی ڈراتا ہے مجھے(۳۴)

خوف کی اس فضا میں انسان اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔اسی کیفیت کو اختر ہوشیارپوری نے کمال سلیقے سے بیان کیا ہے اگرچہ اخترہوشیارپوری خود کو ایک شعلہ سے مشابہت دیتے ہیں کہ بظاہر اس قدر طاقت ور کہ کوئی چھوئے بھی تو جل جائے مگر خود اپنی ذات سے خوف زدہ ہے۔اپنے سائے سے بھی خوف محسوس کرتا ہے۔سائے کے حوالے سے ان کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

وہ ایک شعلۂ جوالہ جو چھوئے جل جائے
مگر خود اپنے ہی سائے سے خوف کھائے وہ (۳۵)

جب انسان کے اندر خوف سرایت کر جائے تو پھر وہ اپنے آپ سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔اپنے سائے سے بھی خوف کھانے لگتا ہے۔یہ صورت حال انتہائی تکلیف دہ ہے کہ انسان اپنے ہمزاد سے بھی خوف کھانے لگے حتیٰ کہ اسے اپنے سائے سے بھی خوف آتا ہو۔اختر ہو شیارپوری نے اپنے مذکورہ بالا شعروں میں بھرپور طریقے سے اپنے احساسات کو بیان کیا ہے چونکہ اختر ہوشیارپوری نے جو جو جیسے جیسے محسوس کیا وہی کچھ صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیا۔اختر ہوشیارپوری کے اس انداز سے قاری کو اخترہوشیارپوری کے ہاں سچا پن اور سادگی کا پہلو واضح ملتا ہے۔اخترہوشیارپوری کی شاعری بناوٹ سے پاک ہے۔

اکثر ترے ساتھ چلتے چلتے
اپنے سائے سے ڈر گئے ہم(۳۶)

سیاسی اور عالمی منظر نامہ

اختر ہو شیارپوری کے ہاں دیگر موضوعات کے علاوہ سیاست او رعالمی تناظر کا بھی پہلو دیکھا جاسکتا ہے۔اس موضوع سے اخترہوشیارپوری کاعالمی تناظر میں ذہنی وسعت اور علمی استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔کشمیر ہو یا بوسینا وہاں کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے کون واقف نہیں۔ کشمیر ۲۷ برس سے ظلم و جور کا شکار ہے۔اس حوالے سے ایک شعر دیکھیے:

کشمیر سے تا بوسینا آگ لگی ہے
اور برف بدن ہیں کہ پگھلتے ہی نہیں ہیں (۳۷)

کشمیر میں ہندوستان نے ظلم و بربریت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔اب اس میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے۔کافی لمبے عرصے سے کشمیر میں کرفیو کی کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔کشمیری مسلمان گھر وں میں قید کر دیے گئے ہیں۔سکول، ہسپتال، اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، ذرائع آمد و رفت، انٹرنیٹ، بازار کالج، یونیورسٹیاں سب بند پڑی ہیں۔ادویات تک دستیاب نہیں۔آئے روز کشمیری نوجوانوں کو شہید کیا جار ہا ہے۔کشمیر میں ہونے والے ظلم وبربریت کے خلاف اختر ہوشیار پوری نے یہ شعر کہہ کر کشمیری نوجوانوں کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ایک خالص مسلمان دل رکھنے کا ثبوت دے دیا ہے۔اصل میں اختر ہوشیارپوری یہاں مسلمانوں کو غیرت کا جذبہ محسوس کروا رہے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگوں کو بالکل پرواہ نہیں ہے کہ وہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں مگر ظلم کا شکار ہیں۔ان کی مدد کرنی چاہیے۔

اختر ہوشیارپوری کے اندر حب الوطنی کاجذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔وہ ہمیشہ محب وطن ہونے کا ثبوت دیتے رہے۔جب سقوط ڈھاکہ کا سانحہ رونما ہوتا ہے تو ان کو بہت دکھ ہوتا ہے اور وہ اپنے دکھ کے کرب کا اظہار اپنی غزل میں کرتے ہیں اور کہتے ہیں، بازو کٹ گئے مگر وجود سلامت رہا۔ وہ یہاں بنگلہ دیش اور پاکستان کی بات کرتے ہیں۔

بازوؤں کے ٹوٹنے پر بھی سلامت تھا وجود
میرا پیکر دیکھتا تھا جسم و جاں یک جان تھے(۳۸)

۱۹۶۵ء کے بعد سقوط ڈھاکہ کا واقعہ رونما ہوا جس نے پوری قوم کو ایک کرب اور درد کی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ایک ہی قوم کا کچھ ہی عرصے میں دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے احساس نے غزل کو دکھ بھرے جذباتی استعاروں سے ہم کنار کیا۔زندگی کی بقا کے لئے جدوجہد ایک مسلسل عمل ہے جس سے انسان گزر کر اپنے نصب العین میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔اختر ہوشیا ر پوری نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھا کر اپنے بیدار مغز ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

عدم شناخت کا مسئلہ

عدم شناخت بڑا ہی گھمبیر اور تکلیف دہ مسئلہ ہے۔انسان کو اپنی پہچان کے لیے سو طرح کے جتن کرنے پڑتے ہیں۔اس کے باوجود اگر انسان کو اپنی پہچان نہ ہو تو بڑی تکلیف دہ صورت حال بن جاتی ہے اور یہ صورت حال اختر ہوشیار پوری کے ہاں بڑے واضح انداز میں ابھر کر سامنے آئی ہے۔ان کے تقریباً ہر شعری مجموعہ میں اس صورتِ حال پر بہت سے اشعار مل جاتے ہیں۔

اختر ہوشیارپوری اپنی ذات کے خول میں رہنے والے انسان تھے۔اختر صاحب ایک خاموش طبع آدمی تھے، مگر ان کی سوچ بولتی تھی اور وہ اپنی سوچ کو کاغذ کی زینت بنا لیتے تھے۔

شاعر کا کہنا ہے کہ وہ ہمیشہ پس پردہ ہی رہنا پسند کرتا ہے وہ کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔وہ کبھی اپنے آپ پر بھی نہیں کھلا۔اس لیے کسی دوسرے پر میری ذات منکشف نہیں ہوئی۔مگر میری ذات ایک دریا کی مانند ہے اور اس میں راز بہت گہرے ہیں اور ایسے راز ہیں جو کہ صرف میری ہی ذات تک محدود ہیں۔وہ فاش نہیں ہو سکتے۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری ان کی ذاتِ تنہائی کا بھی تصور دیتی ہے۔

میں اپنے آپ پہ بھی منکشف ہوا نہ کبھی
کسے بتاؤں کہ دریا کے راز گہرے ہیں (۳۹)

اپنے تعاقب میں رہنا گویا اپنی شناخت کی جستجو میں رہنا، بھٹکنا ایک تکلیف دہ عمل بھی ہے اور مثبت پہلو بھی ہے۔انسان کو اپنا آپ ضرور پہچان رکھنی چاہیے۔اگر انسان اپنی ذات کو سمجھ لے اس کا اس کائنات میں ہونے کا مطلب سمجھ لے تو انسان کامیاب ہو جاتا ہے اور اپنی منزل حاصل کر لیتا ہے۔اختر صاحب بھی یہی موضوع لیے ہوئے ہیں اس شعر میں میرے نزدیک عدم شناخت سے زیادہ ذات کو پہچاننے کا عنصر نمایاں ہے مزید یہ کہ اس طرح سے اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں اصلاحی رنگ واضح ہوجاتا ہے۔

شاید اپنے ہی تعاقب میں ہوں میں صدیوں سے
شاید اپنا ہی تصور لیے جاتا ہے مجھے (۴۰)

حقیقت پسندی کا عنصر

ویسے تو اختر ہوشیارپوری کا سارا کلام حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔کوئی خیالی کلام نہیں ہے۔نہ ہی خلا میں تیر چھوڑنے والی صورت نظر آتی ہے۔پہلے پہل رومانوی رنگ کا تھوڑا بہت غلبہ پایا جاتا ہے مگر بہت جلد حقیقت پسندی کی طرف اپنا رجحان موڑ لیتے ہیں۔بہت سے موضوعات حقیقت پسندی کے تحت اپنی شاعری میں بیان کر ڈالتے ہیں جو کہ تمام کے تمام موضوعات اصلاحِ معاشرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مقصدیت کا پہلو غالب رہتا ہے۔

بہت دنوں میں اٹھا زندگی کے رخ سے نقاب
بہت دنوں میں ہوئی آپ کی نظر مشہور(۴۱)

اختر ہوشیارپوری کا ایک اور بہت شعر جو حقیقت کو واضح انداز میں عیاں کرتا ہے۔یہ شعر اپنے اندر صرف حقیقت کے عنصر کو سموئے ہوئے ہے بلکہ فنی لحاظ سے بھی خوبصورت لمبی بحر کا نمونہ پیش کرتا ہے۔یہ شعر اختر ہوشیارپوری کے غزلیہ مجموعہ ''پیش آہنگ'' میں بھی موجود ہے۔

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکا دیا مجھ کو
کہ میں نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زبان رکھ دی(۴۲)

اختر ہوشیارپوری کے اس شعر کے بارے میں کافی ساری آراء تھیں کہ یہ شعر اختر ہوشیارپوری کا شعر نہیں ہے۔مگر اس کی تصدیق خود اختر ہوشیارپوری یوں کرتے ہیں:

''میرے دوست شاید اس شعر کے بارے میں بے خبر ہیں یہ شعر میرا ہے
اور ماہنامہ ''ادب لطیف'' لاہور کے سالنامہ ۱۹۴۰ء میں یہ غزل شامل ہے
جس میں یہ شعر موجود ہے۔''(۴۳)

بہت سے شاگرد شعرا، استاد شعرا کے کلام کی پیروی کرتے ہیں اور ان کا انداز اپنے کلام میں سموتے ہیں۔اگرچہ اختر ہوشیارپوری نے نظریاتی لحاظ سے اپنے پورے شعری سفر میں واضح انداز میں کسی شاعر کی تقلید نہیں کی۔اختر ہوشیارپوری پابندیوں کے قائل نہیں تھے۔وہ ایک آزاد منش انسان تھے۔ان کا اپنا نظریہ تھا۔ان کی ساری شاعری اصلاحیہ رنگ رکھتی ہے۔مگر فنی لحاظ سے ان کے

بہت سے اشعار بزرگ شعرا کی شاعری کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔یہ ایک فطری معاملہ ہے۔اختر ہوشیارپوری کی یہ غزل قافیہ، ردیف اور بحر کے لحاظ سے اصغر گونڈوی کی ایک غزل کی طرز پر ہے۔اصغر گونڈوی ایک بہت مشہور شاعر ہو گزرے ہیں۔ان کا کلام آج بھی پڑھا جارہا ہے۔لہذا ان کی ایک غزل کے کچھ اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ملاحظہ ہوں۔

ترے جلوؤں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی
زباں بے نگہ رکھ دی نگاہ بے زباں رکھ دی
نیازِ عشق کو سمجھا ہے کیا اے واعظِ ناداں
ہزاروں بن گئے کعبے جبیں میں نے جہاں رکھ دی
الٰہی کیا کیا تو نے کہ عالم میں تلاطم ہے
غضب کی ایک مشتِ خاک زیر آسماں رکھ دی(۴۴)

لہذا اختر ہوشیارپوری نے بھی اسی طرز میں اپنی دو غزلیں کہی ہیں جو کہ اصغر گونڈوی صاحب کی غزل کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔جبکہ اختر ہوشیارپوری کے غزلیہ مجموعہ ''شہر حرف'' میں ان دونوں غزلوں کو ایک ہی طویل غزل بنا دیا گیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی ایک اور غزل جس میں یہی طرز پنہاں ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

فغاں کے چند ٹکڑوں میں الم کی داستاں رکھ دی
اکٹھی کر کے تفسیر مکان و لامکاں رکھ دی
خدا کا نام لیں یا بے خودی میں ان کو پہچانیں
نصاب عشق میں کیا چیز بہر امتحاں رکھ دی
الٰہی خیر ہو اب میں ہوں اور راز محبت ہے
یہ میں نے خاک پر بنیادِ کاخ آسماں رکھ دی(۴۵)

اختر ہوشیارپوری کا پیشہ وکالت تھا۔انہوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا۔سچ اور جھوٹ کو کئی کئی رنگوں میں برتتے دیکھا۔ایک وکیل کو ہر ایک بات، کو ہر ایک واقعہ کو بہت باریک بینی سے دیکھنا پڑتا ہے۔بار بار سوچ کی چھلنی سے گزرنا پڑتا ہے تب جا کر واقعہ کی تہہ تک پہنچ پاتا ہے۔یوں حقائق کی روشنی میں وہ اپنا مقدمہ لڑتا ہے۔اختر ہوشیارپوری جنہوں نے ۵۰ سے ۶۰ سال لگاتار کچہری میں بہت ایمانداری کے ساتھ گزارے ہوں ان کو زندگی کے حقائق سے کیسے

آگاہی نہ ہو۔اختر ہوشیارپوری نے پنی حقیقت پسندی کا یہی رویہ شاعری میں بھی ظاہر کیا۔بغیر لگی لپٹی، صاف گوئی سے بیان کردیا۔اشعار ملاحظہ ہوں:

جب راز خود ہی فاش ہو غم خوار کیا کرے
روزن جگہ جگہ ہوں تو دیوار کیا کرے(۴۶)

زیست کی مشکل راہیں اُن کے دم سے ہی آسان ہوئیں
الجھے سلجھے بالوں میں جو مانگ نکالے پھرتے ہیں (۴۷)

دامن دل ہے اور اک عمر کی گرد
پھرتے ہیں گردش ایام سے ہم(۴۸)

اختر ہوشیارپوری کے ہاں جرأت اظہار کی خوبی بے دھڑک پائی جاتی ہے۔وہ محسوسات کا اظہار برملا کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نڈر انسان تھے۔ بات کو گھما پھرا کر نہیں کرتے تھے۔ واضح اور دو ٹوک انداز میں کرتے تھے۔وہ حقیقتوں کو یوں آشکار کرتے ہیں۔

ہم نے تو کڑے دور میں بھی منزلیں سر کیں
اب گھر سے مگر لوگ نکلتے ہی نہیں ہیں (۴۹)

خود غرضی نے انسانیت کا گلا گھونٹ ڈالا ہے۔ ہر انسان اپنی ذات میں گم ہے۔ سب اپنی ذات کا سوچتے ہیں۔اس رویہ کو دیکھ کر اختر ہوشیارپوری بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں:

مجھے جھوٹی انا نے مار ڈالا
رگوں میں خون جمتا جارہا ہے(۵۰)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری داخلی پہلو لیے ہوئے ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اختر ہوشیارپوری داخلیت سے خارجیت کا سفر کرتے ہیں۔ وہ محض داخلیت کا باسی بن کر نہیں رہ جاتے بلکہ اپنی آزادی اور مرضی سے انقلاب دہر کا مشاہدہ کرتے نظر آتے ہیں۔وہ یوں کہتے ہیں۔

اہل دنیا کا ہے اک کام یہی
رات دن دیکھے تماشا اپنا(۵۱)

اسی داخلیت اور خارجیت کے اسفار طے کرتے کرتے وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ دنیا غم اور خوشی کا امتزاج ہے۔کبھی خوشی ہے کبھی غم ہیں۔کسی کو غم و اندوہ سے مفر نہیں۔ہر انسان اپنے حصے کے غم برداشت کرتا ہے چاہے کم یا زیادہ۔یوں وہ اپنی زندگی کی قیمت چکاتا ہے اور چلا جاتا ہے۔صرف اللہ کی ذات باقی رہتی ہے جو کہ دائمی اور ابدی ہے۔

یہ عرصۂ زیست کربلا ہے
تا حد نظر فقط خدا ہے(۵۲)

اختر ہوشیارپوری نے جو کچھ محسوس کیا اور اس کو اظہار کے قابل سمجھا وہ انہوں نے شعر کی صورت میں قاری کے سامنے مناسب الفاظ اور متوازن لب و لہجہ میں پیش کر دیا۔وہ کہتے ہیں:

پیروی ہو نہیں سکتی مجھ سے
بات کرنے کا سلیقہ ہے مرا(۵۳)

ایک اور جگہ ملاحظہ کیجیے:

تم بھی جھوٹے، میں بھی جھوٹا، جگ کی ساری ریتیں جھوٹی
مندر، مسجد اور کلیسا دل بہلانے کے ہیں ٹھکانے(۵۴)

اختر ہوشیارپوری نے شعر کو واردات قلبی بھی بنایا اور عصری تناظر میں بھی لکھا مگر اپنی فطری سالمیت کو بھی ہمیشہ ساتھ ساتھ برقرار رکھا۔اختر ہوشیارپوری نے حقیقت سے روگردانی نہیں کی۔درحقیقت انہوں نے بناوٹ کے کاغذی خول سے اپنے فن کو دور رکھا۔اختر ہوشیارپوری اپنی عام زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا۔یہی رنگ ان کی شاعری میں واضح جھلکتا ہے۔حقیقت پسندی کا پرتو اس شعر میں نظر آتا ہے۔

تجھ سے تو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ جاسکا
جلتے رہے چراغ تری انجمن سے دور (۵۵)

انسانی فلاح و بہبود

انسان کا لفظ سنتے ہی فوراً اشرف المخلوقات کا درجہ سامنے آ جاتا ہے۔انسانیت کا رتبہ بہت عظیم ہو جاتا ہے۔انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں پر ترجیح دی ہے۔ الطاف حسین حالی انسانیت کی اہمیت یوں واضح کرتے ہیں:

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ(۵۶)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری انسان دوستی، انسانی مساوات، اصلاح معاشرہ اور معاشرتی اقدار جیسے اہم موضوعات کے گرد گھومتی ہے۔گویا اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری کے ذریعے معاشرے کی فلاح و بہبود چاہتے تھے۔ایک معاشرے کی سب سے اہم اکائی فرد ہوتا ہے۔انسانیت ایک فرد کے گرد گھومتی ہے۔معاشرے کی فلاح و بہبود گویا انسانی فلاح و بہبود ہے۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری اپنے اندر گہرا مقصد چھپائے ہوئے ہے۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری کا سب سے اہم مقصد انسانی فلاح و بہبود کی ترقی ہے۔اختر ہوشیارپوری ہر درد مند دل رکھنے والے شاعر کی طرح معاشرے کی ترقی چاہتے ہیں اور ایک مثالی معاشرہ چاہتے ہیں۔جس میں امن و شانتی ہو، انصاف کا بول بالا ہو،کسی کی حق تلفی نہ ہو۔سب کو برابر رکھا جائے۔ایک شاعر ویسے ہی حساس دل رکھتا ہوتا ہے۔ اختر ہوشیارپوری ایک حساس شاعر تھے۔وہ ہر ایک پہلو پر خاصا غوروفکر کرتے تھے۔انسانی زندگی بہت اہمیت کی حامل ہے۔انسانیت کے ساتھ جو کچھ ظلم ہوا اور ابھی بھی جیسا کہ کشمیر میں انسانیت کا قتل کھلے عام ہو رہا ہے۔اس کے علاوہ پوری دنیا میں انسانیت پر خصوصاً مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ان میں انڈیا اور اسرائیل پیش پیش ہیں۔کہیں پر انسان کو جسمانی طور پر قتل کیا جاتا ہے کہیں پر روحانی طور پر، کہیں پر انسان کو نفسیاتی طور پر ختم کیا جاتا ہے تو کہیں پر دماغی طور پر مفلوج کیا جاتا ہے۔بہرحال ہر ایک صورت میں انسانیت کا قتل ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے اشعار میں یوں انسانیت کے موضوع کو سمویا ہے:

دم بخود ہوں عالم خون گلستان دیکھ کر
اب صبا کو دیکھتا ہوں ان کا داماں دیکھ کر(۵۷)

اختر ہوشیارپوری انسان کو ہر حال میں اہم گردانتے ہیں کیوں کہ اس کی خاطر یہ کائنات بنی اور سارا نظامِ کائنات تخلیق کیا گیا۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

گھٹا چھائے، چلے آندھی، بڑھے ظلمت، اٹھے طوفاں
مگر مہرِ محبت کی درخشانی نہیں جاتی(۵۸)

اختر ہوشیارپوری اصلاح معاشرہ چاہتے تھے۔وہ شاعری کو مثلِ شمع قرار دیتے تھے۔جس کی روشنی میں اصلاحِ معاشرہ ہوتی ہے۔لوگوں کو سیدھی راہ ملتی ہے۔اختر ہوشیارپوری شاعری کے ذریعے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

بھول جائے نہ کوئی راہ اخترؔ
رات بھر شمع جلائے رکھنا(۵۹)

کچھ بھی ہو درد کے موسم میں نکھرتے رہنا
زخم گہرے ہوں کہ ہلکے انہیں بھرتے رہنا
شام اترے تو نہ بستی سے چرانا نظریں
چاند کے ساتھ دریچوں سے گزرتے رہنا(۶۰)

اختر ہوشیارپوری کے سامنے یہ زندگی ایک بیش بہا خزانہ ہے۔یہ زندگی ایک ہی دفعہ ملتی ہے بار بار نہیں ملتی۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ انسان کو دکھ دینا ہی نہیں چاہیے اگر جانے انجانے میں دکھ پہنچے تو اِسی دنیا میں مداوا کرنا چاہیے۔ویسے بھی حقوق اللہ تو معاف ہو سکتے ہیں مگر حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔جب تک اُسی انسان سے معافی نہ مانگی جائے۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

جہاں کے دکھ ہیں وہیں پر علاج ہونا ہے
زمیں کے مسئلے گردوں پہ طے نہیں ہوتے(۶۱)

اختر ہوشیارپوری انسان اور انسانوں کے بچوں کو لاحق خوف کی بات کرتے ہیں۔انسان کی آزادی چھن گئی ہے۔بچے گلی میں کھیل نہیں سکتے کیوں کہ ان کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔یوں انسان کو انسان سے ہی ڈر اور خوف ہے۔انسان ہی انسان کا دشمن بن کر رہ گیا ہے۔اختر ہوشیارپوری بتاتے ہیں:

گلی گلی میں ماؤں نے سب اپنے بچے روک لیے
قریہ قریہ بردہ فروش اب جال سنبھالے پھرتے ہیں (۶۲)

اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ شہر میں اب کوئی تمیز نہیں رہ گئی ہے۔ یہاں بھی جنگل جیسا ماحول ہے یہاں بھی بھیڑیے ہیں۔انسانی شکل کے بھیڑیے وہ انسانوں کا قتل کیے جارہے ہیں۔امن ختم ہو گیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

آؤ کسی جنگل میں رہیں اب اختر شہر سے لینا کیا
قدم قدم ہر موڑ پہ شبخوں مارنے والے پھرتے ہیں (۶۳)

داخلیت /خود کلامی

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں داخلیت کا عنصر نمایاں ہے۔ درحقیقت اختر ہوشیارپوری داخلیت کی آنکھ سے خارجیت کو دیکھتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری ایک خاموش طبع اور تنہائی پسند آدمی تھے، اپنی ذات میں گم رہتے تھے۔سوچ و بچار کرتے رہتے تھے۔گویا خود کلامی کی کیفیت میں رہتے تھے۔اسی خود کلامی میں اپنے باطن میں جھانکتے ہیں اور کہتے ہیں:

ڈھونڈتے ہیں مجھے کہاں اختر
میں تو بیٹھا ہوں چھپ کے گھاتوں میں (۶۴)

اگرچہ اختر ہوشیارپوری کالج کے زمانے میں کافی شرارتی سمجھے جاتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کی طبیعت میں دھیما پن اور ٹھہراؤ سا آگیا۔دراصل یہ ان کی حساس طبیعت کا نتیجہ تھا۔ اختر ہوشیارپوری کی خاموش طبیعت اور تنہائی پسندی کو ان کا یہ شعر خوب واضح کرتا ہے۔

مجھ کو تنہائی تھی عزیز اختؔر
وقت کیوں ساتھ چل پڑا یارو(۶۵)

تنہا پسندی نے خود کلامی کی عادت ڈال دی یوں ان کو خود کلامی کی صورت میں ایک ہمزاد مل گیا۔ اختر ہوشیارپوری اپنے ساتھ ہمزاد کے بارے میں یوں بتاتے ہیں:

اتنا تنہا بھی نہیں میں اختؔر
ایک ہمزاد مرے ساتھ بھی ہے(۶۶)

اختر ہوشیارپوری اپنی کیفیت کے بارے میں یوں بتاتے ہیں:

''میں جب سے داخلیت کا ہمسفر ہوا ہوں مجھے اپنے آپ سے محبت اور زمانے سے دوری کا موقع مل گیا ہے۔ میں اپنی داخلیت کو ایک کمرہ قرار

دے کر مطمئن ہوں کہ مجھے یہاں آزادی، اپنی مرضی اور خاموشی سے
زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا۔ یہاں داخل میں میرا کوئی حریف اور
دوست نہیں ہے۔صرف میں ہی میں ہوں۔"(٦٧)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں اکثر جگہوں پر شاعرانہ تعلی کی جھلکیاں واضح انداز میں ملتی ہیں۔جن میں اختر ہوشیارپوری اپنے پائے کا کوئی دوسرا شاعر نہیں سمجھتے۔اختر ہوشیارپوری خود اپنی ذات کی اہمیت بتاتے ہیں۔یوں داخلیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

اپنے سا کوئی بھی اختر نہ ملا
میں نے آئینہ بھی دیکھاہے بہت(٦٨)

داخلیت کا پہلو اختر ہوشیارپوری کے تمام شعری مجموعوں میں پایا جاتا ہے۔دراصل اختر ہوشیارپوری داخلیت سے خارجیت کی طرف آتے ہیں۔اپنی ذات کے اندر رہ کر معاشرے کے مسائل بیان کرتے ہیں۔

بار ہستی کی خبر ہے مجھ کو
مجھ پہ جو بوجھ ہے تنہا ہے مرا(٦٩)

اختر ہوشیارپوری اپنی ذات کے خول میں رہ کر معاشرے کا دکھ محسوس کر کے اس کو اپنی شاعری کے ذریعے ظاہر کرتے ہیں۔اختر اپنے دکھوں کا الزام بھی کسی دوسرے کے سر نہیں دیتے۔ اختر کے نزدیک جو دکھ یا پریشانی ہے وہ انسان کے اپنے کیے کا پھل ہے۔یعنی جو بویا جاتا ہے، وہی کاٹنا پڑتا ہے۔جیسی کرنی ویسی بھرنی والا اصول اپناتے ہیں۔اختر کہتے ہیں:

اختر سوائے اپنے میں الزام کس کو دوں
میں ہی تو اپنی ذات کی پرچھائیں میں ہوں (٧٠)

ایک انسان جب تنہائی پسند ہو جائے تو اکثر اوقات وہ خود کلامی کی عادت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں خود کلامی کافی نمایاں ہے۔اختر ہوشیارپوری ایک خاموش طبع، اپنی ذات میں گم سم انسان، مگر انہوں نے اپنی ذات کے اندر رہ کر اپنی الگ دنیا بسائی ہوئی تھی۔وہ دنیا کے میلوں میں شمولیت نہیں کرتے تھے مگر ان کی اپنی ایک محفل تھی جو کہ اختر ہوشیارپوری کی ذات کے اندر جمی رہتی تھی۔اختر ہوشیارپوری اسی محفل میں مسرور رہتے تھے۔گویا وہ اس دنیا کی رنگینی

میں ڈوبنے کی بجائے اپنی ذات میں ڈوب کر اپنی داخلی آنکھ سے خارج کا نظارہ کرتے رہتے تھے۔ اختر ہوشیارپوری جو دیکھتے تھے جو محسوس کرتے تھے، اس کو اپنی بیاض کا حصہ بنا دیتے تھے۔یوں ان کی خود کلامی صفحات کی زینت بن جاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی تنہائی اور خود کلامی کی کیفیت اس شعر میں واضح معلوم ہوتی ہے۔

اپنے نقش پا سے سجاتا ہوں منزلیں
تنہا ہوں اور انجمن آرائیوں میں ہوں (۷۱)

اختر ہوشیارپوری کی ایک اور غزل کا شعر جس میں اختر ہوشیارپوری کی داخلیت اور تنہائی واضح جھلکتی ہے۔اختر ہوشیارپوری بتاتے ہیں:

اپنے اندر کا آدمی چپ تھا
اور باہر سے نوحہ گر تھا کوئی (۷۲)

جہت میں وہ داخلیت کو یوں ظاہر کرتے ہیں:

میں اپنی پناہ میں کھڑا ہوں
اور دھوپ میں چل کے آگیا ہوں (۷۳)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی داخلیت کو ایک ایسا ''حجرہ'' قرار دیا ہے جہاں وہ امن و سکون محسوس کرتے ہیں۔بیرونی دنیا سے الگ تھلگ اپنے تخلیق شدہ ماحول میں پُر کیف لمحات سے حظ اٹھاتے ہیں۔پھر انہی لمحات کی عکاسی اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری تنگنائے غزل کے ''حرف اوّل'' میں بتاتے ہیں:

''میں نے داخلی آنکھ کی روشنی میں اپنی شاعری کو استوار کیا ہے۔''(۷۴)

''شہرِ حرف''میں اختر ہوشیارپوری کی شاعری کا داخلی پہلو کچھ یوں واضح ہوتا ہے۔

ہم نے اس زلف کے سائے میں بسر کی ہے حیات
لوگ کہتے ہیں جسے تابہ کمر جاتی ہے(۷۵)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں داخلیت کا رجحان زیادہ ہے مگر اس کے باوجود خارجیت بھی اپنے تمام تر امکانات کے ساتھ اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں پائی جاتی ہے۔وہ خارجیت سے فرار نہیں چاہتے بلکہ اختر ہوشیارپوری کے کلام میں داخل باریکیوں کے ساتھ ساتھ خارجی مناظر کا اظہار

بھی عمدگی سے ملتا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی ''آئینہ اور چراغ'' میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

''ان کے ہاں مناظر کی عکاسی کا رشتہ باطنی کوائف سے بھی ہے اور خارجی دنیا سے بھی۔''(۷۶)

یاد

اختر ہوشیارپوری کے کلام میں یاد کا موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے۔اختر ہوشیارپوری بنیادی طور پر ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے شاعر تھے۔لہذا ماضی ان کی شاعری میں پوری آب و تاب سے جھلکتا ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنے ماضی کی اقدار کو قیمتی اثاثہ سمجھتے تھے۔اختر ہوشیارپوری کے نزدیک ماضی کے بغیر حال نہیں سنوارا جاسکتا اور مستقبل کا انحصار بھی انہی دو زمانوں ماضی اور حال پر ہے کیوں کہ ہر دور میں ہمارے پاس ایسی اقدار ہوتی ہیں جن پر ہم فخر کرسکتے ہیں جو کہ مہذب ہوتی ہیں۔انہی اقدار پر ہمارا حال یا مستقبل استوار رہ سکتا ہے۔اختر ہوشیارپوری اس حوالے سے کہتے ہیں:

''بس یہی میری شاعری کا ماحصل ہے۔میں مستقبل کی بنیادیں ماضی اور حال کی آسودہ قدروں پر استوار دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔''(۷۷)

یاد کے حوالے سے ا شعار ملاحظہ ہوں جن میں یاد کا موضوع واضح ہوتا ہے۔

ترے فراق میں پھر بھی سکون ملتا تھا
ترے حضور تو دل اور بھی دھڑکتا ہے(۷۸)

یادیں بڑا قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں۔اگرچہ کہیں رلاتی ہیں تو کہیں ہنساتی بھی ہیں۔یادیں انسان کو تکلیف بھی دیتی ہیں اور کبھی بیٹھے بٹھائے انسان خود بخود مسکرانے لگتا ہے اور کچھ دیر کے لیے ماضی کے حسین و دل فریب سمندر میں ڈبکیاں لگانے لگ جاتا ہے۔بچپن سے جوانی اور جوانی سے عمر کے اپنے حصے تک تمام مراحل آنکھوں کے سامنے نظارہ بن کر آجاتے ہیں۔جو کچھ تکلیف دہ ضرور ہوتے ہیں مگر اس تکلیف میں بھی سکون کی اپنی راحت ہوتی ہے۔یوں وہ یاد حسین یاد میں منتقل ہو جاتی ہے۔

دل تھا آوارہ کہ ہم تھے اختؔر
کون تھا آبلہ پا یاد نہیں
غمِ جاں ہو کہ غمِ دوراں ہو
کچھ بھی اب تیرے سوا یاد نہیں (۷۹)

اختر ہوشیارپوری کی انتہائی خوبصورت غزل نما نظم جو کہ ان کے غزلیہ مجموعے ''گئی رات کے خواب'' کے شروع میں دی گئی ہے۔اس کو پڑھتے ہوئے کوئی بھی بچپن کی حسین وادی میں زینہ زینہ اترتا جاتا ہے اور انہی مخمور جوانی کے آزاد اور بے فکر لمحات کو بھی وہیں گزار آتا ہے۔اس نظم کا نام ہے ''گزری ساعتیں'' ملاحظہ ہو:

وہ بستی یاد آتی ہے ٹھکانہ یاد آتا ہے
گذار آئے ہیں جو دن وہ زمانہ یاد آتا ہے
وہ یاروں دوستوں کے جمگھٹے آموں کی وہ فصلیں
اکیلے بھی وہ گھر سے جا نکلنا یاد آتا ہے
تھی جس کے ہاں میں گٹھلی وہ تھا محروم آموں سے
لڑکپن کا وہ رنگ خسروانہ یاد آتا ہے
کسی کے طور شاہانہ پہ سرگوشی کا اک عالم
جوانی کا وہ عہد باغیانہ یاد آتا ہے
کبھی خانہ بدوشوں کے جواں خیموں میں جا رہنا
کبھی بے پر کی باتوں کا اڑانا یاد آتا ہے
کبھی ابریشمی آنچل میں اپنا منہ چھپا لینا
کبھی تنہائی میں دھومیں مچانا یاد آتا ہے
کبھی اپنی حماقت پر وہ کھل کہ قہقہے اختر
کبھی اس بزم میں سر کو جھکانا یاد آتا ہے(۸۰)

یاد سے انسان کبھی پیچھا چھڑوا بھی نہیں سکتا یہاں تک کہ یادداشت چلی نہ جائے اور ذہنی کیفیت برقرار نہ رہے۔اختر ہوشیارپوری یاد کو بہت خوبصورتی سے اپنے تمام مجموعہ ہائے کلام میں دہراتے ہیں۔سمت نما میں یاد کے حوالے سے اشعار ملاحظہ ہوں:

ہتھیلیوں پر ہوا کی تحریر دیکھتا ہوں
میں اپنے گزرے سمے کی تصویر دیکھتا ہوں
وہ میرے بچپن کے ساتھیوں میں سے تھا مگر اب
جو اس کو دیکھوں تو اپنی تصویر دیکھتا ہوں (۸۱)

یاد کے حوالے سے دواشعار جو کہ ''مسافتیں'' مجموعہ کی زینت ہیں:

تمہارا نام ہی لیتے جو ہم گلہ کرتے
تمہیں بھی یاد نہ کرتے تو اور کیا کرتے
غمِ حیات و غمِ دل سے تھے عبارت ہم
کسے نہ اپنا بناتے کسے خفا کرتے(۸۲)

جدائی اور فراق یاد کے درخت کو تناور کرتے ہیں لہذا ان جذبات کا تعلق یاد کے ساتھ گہرا ہے۔جوں جوں جدائی کی کسک تیز ہوتی ہے۔یاد کا کینوس مزید وسیع ہوتا جاتا ہے۔کہیں یہ شکوے سر اٹھانے لگتے ہیں۔کہیں پر یاد روح کو مہکا سی جاتی ہے اور لب پہ مسکراہٹ آ جاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری اس حوالے سے اپنی غزل میں کہتے ہیں۔جن سے ملی جلی کیفیت سامنے ظاہر ہوتی ہے۔

ہمارا ساتھ نہ تم نے دیا نہ دنیا نے
تو کس امید پہ جینے کا حوصلہ کرتے
فروغِ لالہ و گل سے تری مہک آئی
تری مہک بھی نہ آتی تو لوگ کیا کرتے
کسک میں اور اضافہ ہوا ہے اے اختر
وفا سے ہم کو ملا کیا جو وہ وفا کرتے(۸۳)

اختر ہوشیارپوری ماضی کی تلخ یادیں بتاتے ہیں کہ کیسے کیسے زندگی گزری کیا کیا مشکلات آئیں مگر ہم نے چپ چاپ زندگی گزار دی۔نہ تو چیخے چلائے نہ ہی گریہ زاری کی بلکہ جبر سے کام لیا۔چپ چاپ تمام دکھ اپنے سینے میں چھپا کر زندگی گزارتے چلے گئے۔اختر ہوشیارپوری کا اس حوالے سے شعر ملاحظہ ہو:

ہم نے بلند کی نہ آہ اشک سے بھی لیا نہ کام
تھام کے سینے میں مگر دردِ نہاں گذر گئے(۸۴)

کبھی کبھی یہی یاد کرب کی شکل بھی اختیار کر جاتی ہے اور شاعر کی آواز میں طنز کا ہلکا سا رویہ جھلکنے لگتا ہے۔اختر ہوشیارپوری آخر گوشت پوست کے بنے انسان تھے۔انسانی دل رکھتے تھے۔نشتر کا برساؤ تو قدم بہ قدم اس مادی دنیامیں ہوتا رہتا ہے۔اختر بھی اس مادی دنیا میں شکوہ کا اظہار کر کے اپنے جیتے جاگتے انسان ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:

یوں نہ خود کو کبھی آوارہ و رسوا کرتے
یہ اگر جانتے کیوں تیری تمنا کرتے
زندگی اپنی بہرحال بسر ہو جاتی
تو نہ آتا ترا ہم رستہ ہی دیکھا کرتے(۸۵)

ایک اور جگہ پر اختر ہوشیارپوری گلہ و شکوہ کچھ یوں طنزیہ انداز میں کرتے ہیں:

یہ لوگ کس دیار کا کرتے ہیں تذکرہ
اس شہر میں تو عیب ہی اختر ہنر ہوا(۸۶)

جدائی کے حوالے سے اشعار جن میں اختر ہوشیارپوری نے یاد، جدائی اور سوز و گداز سب کو مکس کرکے بتایا ہے۔

جتنے تنکے ہیں آشیانے کے
حاشیے ہیں مرے فسانے کے
سانحے ایک سے نہیں ہوتے
سب بہانے ہیں بھول جانے کے
بات بڑھتی گئی جدائی کی
رنگ اترتے گئے زمانے کے(۸۷)

اختر ہوشیارپوری کا غزلیہ مجموعہ ''شہر حرف'' متنوع موضوعات کا ایسا گلدستہ ہے جس میں تمام موضوعات کی بھینی بھینی خوشبو محسوس کی جاسکتی ہے۔انہوں نے عہد بہ عہد بدلتے ہوئے حالات کا عمیق مشاہدہ کیا ہے۔زمانے کے افق پر ابھرنے والے تمام رنگوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے

انہیں شاعری کے کینوس پر اتار دیا ہے۔یاد کا موضوع اختر ہوشیارپوری کے ہاں اہم موضوع ہے۔یاد بچھڑے ہوئے محبوب کی بھی ہو سکتی ہے اور بیتے ہوئے ماضی کی بھی۔ہر دونوں صورتوں میں یاد تڑپاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کبھی کبھی محبوب کی محبت میں دینا و مافیہا تک کو فراموش کر بیٹھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔

غم جاں ہو کہ غم دوراں ہو
کچھ بھی اب تیرے سوا یاد نہیں (۸۸)

اختر ہوشیارپوری کا شمار ایسے شاعروں میں نہیں جو حال اور مستقبل کی اقدار کو سینے سے لگا کر ماضی کی توانا اقدار کو بھلا دیتے ہیں۔بلکہ اختر ہوشیارپوری ماضی اور حال کو ایک ہی لڑی میں پروتے ہیں۔وہ انہیں ایک ہی سکے کے دو رخ ٹھہراتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری روشن مستقبل کی بنیاد ماضی اور حال کی قدروں پر رکھتے ہیں۔جو کہ یاد کا تعلق ماضی سے ہے اور ماضی کو بنیاد بنا کر چلنا اختر ہوشیارپوری کے نزدیک آگے بڑھنے کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنی شریک حیات کی جدائی کا تذکرہ اپنی شاعری میں یوں کرتے ہیں:

ہر طلب کو شب کی لحد میں اتار کے
حیراں کھڑا ہوں دولتِ امید ہار کے
مجھ سے نہ پوچھیے مرے اشکوں سے پوچھیے
اختر جو رنگ چمکے ہیں لیل و نہار کے(۸۹)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں ہجر، فراق، جدائی اور یاد کے موضوعات کڑی سے کڑی ملا کر چلتے ہیں۔یہ فطری جذبات ہیں کیوں کہ اختر ہوشیارپوری نے ایک ملک سے دوسرے کی طرف ہجرت کی ہے۔اس سفر کے دوران ان کو بہت سے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔قتل و غارت کی مثالیں قائم ہوئیں۔بہت پیارے پیارے رشتے راستے میں بچھڑ گئے۔ہر ایک مرحلہ اختر ہوشیارپوری کی غزل کا موضوع بنتا گیا اور اختر ہوشیارپوری ان موضوعات کو اپنی شاعری میں سموتے گئے۔

ہجرت:

اختر ہوشیارپوری مہاجر تھے۔تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کرنے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ہجرت کے تجربہ سے وہ لمحہ بہ لمحہ واقفیت رکھتے تھے۔جو کچھ اس دوران ہوا اپنی آنکھوں سے

دیکھا، اپنے کانوں سے سنا۔وہ سب دیکھا سنا انہوں نے محسوس کیا۔گویا ان کی شاعری میں ہجرت کا موضوع بہت نمایاں ہے۔

اختر ہوشیارپوری جا بجا اس موضوع کو چھیڑتے نظر آتے ہیں گویا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کسک انہیں تمام عمر سلگاتی رہی ہے۔ایک طرف بہت بڑی حقیقت بھی ہے کہ اختر ہوشیارپوری نے اپنی آنکھوں سے صدیوں کی قائم شدہ تہذیب کو ملیامیٹ ہوتا دیکھا۔اس تباہ حالی کے بعد معاشرتی قدروں کا چہرہ مسخ ہونا بھی آنکھوں دیکھا حال تھا۔زندگی کے افق پر مایوسی، ناامیدی اور جھنجھلاہٹ کے سیاہ بادل بھی دیکھے۔گویا اختر ہوشیارپوری نے زمانے کے نشیب و فراز کے چرکے اپنے جسم و جاں پر برداشت کیے اور بعد میں انہی تجربات و احساسات کو شاعرانہ پیرائے میں ڈھال دیا۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں ہجرت کے تجربات واضح انداز میں ملتے ہیں۔اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صدا کے گہرے گھنے جنگلوں سے جب گزرا
لہولہان ملا حرف حرف کا پیکر(۹۰)

قیام پاکستان کے وقت مسلمانوں نے بہت بڑی قربانی دی۔اپنے گھر، مال اور جائیدادیں سب کو چھوڑ کر وہ اپنا اسلامی ملک پاکستان کو سدھارے۔مگر اس راستے میں ان کو سنگین حالات و واقعات سے گزرنا پڑا۔ڈاکوؤں اور لٹیروں سے ایسے لوٹا جیسا کہ مالِ غنیمت کو لوٹا جاتا ہے۔انسان کو اپنا انسان ہونا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔انسانیت کی قدر ختم ہو گئی تھی۔اس حوالے سے اختر ہوشیارپوری کا ایک شعر جس میں ان حالات و واقعات کا عکس خوب جھلکتا ہے۔شعر ملاحظہ ہو:

یوں ہم کو حادثوں نے کیا رہزنوں کی نذر
جیسے کہ ہم تھے مالِ غنیمت بشر نہ تھے(۹۱)

ہجرت کرنے والے لوگ بہت خوش تھے کہ ہم ایک ایسے ملک جارہے ہیں جہاں پر اپنا ہی راج ہوگا اور ہر طرف آسانیاں ہوں گی۔مگر سوچ کے مطابق حالات میسر نہ آئے۔لوگوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ لوگوں کو سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں مل رہی تھی اور پیچھے وہ اپنے بسے بسائے گھر بھی چھوڑ آئے تھے۔مگر وہ ایک جذبہ تھا اور قربانی تھی اسلام کے نام پر۔ اختر ہوشیارپوری قدم قدم پر احساس کرنے والے شاعر تھے انہوں نے چھوٹی سے بڑی چیز کو

محسوس کیا اور اپنی شاعری کے دائرہ کار میں لاکھڑا کیا۔وہ مہاجرین کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کو یوں ظاہر کرتے ہیں:

پھولوں کا شمار کر رہے تھے
زخموں سے نہال ہو گئے ہیں
ٹکرا کے فصیلِ لب سے اختر
الفاظ نڈھال ہو گئے ہیں (۹۲)

۱۹۴۷ء کی ہجرت سراسر ایک اسلامی ہجرت تھی۔ایک ایسے آزاد ملک کی تلاش تھی جس میں آزادی سے اسلامی اصولوں کے عین مطابق زندگی گزاری جاسکے۔مگر بہت سے مہاجرین اپنا یہ جذبہ اپنے اندر بسائے ہوئے راستے ہی میں خالق حقیقی کو جاملے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا درجہ سے نوازہے۔اس حوالے سے اختر ہوشیارپوری ایک شعر میں یوں خوبصورت مضمون باندھتے ہیں۔

دامن گل تک نہ تھا محفوظ گرد راہ سے
ہاں مگر تیرے شہیدوں کا کفن میلا نہ تھا(۹۳)

نئے ملک میں نئی امیدوں کے ساتھ لوگ جوق در جوق پاکستان آگئے مگر یہاں آ کر پتہ چلتا ہے کہ ابھی مشکلیں اور بھی ہیں۔ایک المیہ بھگتا ہے اور باقی بھگتنے ہیں۔ہجرت کے تجربے میں گھر ٹوٹے اور پاکستان پہنچ کر امیدوں کے بندھے پل ٹوٹے۔لوگوں نے لب تو سی لیے مگر آنکھوں کا کرب چھپائے نہ چھپتا تھا۔مگر اس کیفیت کو اختر ہوشیارپوری نے واضح پیش کر دیا۔وہ کہتے ہیں:

یہ کیسا شہر ہے آنکھیں دہائی دے رہی ہیں
یہ کیا عالم ہے میں آشوب محشر دیکھتا ہوں
نوا کسی کسی کے ہونٹ ہلتے نہیں ہیں
مگر وہ چند تصویریں جو اندر دیکھتا ہوں (۹۴)

اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری میں ہجرت کے حالات و واقعات کو ایک اور جگہ یوں بتاتے ہیں:

یہ موڑ بھی مری تاریخ ہی کا حصہ ہے
کہ قاتلوں ہی نے لاشہ مرا اٹھایا ہے

میں اپنے جسم کے ریزوں کو کیا کروں اخترؔ
مثال شیشہ مجھے سنگ پر گرایا ہے(۹۵)

اختر ہوشیارپوری نے ہجرت کے موضوع کو اپنی تمام غزلیہ شاعری میں سمونے کی کوشش کی ہے۔پاکستان جب بنا تو لوگوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے پاکستان آئی مگر یہاں کے حالات ویسے سازگار ثابت نہ ہوئے جیسے امیدیں وابستہ تھیں۔اختر ہوشیارپوری کو تو اللہ رب العزت نے ایک اچھے مناسب گھر سے نواز دیا مگر بہت سے لوگوں کو ایسی بہت سی تکالیف سے گزرنا پڑا جیسا کہ بے گھر ہونا، بے روزگاری کا ہونا اوپر سے رشتوں کے بچھڑنے کا غم۔یہ سب مشکل حالات تھے اور لوگوں کے دل زخمی تھے۔اختر ہوشیارپوری حساس طبیعت کے مالک انسان پھر ایک شاعر کا دل رکھنے والے ہر ایک نشان کو محسوس کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں احساس کی کیفیت یوں ظاہر ہوتی ہے:

میں گھر کے دریچے دیکھتا ہوں
زخموں کے نشاں کی روشنی ہے(۹۶)

ہجرت کا موضوع ایک بڑا موضوع ہے۔جس پر ہر شاعر اپنے اپنے طریقے سے نوحہ کناں ہوا۔خصوصاً وہ شاعر جنہوں نے اس حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ان سنگین حالات سے گزرے ان پر ہجرت کے اثرات بہت زیادہ گہرے ثابت ہوئے۔انہوں نے اپنے دکھ کا کتھارسس شاعری کے ذریعے کیا۔بالکل اسی طرح اختر ہوشیارپوری نے ہجرت کے حالات و واقعات کو بہت قریب سے بہت گہرے انداز میں مشاہدہ کیا۔ان پر ہجرت کا واقعہ کافی اثر پذیر ثابت ہوا۔اگرچہ اختر ہوشیارپوری کو پاکستان آنے کا بہت شوق تھا کیوں کہ وہ پاکستان بن جانے کے بھرپور حامی تھے۔وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو اپنا الگ ملک ملنا چاہیے۔مگر حالات و واقعات امیدوں کے برعکس نکلے۔ اس کیفیت کو اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری میں یوں ظاہر کرتے ہیں:

مری ہمتوں کی کاوش میرے دل پہ طنز نکلی
جو گڑھا کہ پشت پہ تھا وہی سامنے گڑھا ہے
میں تمام راستوں سے بڑی خوشدلی سے گزرا
مگر ایک سخت پتھر ابھی راہ میں پڑا ہے(۹۷)

درج بالا اشعار ہجرت کے بعد کے حالات کو بخوبی بیان کرتے ہیں۔لوگوں کو تکالیف کا سامنا یہاں بھی ویسا ہی کرنا پڑا جیسے وہ پیچھے چھوڑ کر آئے تھے۔

اختر ہوشیارپوری نے ہجرت کے بعد کے جو حالات و واقعات پیش کیے ان میں یاسیت کا پہلو کافی جھلکتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔جب کوئی انسان محنت کرتا ہے تو اس کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ اس کا پھل مجھے آسانیوں کی روپ میں ملے گی۔جو مشکلات درپیش ہیں وہ ختم ہو کر خوش کن حالات میں بدل جائیں گی۔مگر جب اتنی لمبی مسافت بھی طے کر کے آگیا ہو۔آگے حالات پہلے سے بھی کٹھن ہوں تو مایوسی کی لہر خود بہ خود چھا جاتی ہے۔انہی حالات کے مایوس کن پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے اختر ہوشیارپوری یہ کہتے ہیں:

میری آنکھوں کی بصارت مری دشمن ٹھہری
میں جسے صبح سمجھتا تھا، دھندلکا نکلا(۹۸)

ایک اور جگہ یہی حالات و واقعات کچھ یوں بیان کیے جاتے ہیں:

ہر نئے موڑ پہ پتھر ہیں بہت
یہ بھرے شہر کا نقشہ ہے مرا(۹۹)

تمام عمر اسی طرح در بہ در گزری
میں جس گلی میں بھی پہنچا کسی کا گھر نہ ملا(۱۰۰)

اُمید و رجائیت

بظاہر ایک کم گو، خاموش طبع، تنہائی پسند اور ایک حساس انسان قنوطیت کا شکار معلوم ہو سکتا ہے۔مگر درحقیقت ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ضروری نہیں کہ ایک تنہائی پسند، خاموش طبع انسان مایوسیوں کے جال میں پھنسا ہوا ہو۔صورت حال اس کے برعکس ہو سکتی ہے جیسا کہ اختر ہوشیارپوری ایک خاموش طبع، الگ تھلگ رہنے والے انسان تھے۔انہوں نے ہر ایک موضوع پر لکھا ہے۔ہجرت کے بعد واقعات و حالات بتانے میں ان کا لہجہ یاسیت بھرا معلوم ضرور ہوتاہے مگر وہ ایک نڈر اور طاقت ور سوچ کے مالک انسان تھے۔وہ کبھی بھی مایوسی کی تہہ تک نہیں پہنچے جس کو کفر کہا جاتا ہے۔دکھ بھری کیفیت میں ہلکا پھلکا شکوہ کی صورت نظر آتی ہے۔ایک انسانی دل رکھنے کے لحاظ سے یہ ایک فطری عمل ہے مگر وہ قنوطیت کے شکار نہیں ہوئے بلکہ امید و رجا کی بیم ان

کے ہاں واضح ہے۔امید کے دامن سے وہ بندھے نظر آتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے ماضی کو کبھی فراموش نہیں کیا۔وہ اسی ماضی کی جلتی ہوئی شمع سے آگے حال اور مستقبل کی مشعلیں جلاتے ہیں۔

زندگی ایک روانی میں بہتے دریا کی مثل ہے۔جو کبھی وسیع میدانوں اور صحراؤں میں سے گزرتا ہے اور کبھی بل کھاتی وادیوں اور پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہے اور یوں وہ چلتا چلتا ایک گہرے سمندر میں جا کر سمندر کا حصہ بن جاتا ہے۔زندگی بالکل اسی دریا کی مانند ہے۔یہ زندگی کبھی، پھولوں کی سیج اور کبھی کانٹوں کا بستر ہے۔درحقیقت زندگی ناامیدی سے امید کا سفر ہے۔ انسان اسی لمحے اپنا آپ مسخر کرتا ہے جب وہ مایوسیوں اور ناامیدیوں کے گھپ اندھیروں سے نکال باہر کر کے رجائیت کی روشنی میں کھلے آسمان کے نیچے لاکھڑا کرتا ہے۔

انسانی زندگی خواہشات کے ایک لامتناہی سلسلہ کے ساتھ چلتی ہے۔خواہشات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔وہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جاتاہے۔یوں ایک خواہش سے دوسری خواہش جنم لیتی جاتی ہے۔زندگی میں خوشیوں کی عمر چھوٹی مگر غموں کا سلسلہ طویل ہوتا ہے۔سلسلۂ غم اور دکھ انسان کو مغموم اور اداس کر دیتے ہیں مگر مایوسیوں کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں رجائیت کی شمع مایوسیوں کی چھائی گھٹا کو ختم کر دیتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اختر ہوشیارپوری غم و الم اور یاسیت کا ذکر تو اپنی شاعری میں ضرور کرتے ہیں مگر مایوسی اور قنوطیت کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں ٹھہراتے بلکہ وہ جہدِ مسلسل کو مایوسی کی فضا سے نکلنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں:

میرا سفر طویل تر میری حیات مختصر
اے میرے نقش پا! ابھر اے میری گرد پا! ٹھہر
پھیل چکا ہے دور دور تیرا جمال تیرا نور
اے شب غم کی چاندنی اب تو منڈیر پر سے اتر(۱۰۱)

ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں:

گرد سی اڑتی نظر آتی ہے، آندھی ہو گی
دور تک نقش قدم ہیں، کوئی راہی ہو گا(۱۰۲)

اختر ہوشیارپوری زندگی کے نشیب و فراز سے گزرے ہیں۔انہوں نے زندگی کو غم، دکھ، مسرت و انبساط گویا ہر پہلو میں دیکھا۔وہ لمحہ بھر کے لیے غموں کو جھانکتے ضرور ہیں مگر وہ اس فضا سے جلد نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری روشنی کی موہوم سی کرن کا سہارا لیتے

ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔یہی رویہ اختر ہوشیارپوری کی ایمانی قوت کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اپنے رب عظیم کی رحمت پر کامل بھروسہ اور پختہ یقین رکھتے ہیں۔اسی تیقن پر سفر جاری رکھتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری روشنی کی چھوٹی سی کرن سے پورا چراغ جلا لیتے ہیں:

کوئی پتہ نہیں ہے شاخوں پر
پھر بھی کچھ گھونسلے ہیں پیڑ پر(۱۰۳)

اختر ہوشیارپوری نے اپنے کلام میں جا بجا امید و رجائیت کی شمعیں جلائی ہیں۔امید کا دامن مستقل تھامے ہوئے رکھا۔مشکل سے آسانیوں کی طرف متوجہ کیا۔یوں زندگی کو گہرے کنویں سے نکال کر وسیع کھلے آسمان کے نیچے آباد کرنے کی کوشش کی۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

ہم جب سفر پہ نکلے تھے تاروں کی چھاؤں تھی
پھر اپنے ہمرکاب اجالا سحر کا تھا(۱۰۴)

اب جو موتی ہیں گہرے پانی میں
یہی پتھر تھے اختر اس در کے(۱۰۵)

یہ بھی درست راستہ دشوار تر ہوا
یہ بھی بجا وہ مرحلہ آسان کر گیا(۱۰۶)

وہی تو ہیں نوید ایام گل کی
ابھی جو شاخ سے پتے جھڑے ہیں (۱۰۷)

غم حیات نے گلرنگ کر دیا اختر
جنہیں کسی کی نگاہیں نہ کر سکیں شاداب(۱۰۸)

شب کے پردے میں اختر صبح کا ستارہ ہے
صبح کا ستارہ جو میری چشم نم سے ہے(۱۰۹)

حوصلہ و ہمت اور مثبت سوچ

حوصلہ و ہمت اور پھر مثبت سوچ سب مل کر ایک بہت بڑی طاقت کو جنم دیتے ہیں۔ایک انسان کے پاس یہ سب ہو تو وہ کبھی زندگی میں ہارتا نہیں ہے۔زندگی کو اپنے اصولوں کے مطابق ہنسی خوشی گزار سکتا ہے۔ایسے جذبات انسان کو بیش بہا تحائف کے طور پر اللہ کی طرف سے ودیعت ہوتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے۔اختر ہوشیارپوری بھی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کے ہاں ہمیں ایسی سوچ نظر آتی ہے جس کو مثبت کہا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ ہمت و حوصلہ والے انسان نظر آتے ہیں۔انہی طاقتوں کو انہوں نے اپنی شاعری میں بیان کیا ہے اور آنے والی نسلوں کو پیغام دیا ہے کہ وہ ہمت و حوصلہ کے ساتھ کام لیں اور امید کا دامن کبھی نہ چھوڑیں، جہدِ مسلسل سے اور مثبت سوچ سے کام لیں۔ اختر ہوشیارپوری کے نزدیک ہر شب کے بعد سحر ضرور ہوتی ہے۔یہی پیغام وہ قاری کو دیتے نظر آتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری بہت نڈر، باہمت انسان تھے۔یہی ان کا طرہٗ امتیاز ہے۔اختر ہوشیارپوری کے پورے کلام میں منفی پہلو شاید ہی کہیں دیکھنے کو ملے۔انہوں نے ہمیشہ اپنے شاعرانہ کلام میں امید و رجائیت، ہمت و حوصلہ کی بات کی ہے اور یہی پیغام آنے والی نسل کو پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں مقصدیت کا رنگ غالب ہے۔ان کے ہاں مقصدیت مثبت سوچ کو جنم دیتی ہے۔

اختر ہوشیارپوری کے بلند ہمتی، حوصلگی اور رجائیت سے بھرپور اشعار ملاحظہ ہوں جن میں اختر ہوشیارپوری ان اوصاف کا پیکر نظر آتے ہیں:

میں رک سکوں گا، ٹھہر سکوں گا، تھکن سفر کی مٹا سکوں گا
کہیں تو سایہ کوئی ملے گا تمام رستے یہی یقین تھا(۱۱۰)

برہنہ سر تھا مگر پھر بھی تیز بارش میں
ہوا کا سامنا کرنے کو بار بار گیا(۱۱۱)

ہم اپنے سر پہ کھلا آسمان رکھتے ہیں
کشادہ دل میں کشادہ مکان رکھتے ہیں (۱۱۲)

بہتے پانی پہ گھر بنانا ہے
ریت لائیں گے مٹھیاں بھر کے(۱۱۳)

امید و رجائیت اور حوصلہ و یقین کی کرن اختر ہوشیارپوری کے ان اشعار میں واضح نظر آتی ہے۔اختر ہوشیارپوری باہمت اور بلند حوصلہ شاعر تھے، ان کے ہاں حوصلہ متواتر بندھا نظر آتا ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں:۔

آخر اک دن زمیں پہ اترے گا
وہ ستارہ جو آسمان میں ہے
منتظر بارش نمو کی ہے
میری مٹی جو خاکدان میں ہے
آج اک عمر میں کھلا اختؔر
کہ یقین بھی مرے گمان میں ہے(۱۱۴)

ہمت و حوصلہ کی مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

ناؤ کاغذ کی سفر دریا کا
آنکھ منزل پہ لگائے رکھنا(۱۱۵)

پہرے ہونٹوں پہ بٹھانے والے
بات آنکھوں سے بھی کی جاتی ہے(۱۱۶)

کس قدر تیز ہیں سورج کی شعائیں اختؔر
حوصلہ پھر بھی جوان ہے مری بینائی کا(۱۱۷)

خود شاخ شاخ دھوپ میں جلتا رہا مگر
سب کو پناہ دی شجر سایہ دار نے(۱۱۸)

اختر ہوشیارپوری بلند ہمتی اور بہادری کا درس دیتے ہیں۔وہ ناامیدی اور بزدلی کو پسند نہیں کرتے۔وہ کٹھن سے کٹھن معاملات میں حوصلہ و ہمت کو داد دیتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ چاہے

حالات کتنے ہی پیچیدہ کیوں نہ ہوں ہمت و طاقت سے کام لے کر اس کو کر گزرنا چاہیے۔آخر کامیابی ضرور مل جاتی ہے۔یوں وہ مستقبل کی نوید دیتے ہیں۔

ہم کو اس شب کی سحر کرنا ہے
اور بے خوف و خطر کرنا ہے(۱۱۹)

یقین ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کو بڑی سے بڑی منزل پر پہنچا دیتی ہے۔اسی یقین پر انسانی زندگی قائم ہے۔یہ یقین غائب پر یقین ہے۔غائب اللہ تعالٰی کی ذات ہے مگر ایمان کی یقینی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔یہی ایمان کی اصل حالت ہے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں بھی یقین کی پختگی پائی جاتی ہے۔اسی یقین کے سہارے وہ زندگی کو آگے بڑھاتے نظر آتے ہیں۔زندگی کا سفر اندھیروں سے نکال کر روشنی کی راہ پر ڈالتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں۔

مجھے یقین ہے اندھیرا رہے گا اب نہ کہیں
کہ روشنی کے لیے میں نے گھر جلایا ہے
مرے مکان کی بنیاد ریت پر ہی سہی
یہ پھر مکان ہے مرا مجھ پہ اس کا سایہ ہے(۱۲۰)

انسان کو کبھی حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے اور برابر محنت کرتے رہنا چاہیے۔آخر ایک دن انسان کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔انسان کو زندگی کے ہر قدم پر مثبت سوچ کا استعمال کرنا چاہیے۔اس سے انسان کی زندگی آسانیوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔انسانی ذہن بوجھل نہیں ہوتا۔بھاری بھرکم منفی اثرات سے بچا رہتا ہے۔انسانیت کا معیار قائم رہتا ہے۔

اختر ہوشیارپوری کا ایک خوبصورت شعر ملاحظہ ہو جس میں وہ ہمت و حوصلہ اور جواں مردی کا ثبوت دیتے نظر آتے ہیں۔کیا خوبصورت مضمون باندھا ہے۔

ہم نے بلند کی نہ آہ، اشک سے بھی لیا نہ کام
تھام کے سینے میں مگر دردِ نہاں گزر گئے(۱۲۱)

میرے اشکوں کی طراوت پہ نہ جا
خشک صحراؤں میں بھی جل تھل ہے(۲۲۱)

رشتوں کا کھوکھلا پن/عالمِ بے بسی

رشتوں کا کھوکھلا پن، دوغلا پن خود بہ خود یہ مضمون حالتِ بے بسی کو ظاہر کررہا ہے۔ایک انسان جس کے نزدیک رشتے اس کی اپنی ذات سے بڑھ کر عظمت رکھتے ہیں جب وہی رشتے دکھ دیتے ہیں تو انسان کو سخت کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔مگر یہ وصف بھی انسانیت کا ایک پہلو ہے۔ جب سے انسانیت کا پہلا قتل ہوا۔قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تب سے جسمانی قتل کے ساتھ ساتھ روحانی قتل بھی بار بار ہو رہا ہے۔جسمانی قتل ایک خاتمہ ہے۔روحانی قتل عالمِ بے بسی میں چلا جاتا ہے۔جس میں روح فنا ہوتی رہتی ہے۔جب تک روح باقی رہتی ہے تب تک یہ عمل جاری رہتا ہے۔ایک مضبوط اور توانا شخص بھی بے بسی کے سمندر میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔خصوصاً منافقت اور دوغلا پن ایک سادہ لوح انسان کو بہت تکلیف پہنچاتا ہے۔جب اس انسان پر حقیقت کے پرتو کھلتے جاتے ہیں۔

یہی کچھ اختر ہوشیارپوری کے ساتھ بھی ہوتا نظر آتا ہے۔وہ بنیادی طور پر ایک مضبوط اعصاب والے شخص تھے۔انہوں نے اپنی زندگی کو اصول و قوانین کے مطابق چلائے رکھا۔اختر ہوشیارپوری آزاد منش انسان تھے۔وہ ایک کھرے اور صاف گو انسان تھے۔جو کچھ انہوں نے محسوس کیا بغیر لگی لپٹی اس کو اپنی شاعری کا حصہ بنا دیا۔کہیں کہیں ان کی شاعری پڑھتے ہوئے ان کی حالتِ بے بسی، رشتوں کا کھوکھلا پن، دوغلا پن اور ناانصافی کے پہلو ابھرتے نظر آتے ہیں۔یہ سب محسوسات اختر ہوشیارپوری کا جیتا جاگتا انسان ہونا ہی بتاتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری آنکھیں بند مگر کان کھلے رکھتے تھے۔وہ خاموش طبع ضرور تھے مگر محسوس وہ ہر ایک چیز کو کرتے تھے اور پھر اس احساس کو اپنی تحریر کا حصہ بنا دیتے تھے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں گونا گوں موضوعات پائے جاتے ہیں۔انہوں نے ہر ایک موضوع کو بہت مضبوطی کے ساتھ باندھا ہے۔اگرچہ اختر ہوشیارپوری نے اس موضوع میں بھی کائنات کے دکھ کو سمیٹا ہے۔معاشرتی لیول پر اس کرب کو محسوس کیا ہے۔یہ موضوع بھی ان کی شاعری میں ایک جاندار موضوع ہے۔لہذا اختر ہوشیارپوری اس موضوع میں ذات اور کائنات دونوں کا دکھ سمیٹتے نظر آتے ہیں۔

اختر ہوشیارپوری درج ذیل اشعار میں اپنا یہ مضمون یوں باندھتے ہیں۔اشعار ملاحظہ ہوں:

میرا قاتل مرا ہمزاد ہے میرا خوں ہے
میں مگر اس کا یقین کیسے دلاؤں خود کو(۱۲۳)

مجھ پر تو میرے گھر کی ہی دیوار آگری
دیکھا تو میرے دوست مرے دشمنوں میں تھے
چہرے کی ہر خراش میں چہرے ہزار ہیں
پتھر بھی اس دیار کے صورت گروں میں تھے
میں زخم جاں کی داد بھلا کس سے مانگتا
منصف بھی شہر یار بھی سب مجرموں میں تھے(۱۲۴)

وہ تو دشمن تھا کھلا اس سے توقع تھی یہی
دست ِ نادیدہ سے بھی زخم لگے ہیں کتنے(۱۲۵)

ناانصافی کے حوالے سے ہوشیارپوری نے کس بے باکی اور صاف گوئی سے اس شعر میں مضمون باندھا ہے۔یہ نا انصافی خالی ذات کی ناانصافی نہیں ہے بلکہ اس میں معاشرتی دکھ کا اظہار ہے۔اختر ہوشیارپوری یوں گلہ کرتے نظر آتے ہیں:

میرے اشکوں ہی کو دامن نہ ملا
اوس نے گل کے خزانے پائے(۱۲۶)

ایک اور جگہ پر اختر ہوشیارپوری اپنوں سے ملے دکھ کی کیفیت یوں بتاتے ہیں:

خود اپنے ہی ناخن کی ہیں چہرے پہ خراشیں
آئینہ دکھاتا ہے مجھے روز فن اپنا(۱۲۷)

کبھی کبھی انسان اس قدر بے بس ہو جاتا ہے کہ سب کچھ دیکھتے سنتے چپ سادھ لیتا ہے۔ اسی میں اس کو مصلحت نظر آتی ہے کیوں کہ اعتبار کا رشتہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔چپ سادھ لینے میں ہی بہتری معلوم ہوتی ہے۔اختر ہوشیارپوری آواز اٹھانے والے شاعر تھے۔مگر کہیں کہیں وہ بھی بے بسی کا شکار ضرور نظر آتے ہیں۔یہ انسانی درجہ ہے۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

ہونٹ سینے ہی پڑیں گے اخترؔ
دور تک بات چلی جاتی ہے(۱۲۸)

اختر ہوشیارپوری اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ منہ سے نکلی بات پرائی ہو جاتی ہے۔جیسے کمان سے نکلا تیر واپس نہیں آسکتا ایسے منہ سے نکلی بات واپس نہیں آ سکتی۔کبھی کبھار انسان اس قدر مجبور و بے بس ہو جاتا ہے کہ انسان کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔اس کی ہر تدبیر رائیگاں جاتی ہے۔مجبور انسان کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے ہیں۔اسی کیفیت کو اختر ہوشیارپوری یوں بیان کرتے ہیں:

مجبوریوں نے باندھ دیے اپنے ہاتھ پاؤں
بازو ہلا سکا نہ میں گردن ہلا سکا
خود اپنے دائرے ہی کا قیدی بنا رہا
اک لمحہ کو بھی اس سے نکل کر نہ جاسکا
اب اپنے گرد و پیش یہ کیا تبصرہ کروں
وہ شعور نشیں خود کو مقابل نہ لا سکا(۱۲۹)

اعتبار کا ٹوٹنا ایک کڑا تجربہ ہوتا ہے۔ایک دفعہ اعتبار ٹوٹ جائے تو دوبارہ مشکل سے جڑتا ہے۔اختر ہوشیارپوری بھی اس ٹوٹے اعتبار کی بات کرتے ہیں۔اس کی بحالی میں وہ ڈر محسوس کرتے ہیں کہ مہرباں کی شکل میں کوئی دغا باز ہی نہ مل جائے۔وہ کہتے ہیں:

قدم اب دوستی کی راہ میں رکھتے ہیں ڈر ڈر کر
کہ ہم ہر مہرباں کا مدعائے دل سمجھتے ہیں (۱۳۰)

ایک جگہ اختر ہوشیارپوری حسرت و بے بسی کو یوں ظاہر کرتے ہیں:

خون ہر اک نوکِ مژگاں پر جھلک کے آگیا
میرے اشکوں میں مری حسرت کا عنواں دیکھیے(۱۳۱)

آوازِ حق

حق کے لیے لڑنا اور مرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ایک مسلمان کے لیے اپنی جان و مال کی حفاظت کرنا نہ صرف حق اورفرض میں شامل ہوتا ہے بلکہ یہ جہاد کی ایک قسم ہے۔حق سچ پر مبنی ہوتا ہے۔اپنی ذات کو متعارف کروانے کے لیے حق کا ساتھ دینا ضروری ہوتا ہے۔ورنہ یہ دنیا

اپنے پیروں تلے روند کر آگے نکل جاتی ہے۔قرآن و حدیث میں حق کا ساتھ دینے کے لیے بار بار تلقین کی گئی ہے۔حق کا ساتھ ہی ہماری زندگیوں کا اصل حق ہے۔

اختر ہوشیارپوری بھی اسی آواز کو بلند کرنے کے حامی ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اپنی ذات اپنے حقوق کے لیے حق کی آواز ضرور اٹھانی چاہیے ناکہ ہونٹ سی کر چپ سادھ کر زندگی میں ہوتی ناانصافیوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا چاہیے۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ اپنے حقوق کے لیے لڑو کیوں کہ خاموش رہنے پر بھی ذلت ہی ملنی ہے۔بہادری کی زندگی جینا ایک مسلمان ہی کا کام ہے۔ بزدل کی کوئی زندگی نہیں لہذا اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے ڈرنا نہیں چاہیے بلکہ اس کے لیے حق کی آواز بلند کرنی چاہیے۔

اختر ہوشیارپوری کے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں وہ انسان کو بہادری کی زندگی جینا سکھاتے ہیں۔اپنے حق کے لیے بولنا سکھاتے ہیں۔

لفظوں کے برتنے کی سزائیں بھی ملی ہیں
چپ رہنے پہ بھی دوست مجھے چھوڑ گئے ہیں(۱۳۲)

اسی طرح ایک اور جگہ پر اختر ہوشیارپوری دکھ کا عذاب سہتے ہوئے کہتے ہیں کہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے ساتھ ہوئی ناانصافیاں دیکھ رہے ہیں مگر بولتے نہیں ہیں۔اگرچہ ان سب کے ذہنوں میں سوال ہیں۔یہ سب اپنے اپنے حقوق کے لیے اپنی آواز اٹھا سکتے ہیں۔مگر انہوں نے باتیں دلوں میں چھپا کر رکھی ہوئی ہیں۔اپنے حقوق کے لیے لڑنے سے قاصر ہیں۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

کیا لوگ ہیں کہ دل کی گرہ کھولتے نہیں
آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر بولتے نہیں
سناٹے سرسراتے ہیں احساس کی طرح
ذہنوں میں حرف گونجتے ہیں بولتے نہیں (۱۳۳)

کہیں کہیں اختر ہوشیارپوری کا لب و لہجہ لوگوں کی بزدلی دیکھ کر طنزیہ رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ایک طرح اختر ہوشیارپوری کی یہ یاسیت بھری آواز ہے مگر وہ طنزیہ انداز میں یوں کہتے ہیں کہ لوگوں کی سستی کاہلی اور بزدلی کا عالم دیکھو کہ ان آسانیوں میں بھی لوگ اپنی ذات سے مخلص نہیں ہیں گویا لوگوں میں جمود کا رنگ واضح کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

اس وقت بھی اخترؔ کوئی نکلا نہیں گھر سے
جب سر پر کڑی دھوپ کی تلوار نہیں تھی(۱۳۴)

اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ زمین کے مسئلوں کو خود سلجھانا ہو گا، آسمانوں پر جا کر مسئلے حل نہیں ہونے والے۔ان کا علاج اس زمین پر ہے۔علاج تبھی ہو سکتا ہے جب اس کے لیے محنت کی جائے۔ان مسائل کو بتایا جائے اور ان کے حل کے لیے کوشش کی جائے۔اختر ہوشیارپوری حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ عجیب لوگ ہیں جو کہ اپنے ہی حق کے لیے آواز نہیں اٹھاتے اور اپنے دکھوں کا مداواہ نہیں کرتے۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں

یہ کیسا شہر ہے محفل میں آنے والے بھی
شریکِ نغمہ و آواز نے نہیں ہوتے
جہاں کے دکھ ہیں وہیں پر علاج ہونا ہے
زمیں کے مسئلے گردوں پہ طے نہیں ہوتے(۱۳۵)

جو مجھ کو عمر بھر مجبورِ ضبطِ شوق رکھنا تھا
تو آخر کس لیے تو نے مرے منہ میں زباں رکھ دی(۱۳۶)

اخترہوشیارپوری کے ہاں احتجاجی رویہ بھی ملتا ہے اور طنزیہ لب و لہجہ بھی۔وہ لوگوں کے بزدلانہ رویوں کو طنزیہ انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

لوگ گھروں سے جھانکتے ہیں
سڑکوں پر ویرانی ہے(۱۳۷)

اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ یہ لوگ باشعور ہیں ان سب کو اپنے بھلے برے کا بھی پتہ ہے مگر یہ لوگ بہادر نہیں ہیں۔یہ اندر ہی اندر کڑھتے رہتے ہیں۔مگر جہاں بات کرنی چاہیے اپنامدعا بیان کرنا چاہیے وہاں یہ نہیں بیان کرتے۔اختر ہوشیارپوری ایسے لوگوں کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

ہوتی رہتی ہے بات کمروں میں
ان سے اب میزپر نہیں ہوتی(۱۳۸)

گہر ڈھونڈنے کے لیے انسان کو سمندروں میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے تب جاکر وہ موتی چن پاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ محنت کرنے سے ہی منزل ملتی ہے۔خالی ساحلوں پر بیٹھ کر نظارہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

جن کو ہے تلاش موتیوں کی
ساحل سے اٹھیں بھنور میں اتریں (۱۳۹)

اختر ہوشیارپوری اپنے عصری شعور کی بدولت زمانے کے حالات و واقعات کو نہ صرف محسوس کرتے ہیں بلکہ اس کا ذکر اپنی شاعری میں کرتے ہیں۔یوں عام قاری بھی حالات کی سنگینی کو محسوس کرتا ہے۔دراصل مارشل لا کا نفاذ ہر خاص و عام کے لیے کڑا تجربہ تھا۔لوگ منہ میں زبان لیے چپ تھے گویا بے زبان محسوس ہوتے تھے۔سوچوں پر پہرے بٹھا دیے گئے۔اہلِ علم و ہنر نے چپ سادھ رکھی تھی۔ مگر کچھ لوگ دبے دبے انداز میں حالات کی سنگینی کا ذکر کرتے رہے۔اختر ہوشیارپوری انہی میں سے ایک تھے۔انہوں نے بھی مارشل لاء کے خلاف آواز بلند کی۔اختر ہوشیارپوری بے دھڑک کہہ اٹھتے ہیں۔ان کی غزل اس حوالے سے ملاحظہ ہو:

لوگ ڈرتے ہیں سانس لیتے ہوئے
اب ہواؤں میں تابکاری ہے
مٹھیاں کھول کر میں دیکھتا ہوں
شرمساری ہی شرمساری ہے
عمر بھر کا عذاب جان اترا
آج کی رات کتنی بھاری ہے
حرف بھی اس کے بات بھی اس کی
ایک آواز ہی ہماری ہے
کچھ ہمیں سخت جان ہیں اخترؔ
ورنہ ہر ضرب، ضربِ کاری ہے(۱۴۰)

اختر ہوشیارپوری کا لہجہ اکثر کرب میں طنزیہ رنگ اختیار کر جاتا ہے اور وہ اپنے حق کے لیے نہ بولنے والوں پر ایسے نشتر چلاتے ہیں:

کہنے والے جھوٹے ہیں
سننے والے سچے ہیں
تم ہی کہو جو کہنا ہے
ہم تو اختر گونگے ہیں (۱۴۱)

پیرانہ سالی

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں پیرانہ سالی کی جھلک واضح ملتی ہے۔یہ فطری بات ہوتی ہے کہ انسان اپنی آخری عمر میں اکثر اوقات اپنے بڑھاپے اور اس دنیا سے کوچ کر جانے کا سوچتا رہتا ہے اور پھر ایک شاعر اپنی شاعری میں باقی جذبات و خیالات کے اظہار کی طرح اس سوچ کو بھی جو کہ حقیقت و خوف کی ملی جلی کیفیت اور پھر کہیں اس رنگین دنیا کو جس سے انسان کی یادیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں چھوڑنے کا دکھ بھی پایا جاتا ہے، بہت اچھے طریقے سے اپنے اشعار میں ڈھال لیتا ہے۔

اختر ہوشیارپوری نے ماشاء اللہ کافی لمبی عمر پائی تقریباً نوے(۹۰)برس عمر پائی۔انھوں نے دنیا کے مختلف رنگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔زندگی کے نشیب و فراز ایک ملک سے دوسرے ملک کو سدھارنا گویا ان کے پاس زندگی کے رنگوں کا بہت سا مواد جمع تھا۔ان رنگینیوں کو چھوڑ کر جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔مگر جس کو موت پر یقین ہے وہ اپنا سامان بھی تیار رکھتا ہے اور ہر وقت چوکنا رہتا ہے۔اس حقیقت سے فرار حاصل نہیں کرتا۔اختر ہوشیارپوری کو بھی اپنے ایک دن چلے جانے کا پورا یقین تھا۔اس یقین کو انھوں نے اپنی شاعری میں بیان کیا۔ان کے بہت سے سارے اشعار سے یہ جھلک محسوس ہوتی ہے۔یہ جھلک ان کی تمام اصناف سخن میں نظر آتی ہے خصوصاً غزل اور نعت میں۔نعت میں وہ آرزو کرتے ہیں کہ اپنے آخری ایام کسی نہ کسی طرح مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں گزارے اور روضۂ رسولﷺ کے قریب وقت گزاریں اور پھر وہیں موت آ جائے۔غزلیہ شاعری میں ان کی پیرانہ سالی کے آثار کافی نمایاں پائے جاتے ہیں اور اس چیز کا اظہار مختلف زاویوں سے کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے اشعار دیکھیں جن میں پیرانہ سالی کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ملاحظہ ہوں:

آنکھ جھپکے کہ نہ جھپکے میں تماشا دیکھوں
اور مرے سامنے لمحات گزرتے جائیں (۱۴۲)

اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ چاہے جیسی بھی عمر گزرے اچھی یابری ایک وقت ضرور آتا ہے کہ انسان کو یہ دنیا چھوڑنی ہوتی ہے۔چاہے عمر بہت اچھی ہی کیوں نہ بسر ہو رہی ہو کبھی نہ کبھی انسان کو موت نے آ لینا ہوتا ہے۔یہ حقیقت بھی ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے کسی نے پہلے اور کسی نے بعد میں۔موت کا ایک وقت مقررہے کبھی بھی انسان کو دبوچ سکتی ہے۔اختر ہوشیارپوری اسی حقیقت سے خوب واقفیت رکھتے ہوئے اس شعر کو پیش کرتے ہیں:

برف اپنے آپ گھل جاتی ہے سورج ہو نہ ہو
شام سے پہلے یہ جاتا تھا مگر سمجھا نہ تھا(۱۴۳)

انسان ساری عمر محنت کرتا رہتا ہے پہلے بچپن سے جوانی، جوانی میں پھر ذمہ داریوں کا بڑھ جاناتو انسان ہر وقت خوب سے خوب تر کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔پھر بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے تو ہر وقت ایک لحاظ سے آرام کا وقت ہوتا ہے مگر اس عمر میں انسان کو مختلف بیماریاں آ لیتی ہیں۔جن میں انسان کو سکون میسر ہونے کی بجائے تکالیف سے گزرنا پڑ رہا ہوتا ہے اور پھر اس تکلیف سے لڑتے لڑتے موت کا وقت آ جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری اسی مضمون کو یہاں یوں باندھتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:

یک بیک موسم کی تبدیلی قیامت ڈھا گئی
رک کے سستانا تھا جب مجھ کو کڑی دھوپ آگئی(۱۴۴)

ہر چیز کی قیمت اس کے چلے جانے یا چھن جانے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔کبھی کبھار جانے والا نہیں چاہتا کہ وہ جائے اور خصوصاً جب اس کو پتہ ہو کہ مجھے اب واپس کبھی نہیں مڑ کے آنا ہو گا۔تو ایک انسان کو جب پتہ چل جائے کہ دنیا چھوٹنے والی ہے تو دل میں ایک حسرت بھی آتی ہے کہ کوئی مجھے روک لے مگر ان سب میں تو اللہ کی مرضی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔نہ جانے والے کا، نہ روکنے والے کا۔بہرحال اختر ہوشیارپوری بھی ایک انسان تھے ان کے دل میں کیا کچھ چل رہا ہو گا آخری ایام میں یہ کسی کو پتہ نہیں۔ویسے بھی وہ ایک خاموش طبع اور تنہائی پسند انسان تھے۔اپنی ذات کے خول سے بہت کم باہر نکلنے والوں میں سے تھے۔مگر انہوں نے اس دبی دبی آرزو کو شعری رنگ دے کر ہمارے سامنے ضرور رکھ دیا ہے۔

سنبھال کر کوئی رکھ لو شرارِ کل کے لیے
چراغِ آخر شب ہوں میں بجھنے والا ہوں (۱۴۵)

کبھی کبھی انسان کو اپنی گزری ہوئی عمر بہت اچھی لگ رہی ہوتی ہے وہ اس کے لیے خوب صورت یاد ہوتی ہے اور وہ ان خوب صورت یادوں جان کر یاد کر کے انہی یادوں کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔اختر ہوشیارپوری اسی مضمون کو یوں بتاتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:

اے عمرِ رفتہ لوٹ کے آ مسکرا کے دیکھ
ہم تیرے ہم سفر تھے ترے ساتھ جائیں گے(۱۴۶)

یہ گردِ سال و مہہ کی جبیں پر لکھا ملا
لمحوں کا انحراف ہی عہد وصال ہے(۱۴۷)

ایک اور جگہ اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں۔

اترتا جارہا ہے اس طرح کچھ رنگ ہستی کا
سحر کے وقت جیسے شمع مدھم ہوتی جاتی ہے(۱۴۸)

جانے والوں کی واپسی ہے محال
آنے والے ہی لوٹ جاتے ہیں (۱۴۹)

اور کچھ کر لو اکتسابِ جمال
اور کچھ دیر شمع محفل ہے(۱۵۰)

قدیم و جدید کا امتزاج

کوئی بھی چیز کوئی بھی وجود اپنے ماضی کی نفی نہیں کر سکتا۔اس کا حال ماضی کی اقدار سے جڑا ہوتا ہے۔روایت کی پاسداری ہی وجود کی قائم و بقا ہے۔ہر حال کا مستقبل ہو یا نہ ہو مگر اس کا ماضی ضرورہوتا ہے۔جس کی بنیادپر وہ وجود قائم ہوتا ہے۔لہذا ماضی سے منہ موڑنا سراسر کم عقلی کے زمرے میں آتا ہے۔بنیادیں کھوکھلی ہوں تو اس پر کھڑی عمارتیں بھی مضبوط نہیں ہوتیں۔لہذا مضبوط بنیادوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ماضی کی قدریں ہمارے لیے قیمتی اثاثے ہیں۔ہم ان کو فراموش

نہیں کر سکتے۔اختر ہوشیارپوری ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانے کے شاعر ہیں۔انہوں نے تینوں زمانوں کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔اختر ہوشیارپوری نے ماضی سے روگردانی نہیں کی۔انہوں نے روایت کی پاسداری کی ہے۔ساتھ انہوں نے اردو غزل کو جدید ترین آہنگ سے بھی روشناس کروایا ہے۔غزل میں نئے مفاہیم سے متعارف کروایا ہے اور الفاظ کو نئے معنوی رابطوں سے روشناس کروایا۔اختر ہوشیارپوری منفرد لب و لہجہ کے شاعر تھے۔انہوں نے جدت کو اپناتے ہوئے دقیانوسیت کو ترک کیا ہے۔یہی ان کی انفرادیت ہے۔انہوں نے بلند آہنگی کو اپنا شعار بنایا۔ماضی کو ساتھ ضرور لے کر چلتے رہے مگر مایوسی کی فضا کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔اختر ہوشیارپوری نے شاعری کو حیات و کائنات اور انسانی زندگی کے تمام مسائل کا احاطہ کرنے کا وسیلہ بنایا۔داخلی تجربات کے ساتھ ساتھ عصری مسائل کا بیان اور معاشرتی ناہمواریوں پر تنقید اختر ہوشیارپوری کے مخصوص موضوعات ہیں۔

اختر ہوشیارپوری کا غزلیہ مجموعہ ''جہت'' کے دیباچہ میں اختر کا شعری نظریہ واضح ہوتا ہے۔ اختر ہوشیارپوری ایسے ادب کو حیات جاوید قرار دیتے ہیں جو اپنے عہد کے تقاضوں کو پورا کرے نیز فنی محاسن پر بھی پورا اترتا ہو۔اختر ہوشیارپوری یوں رقم طراز ہیں:

''میں جانتا ہوں کہ صرف وہی ادب زندہ رہتا ہے جو اپنے عہد کے تقاضوں کا بھی ساتھ دے اور سلیقے کا ساتھ بھی نہ چھوڑے''(۱۵۱)

اس لحاظ سے ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

جو بوڑھا پیڑ زخموں سے سجا تھا
اسی کی شاخ دیدہ ور لگے ہے(۱۵۲)

میری تہذیب کا نشان بنے
میری ہمت کے سایہ دار درخت
کٹ تو سکتے ہیں جھک نہیں سکتے
یہ قد آور یہ باوقار درخت
چاند جب جھانکتا ہے وادی میں
ڈھونڈتے ہیں گئی بہار درخت(۱۵۳)

وہی شمعیں وہی شمعوں کا دھواں ہے کہ جو تھا
سر محفل وہی اندازِ جہاں ہے کہ جو تھا(۱۵۴)

قدیم و جدید کے امتزاج کی مثال اس شعر میں خوب پائی جاتی ہے:

ہزار بار زمانے نے کروٹیں بدلیں
مگر وہی ہے محبت کا آج بھی دستور(۱۵۵)

میں جہاں سے گزر کے آیا ہوں
وہ بھی بستی مرے خدا کی ہے(۱۵۶)

روایت کو بہت ہی خوبصورت علامت ''شجر'' سے جوڑا ہے۔یہیں سے اختر ہوشیارپوری کی الفاظ پر گرفت نظر آتی ہے۔مثال دیکھیں:

اس بوڑھے شجر کا دھیان رکھنا
سارے گاؤں کی آبرو ہے(۱۵۷)

اختر ہوشیارپوری روایت اور جدیدیت کو ساتھ لے کر چلنے والے شاعر تھے۔ان کے ہاں روایت کی پاسداری یوں دیکھنے کو ملتی ہے:

میر سے لے کر میرا جی تک یوں غم والے پھرتے ہیں
جیسے گلوں کے راز لیے محفل میں پیالے پھرتے ہیں
ہم سے شہر خوباں والے ناحق برہم رہتے ہیں
ہم درویش تو ہر قالب میں عجز کو ڈھالے پھرتے ہیں (۱۵۸)

اختر ہوشیارپوری ناقدانہ بصارت رکھنے والے شاعر تھے۔انہوں نے اپنی شاعری اصلاح کے طور پر کی جس میں تنقیدی پہلو بھی واضح ہے۔کہیں پر ہلکا سا طنزیہ لہجہ بھی نمودار ہوتا ہے۔مثال ملاحظہ ہو:

کہنہ بنیادوں پہ اٹھی ہیں نئی دیواریں
ڈر رہا ہوں کہ یہ بستی بھی تماشا نہ بنے(۱۵۹)

مری گام گام حقیقتوں سے روایتوں کو جنم ملا
کہ ملی ہیں ان سے ہی سرخیاں مری داستانِ حیات کو(۱۶۰)

ایک تاریخ حوادث ہی سہی زیست مگر
عرضِ احوال بہ الفاظ دگر ہوتا ہے(۱۶۱)

اختر ہوشیارپوری کی غزلیہ شاعری کا فنی جائزہ

کسی بھی کلام میں جہاں فکر پائی جاتی ہے وہاں فن بھی لازم ہوتا ہے۔فکر و فن لازم و ملزوم ہیں ورنہ کلام میں ایک روکھا پن اور پھیکا پن کا احساس موجود رہتا ہے۔فکر نظریہ پیش کرتی ہے تو فن نظریہ سازی کرتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کا شاعرانہ کلام فکر و فن دونوں میں کمال رکھتا ہے۔گذشتہ حصّے میں اخترؔ ہوشیارپوری کے کلام کا فکری جائزہ لیا گیا ہے۔جس میں مختلف موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اس حصّے میں اخترؔ ہوشیارپوری کے کلام کا فنی جائزہ مفصل انداز میں لیا جاتا ہے۔سب اہم بات کہ اختر ہوشیارپوری کا اندازِ تحریر اور اسلوب کیسا ہے۔

اسلوب

کسی مصنف یا ادیب کے اندازِ تحریر کو اسلوب کہا جاتا ہے۔ہر ایک لکھاری،شاعر ہو یا ادیب کا اپنا الگ اسلوب ہوتا ہے۔لہذا بات کرنے کے ڈھنگ کو اسلوب کہا جاتا ہے۔اسلوب کے حوالے سے پروفیسر انور جمال کہتے ہیں:

> ''اسلوب فنی تجربے کے ناگہانی یا ارتقائی فن کے بجائے اس کے طویل ارادوں اور مسلسل ارتباط کو ظاہر کرتا ہے۔''(۱۶۲)

گویا منتشر خیالات کو ادب کے خوبصورت پیرائے میں ڈھال کر بات کرنے کا فن اور شخصیت کا مکمل طور پر اظہارِاندازِ تحریر یا اسلوب کہلاتا ہے۔انور ضیاء مشتاق، اختر ہوشیارپوری کے کلام پر تبصرہ کرتے ہیں اور ان کے اسلوب کے بارے میں کہتے ہیں۔

''اُردو شاعری سے شغف رکھنے والا ہر فرد اختر ہوشیارپوری کے نام سے آگاہ ہے۔اور ان کی شاعری اور اندازِ فکر کو بھی باخوبی جانتا ہے۔وہ ایک منجھے ہوئے شاعر ہیں۔''(۱۶۳)

اخترہوشیارپوری کے کلام کا اگرجائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے۔کہ ان کا اندازِ تحریر اگرچہ وہ حمد ہو،نعت ہو،منقبت ہو،سلام یامرثیہ، ہر ایک صنف میں ان کا اندازِتحریر شستہ،شائستہ،سہل اور سلیس ہے۔بڑی بات کو مختصر انداز میں جامعیت کے ساتھ بات کرنے کا فن اخترہوشیارپوری کو خوب آتا ہے۔ان کے تمام تر تجربے فنی معیار کے حوالے سے ایک مقام رکھتے ہیں۔وہ عصرِ حاضر کے شاعر ہیں۔اور جدیدیت کے تصور سے بہت حد تک متاثر بھی ہیں۔اختر ہوشیارپوری کا اسلوب دل موہ لینے والا ہے۔

سہل ممتنع

سہل ممتنع شعری اظہار کی اصطلاح ہے۔ایسا شعر جو نہایت سادہ اور آسان لفظوں میں کہا گیا ہو لیکن اس میں فکر کی گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہو وہ سہل ممتنع کہلاتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں اختر ہوشیار پوری کے کلام میں موجود ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے سہل ممتنع میں اپنے اشعار کہہ کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دریا میں طغیانی ہے
شہر بھی پانی پانی ہے

کون سنے گا اخترؔ کی
گہرے کنویں کی زبانی ہے (۱۶۴)

اخترہوشیارپوری کے کلام میں سادگی، سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ان کے اشعار پڑھتے ہی دل میں اترنے لگتے ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا کلام سادہ اور رواں ہے۔کہیں کوئی ثقیل لفظ یا پھر مشکل ترکیب استعمال نہیں کی گئی جو عام قاری کے لیے پڑھنے میں مشکل پیدا کر تی ہو۔سہل ممتنع کی چند مزید مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سورج اتر آیا ہے زمیں پر
یہ کوئے تباں کی روشنی ہے(۱۶۵)

لوگوں کو خبر ہے مرے دکھ کی
میں خود کو پکارتا رہا ہوں (۱۶۶)

اختر ہوشیارپوری کے اس شعر میں سہل ممتنع کی خوبی کو ملاحظہ کیجیے:

ہاتھ آتانہیں ہے اجر اخترؔ
ہر عمل سعی نیک و بد میں ہے(۱۶۷)

سہل ممتنع کی ایک اور خوبصورت مثال:

بزم اکتا چلی ہے اب اخترؔ
داستانِ وفاتمام کرو (۱۶۸)

افتخارعارف نے اختر ہوشیارپوری کے متعلق جو مضمون لکھا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

''اختر ہوشیارپوری اُن صاحبِ منزلت بزرگ شعراء میں ہیں کہ جن کو تمام علمی و ادبی حلقوں میں تعظیم و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔زبان و بیان کی سب سطحوں پر ان کی دسترس قابل رشک اور مثالی حیثیت رکھتی ہے۔'' (۱۶۹)

اخترؔ ہوشیارپوری کے کلام میں جابجا جدت نظر آتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کے کلام کی تمثیل پورے منظر کے ساتھ نظر آتی ہے۔

اختر ہوشیار پوری کے ہاں سادہ شعر کہنے کی روش ابھری ہے۔انھوں نے نہایت سلیقے سے شعر کہے ہیں۔ان کے شعروں میں سادگی کے باوجود گہرائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ان کے اشعار فکری سطح پر بہت بلند مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔مثالیں دیکھیں:

میں ہی جب گھر میں نہ تھا
کون کمرہ کھولتا
وہ بھی اخترؔ چھت پہ تھی
میں بھی اپنے گھر میں تھا(۱۷۰)

اختر ہوشیارپوری نے نہایت آسان الفاظ میں شاعری کی ہے۔جتنی سادگی پائی جاتی ہے اتنی ہی ان کے کلام میں تمثیل کی خوبی واضح جھلکتی ہے۔مثال دیکھیں:

وہ مرے قریب ہی کھڑی تھی
اور مرے بدن میں بولتی تھی
کندہ ہے مرے لبوں پہ اختؔر
دیوار پہ جو وہ لکھ گئی تھی (۱۷۱)

اختر ہوشیارپوری کے کلام میں سادگی کی ایک اور مثال دیکھیں:

ان کی زلف کا ذکر کیا کرتے
ہم خیال اک رات بھی نہ ہوئی
ان کی نظروں کی بات کر اختؔر
اپنی ہستی کا کیا ہوئی نہ ہوئی (۱۷۲)

اخترہوشیارپوری کے کلام میں موضوعات کا تنوع بھی ہے اور رنگا رنگی بھی۔اس بات کا اظہارِ شبنم شکیل یوں کرتی ہیں:

''اخترہوشیارپوری کے ہاں موضوعات کا بہت تنوع اور رنگارنگی ہے۔وہ کبھی بھی یکسانیت کا شکار یا اپنے آپ کو دہراتے ہوئے محسوس نہیں ہوتے۔موضوعات کے اعتبار سے شاعری کا کینوس اتنا وسیع ہونا یقیناً ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے پھیلاؤ کی نشاندہی کرتا ہے۔''(۱۷۳)

اخترہوشیارپوری نے زندگی میں جو کچھ سیکھا اسے صفحۂ قرطاس پرلائے۔ان کے کلام میں سادگی اس انداز میں ملتی ہے کہ قاری کو کہیں بھی سقم نظر نہیں آتا۔اس حوالے سے اشعار مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں:

شام ہوتے ہی دل کے داغ جلے
ہم جلے تم جلے چراغ جلے

جب خزاں آئی دل سلگ اٹھا
جب بہار آئی دل کے داغ جلے(۱۷۴)

مجھ کو آواز جس نے دی ہوگی
وہ مری اپنی ذات ہی ہوگی (۱۷۵)

دیکھنے والے مرا ذوق نظر
تیرا اندازِ نظر دیکھیں گے(۱۷۶)

خمیدہ اور پیچیدہ بات کااستعمال اخترہوشیارپوری کے ہاں نہیں ہے۔مفاہیم جلد واضح ہوجاتے ہیں۔بعض اشعار اختر ہوشیارپوری کے ہاں معانی کی تہہ در تہہ معنویت کے آئینہ دار ہیں۔ہر فکر کے نتیجے میں ان سے ایک نیا مضمون برآمد ہوتا ہے۔اختر ہوشیارپوری نے درویشانہ زندگی گزاری ہے۔سب کچھ ہونے کے باوجود ان کے اظہار میں عجزوانکسار اورہر ایک کے ساتھ اُن کا خلوص اورحسنِ سلوک ان کی زندگی کا حصّہ رہا ہے۔غزل کا یہ شعر ان کی سیرت کا آئینہ دار بھی ہے اور ان کی زندگی کا ذریعہِ اظہار بھی۔

جب ان کی یاد سے جلتے ہیں آرزؤں کے چراغ
ستارے اور بھی اخترؔ نکھرنے لگتے ہیں (۱۷۷)

اختر ہوشیارپوری ایک ایسے شاعر تھے جن کو نہ صرف اپنی زندگی میں ہی پذیرائی مل گئی بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے کلام کو راہا گیا اور ان کی قادرالکلامی پر بات کی گئی۔لہذانجمہ حمید کھوکھر نے اخترہوشیارپوری کی برسی پر مکالمہ پیش کیا۔جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

> ’’آپ قادرالکلام شاعر تھے اور بہترین دوست تھے،آپ نے صرف اپنے لیے اشعار نہیں کہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنے محسوسات میں شریک کیا۔آپ نے اس جدید دور میں مروجِ سخن میں شاعری کی۔آپ کی غزل میں سادگی،بے ساختگی،سلامت و روانی آپ کو دیگر شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔آپ کے اشعار کی دل آویزی،لسانی پاکیزگی پڑھنے والے کو مسحور کر دیتی ہے اور وہ آپ کے اشعار کی دلفریبی میں کھو جاتا ہے۔‘‘ (۱۷۸)

اس حوالے سے اختر ہوشیارپوری کے اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ کون شکستہ پا ہے دیکھو
رہزن ہے کہ رہنما ہے دیکھو
مٹی کے چراغ ڈھونڈنا کیا
اخترؔ کی بھی اک ضیاء ہے دیکھو(۱۷۹)

کیا منزلِ چشم تر میں رہنا
رہنا تو ہوا کے گھر میں رہنا
ہر شاخ سے پھول چنتے رہنا
طائر کی طرح سفر میں رہنا(۱۸۰)

صنعتِ تشبیہ

اگر د و چیزوں میں کوئی صفت مشترک ہو، لیکن ان دو چیزوں کی حقیقت مختلف ہو تو اس صفت مشترک کی بنا پر ان کو ایک دوسرے کی مانند قرار دینے کو تشبیہ کہتے ہیں۔مثال کے طور پر پھول کی پتی پر شبنم کے موتی چمک رہے تھے اس جملے میں شبنم کے قطروں کو موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔اختر ہوشیار پوری کے ہاں بھی صنعتِ تشبیہ کا استعمال شعر وں میں بلا کا حُسن اور وقار میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

اس نئے دور میں اندازِ کہن کی صورت
پھول کے سینے میں اترا ہوں کرن کی صورت (۱۸۱)

مذکورہ شعر میں صنعتِ تشبیہ کا استعمال ہوا۔پھول کے سینے پر کرن بن کر اترنا گویا خود کو کرن سے تشبیہ دینا ہے۔اختر ہوشیار پوری نے اس شعر میں بلا کا حُسن اور خوبصورتی پیدا کی ہے۔ صنعت تشبیہ شعروں میں جہاں سلاست و بلاغت پیدا کرتی ہے وہاں شعر کی اُٹھان میں بھی بے پناہ اضافہ کر دیتی ہے۔

ہونٹ کم کم ہوئے وا غنچہ تر کے مانند
زلفیں لہرائیں بہت شاخِ سمن کی صورت (۱۸۲)

اس شعر میں بھی صنعتِ تشبیہ سے کام لیا گیا ہے۔شعر کے دونوں مصرعوں میں تشبیہ برتی گئی ہے۔پہلے مصرع میں ہونٹوں کے وا ہونے کو غنچہ کے کھلنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔غنچہ جب کھل جاتا ہے تو وہ پھول کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ہونٹوں کو پھول کی نازکی سے تشبیہ دے کر شعر میں کمال کا حسن پیدا کر دیا گیا ہے۔اسی طرح دوسرے مصرع میں زلفوں کے لہرانے کو شاخِ سمن سے تشبیہ دی گئی ہے۔

پلکوں پہ جو آنسو ہے عقیق یمنی ہے
یہ گوہر شب تاب بھی نیزے کی انی ہے(۱۸۳)

مذکورہ بالا شعر میں آنسو کو عقیق یمنی سے تشبیہ دی گئی ہے۔دونوں میں جو قدر مشترک ہے وہ چمک ہے۔پلکوں پر آیا ہوا آنسو بھی چمکتا ہے اور عقیق یمنی بھی اپنی خوب چمک دمک رکھتا ہے۔

تشبیہ ایسااسلوبِ اظہار ہے جو شاعری میں خوبصورتی اور چاشنی پیدا کر دیتا ہے۔ذیل میں اختر ہوشیارپوری کی غزلوں کے کچھ ایسے اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو کہ تشبیہ کے عنصر کی وجہ سے معنی آفرینی اور حسن آفرینی میں یکتا ہیں۔دو چیزوں میں کسی ایک وصف کی بنا پر مشارکت تشبیہ کہلاتی ہے۔تشبیہ کا کام معنی آفرینی، حسن آفرینی اور اختصار و بلاغت پیداکرنا ہے۔ا س سے فنِ شاعری میں حسن نکھرتاہے، معنی ابھرتے ہیں اور بلاغت پیدا ہوتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں یہ وصف پایا جاتا ہے۔انہوں نے اس صنعت کا استعمال کر کے اپنے شعری اسلوب میں مزید خوبصورتی پیدا کی ہے۔

پھیلی ہوئی تھیں ٹہنیاں دستِ سوال کی طرح
پلٹی جو رت تو کھل اٹھیں تیرے جمال کی طرح(۱۸۴)

اس شعر میں پھیلی ہوئی درخت کی ٹہنیوں کو دستِ سوال سے تشبیہ دی گئی ہے۔اور دوسرے مصرع میں رُت کے آنے سے ان کا جوبن اور جمال کھل اٹھتا ہے بالکل ایسے جیسے محبوب کا جمال ہو۔دونوں مصرعوں میں صنعت تشبیہ کو استعمال کیا گیا ہے۔اردو شاعری میں جو حسن اور خوبصورتی نظر آتی ہے وہ بیان کے وصف سے ہے اخترہوشیارپوری نے تشبیہات کے استعمال سے اپنی شاعری میں ایک دلکشی پیدا کر دی۔

دریچے کھول کے بیٹھا ہوں بازوؤں کی طرح
مجھے خبر ہے بادِ صبا بھی آئے گی(۱۸۵)

مذکورہ بالا شعر میں اختر ہوشیار پوری نے دریچے کے کھلنے کو اپنے کھلے ہوئے بازوؤں سے تشبیہ دی ہے۔تشبیہ سے شعر کا حسن دوبالا ہوگیا ہے اور شعر ایک دم چمک اٹھا ہے۔تشبیہ کی ایک خوبصورت مثال:

دل اپنے گھر کا رستہ بھول بیٹھا
کوئی شہزادہ جیسے جنگلوں میں (۱۸۶)

اس شعر میں اختر ہوشیار پوری نے دل کو گھر کا رستہ بھولنے کو کسی شہزادے سے تشبیہ دی ہے جو جنگلوں میں گھر کا راستہ بھول بیٹھے۔اسی طرح دل اپنے گھر کا رستہ بھول بیٹھا ہے۔

اختر مرے نصیب کا عقدہ مری طرح
الجھی لٹوں کی منزل دشوار میں کھلا(۱۸۷)

اختر ہوشیار پوری نے اپنے نصیب کے عقدہ کو الجھی ہوئی لٹوں یعنی الجھے ہوئے بالوں سے تشبیہ دی ہے۔کہ جس طرح الجھے ہوئے بال ہوتے ہیں اسی طرح میرے نصیب بھی الجھا ہوا ہے۔

دل حرف کی آگ کا شناسا
کاغذ کی طرح سلگ رہا ہے(۱۸۸)

مذکورہ بالا شعر میں اختر ہوشیار پوری نے دل کو کاغذ کی طرح سلگنے سے تشبیہ دی ہے۔ دل حساس ہے وہ حرف کی آگ کا شناسا ہے اور جس طرح کاغذ سلگتا ہے دل بھی سلگتا رہتا ہے۔ حرف کاغذ پر لکھے جاتے ہیں جبکہ باتیں اور باتوں کے نشتر دل پر حرفوں کی مانند لکھے اور برسائے جاتے ہیں۔

زندگی اس طرح ہے دامن گیر
جیسے کانٹا ہوا کلی نہ ہوئی(۱۸۹)

اختر ہوشیارپوری نے اس شعر میں ''زندگی'' کو ''کانٹا'' سے تشبیہ دی ہے۔زندگی کی تلخیاں اور مصیبت و آلام کو کانٹے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔حالانکہ زندگی کو ''کلی'' کہنا چاہیے تھا لیکن اس کی تلخیوں کے باعث اسے کانٹے سے تشبیہ دے دی گئی ہے۔کلی کھلنے کے بعد پھول بن جاتی ہے۔بالکل اسی طرح زندگی بھی پھلتی پھولتی ہے مگر یہ زندگی آزمائش اور آلام میں گرفتار ہے کہ اس کو کھلنے کا موقع ہی نہیں ملا بلکہ ایک طرح سے الجھ کر رکی ہے جیسے کانٹوں میں دامن الجھ جائے اور سمیٹنے کے باوجود نہ سمٹے۔

صنعتِ استعارہ

صنعتِ استعارہ علم بیان کی اصطلاح ہے جس کا لغوی مفہوم مستعار لینا کے ہیں۔پر وفیسر انور جمال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''کسی شے کے لوازمات او رخصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا استعارہ ہے۔لفظ کو مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کرنا کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو، استعارہ کہلاتا ہے۔''(۱۹۰)

اختر ہو شیار پوری کے ہاں بھی صنعتِ استعارہ کا استعمال واضح انداز میں ملتا ہے انھوں نے اشعار میں جہاں جہاں بھی صنعت استعارہ کا استعمال کیا ہے۔ان کے شعر وں میں خوبصورتی بڑھی ہے۔

اک سادہ ورق ہے زیست اختر
اور کہنے کو داستاں ہے شاید(۱۹۱)

اس شعر میں صنعت استعارہ کا استعمال ملتا ہے شاعر نے زندگی کو براہ راست ''سادہ ورق'' کہہ کر استعارہ کا نہایت عمدگی سے استعمال کیا ہے۔

اول شب کی لوری بھی کب کام کسی کے آتی ہے
دل وہ بچہ اپنی صدا پر کچی نیند سے جاگتا ہے(۱۹۲)

مذکورہ بالا شعر میں اختر ہوشیار پوری نے دل کو براہ راست بچہ کہہ دیا ہے۔یوں شعر میں صنعت استعارہ کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔

صنعتِ تجسیم نگاری

اس صنعت میں غیر مرئی چیزوں کو ایک جسم عطا کر دیا جاتا ہے۔جس سے شاعری میں خوبصورتی اور ندرت در آتی ہے۔

انور جمال صنعتِ تجسیم کی کچھ یوں تعریف بیان کرتے ہیں:

''غیر مرئی حقائق، جبلات یا عادات وغیر ہ کو حرکی، مادی جسم میں ڈھال کر پیش کرنا تجسیم کہلاتا ہے۔زندگی، نفرت، غصہ، شوق، خوف، خوشی، غم وغیرہ کو جسمانی اور محسوس انسانی افعال و خصوصیات سے متصف کرنا تجسیم ہے۔''(۱۹۳)

اختر ہوشیار پوری نے بھی اپنے شعروں میں صنعتِ تجسیم نگاری کو نہایت عمدگی سے برتا ہے۔اختر ہوشیارپوری غیر مرئی چیزوں کو تجسیم کرنے کے فن سے پوری طرح آگاہ تھے۔اس کا اظہار ان کی شعری رویہ میں خوب نظر آتا ہے۔ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شور سا اٹھتا رہتا ہے دیواریں بولتی رہتی ہیں
شام ابھی تک آ نہیں پاتی کوئی گھورنے دوڑتا(۱۹۴)

اس شعر میں ''دیواروں'' کو تجسیم کر کے انہیں ایک جسم عطا کر دیا گیا ہے۔گویا دیواروں میں نطق کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔اسی لیے بولنے لگی ہیں اور پھر ان دیواروں کو سایہ کی شکل دے دی گئی ہے اور آنکھیں دے دی گئی ہیں۔صنعتِ تجسیم نگاری کی مثال اس شعر میں ملاحظہ کریں:

دیوار کو کان لگ گئے ہیں
میں چپ ہوں کہ سایہ بولتا ہے(۱۹۵)

اس شعرمیں بھی اختر ہوشیارپوری نے دیوار کو کان عطا کر دیے ہیں اور وہ بے جان سے جان دار شے میں بدل گئی ہے۔وہ دیکھ سکتی ہے سن سکتی ہے بول سکتی ہے۔گویا ایک جسم بن گئی ہے۔دیوار وں کے کان ہونا ایک محاور ہ بھی ہے۔دیوار کو کان لگ جانا جہاں تجسیم نگاری کا استعمال ہوا ہے وہاں اردو ادب کے ایک خوبصور ت محاورے کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔

صنعتِ تلمیح

کلام میں کسی مشہور واقعہ، قصہ، کہانی، قرآنی آیت یا کسی فنی اصطلاح کی طرف اشارہ کرنا علمِ بدیع کی رو سے تلمیح کہلاتا ہے۔تلمیح کے ذریعے نظم یا نثر میں چند ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں

جن کے لانے سے وہ قصہ، واقعہ یا روایت پڑھنے یا سننے والے کے ذہن میں تازہ ہو جائے۔اس ضمن میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

"تلمیح کی اصطلاح علمِ بدیع کے حصے میں آتی ہے۔کلام میں کوئی ایسا لفظ یا مرکب استعمال کرنا جو کسی تاریخی، مذہبی، یا معاشرتی واقعے یا کہانی کی طرف اشارہ کرے تلمیح ہے۔تلمیح وہ الفاظ ہوتے ہیں جو کسی واقعے کے ساتھ خاص ہو جاتے ہیں اور پھر مستقل طور پر اس وقوع کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً چاہ یوسف کی ترکیب سامنے آتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ ذہن میں آجاتا ہے۔"(۱۹۶)

اس صنعت میں بات کہنے والا اپنی بات کو چند لفظوں میں سمیٹ دیتا ہے اور ان لفظوں کے ذرا سے اشارے سے پورا واقعہ قاری کی نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔سید عابد علی عابد کے مطابق:

"اس کی صورت یہ ہے کہ شاعر اپنے کلام میں کسی مشہور مسئلے یا قصے یا اصطلاح وغیرہ کی طرف اشارہ کرے اور جب تک یہ اشارہ توضیح کا رنگ اختیار نہ کرے، شعر کا صحیح مفہوم متعین نہ ہو۔"(۱۹۷)

اختر ہوشیارپوری نے صنعت تلمیح کو استعمال کر کے شعروں میں تاریخی واقعات کے نگینے جوڑے ہیں۔جس سے ان کے اشعار چمک اٹھے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میں تھا سقراط کہاں کا اختؔر
پھر بھی زہر اب پیا ہے میں نے(۱۹۸)

مذکورہ بالا شعر میں شاعر نے دانش ور و فلسفی سقراط کی تلمیح دے کر شعر میں حسن پیدا کیا ہے۔

"سقراط (۴۶۹۔۳۹۹ ق م) یونان کا عظیم مصلح اور فلسفی ایک سنگ تراش کا بیٹا تھا۔ابتداء میں باپ کا پیشہ اختیار کیا لیکن بعد میں فوج میں ملازمت کر لی۔جنگوں میں بھی شریک ہوا۔سچائی اور ایمانداری کا دلدادہ تھا۔سقراط کے مخالفوں نے اس پر الزام لگایا کہ وہ بے دین اور دیوتاؤں کو نہیں مانتا ایتھنز کے سینٹ میں اس پر مقدمہ چلا اور سقراط نے اپنی وکالت آپ کی سینٹ

نے اسے موت کی سزا دی۔اس نے معافی مانگنے سے انکار کر دیا اور زہر کا
پیالہ خوشی خوشی پی لیا۔اس کا سب سے ممتاز شاگرد افلاطون تھا جس نے
استاد کے حالات اور اقوال قلم بند کیے ہیں۔'' (۱۹۹)

اختر ہوشیارپوری جس طرح سے اپنی فکر میں گہرائی رکھتے تھے۔اسی طرح اپنے فن میں مہارت رکھتے تھے۔لہذا وہ کوئی بھی صنعت استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے بلکہ ہر صنعت مستعمل ہونے میں اپنا جدید روپ ظاہر کرتی ہے۔گویا صنعت تلمیح کی مثال میں یہ شعر ملاحظہ ہو:

مجھ کو کنواں تو کوئی میسر نہیں ہوا
لیکن میں گھر میں قید ہوں اور بھائیوں میں ہوں (۲۰۰)

اس شعر میں اختر ہوشیارپوری نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا ہے جب ان کے بھائیوں نے انہیں کنواں میں پھینک دیا تھا اور گھر آکر بتایا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے کھا گئے ہیں۔

''حضرت یوسف علیہ السلام:ایک پیغمبر حضرت یعقوب کے بیٹے آپ کی
والدہ کا نام راحیل بنت لابنان تھاآپ کا شجرہ نسب یوں ہے۔یوسف بن
یعقوب بن اسحاق بن ابراہیمؑ قرآن مجید کی بارہویں سورہ آپ ہی کے نام
سے موسوم ہے اور اس میں آپ کا نام ۲۴ مرتبہ آیا ہے۔اس میں آپ
کو کنویں میں ڈالنے کا پورا واقعہ درج ہے۔''(۲۰۱)

اس حوالے سے اختر ہوشیارپوری کا شعر دیکھیں:

اس کنوئیں میں کوئی اترے تو نکالے مجھ کو
کر گئے ہیں وہ زمانے کے حوالے مجھ کو(۲۰۲)

اس شعر میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔اردو ادب میں یہ تلمیح بہت زیادہ استعمال ہوئی ہے۔اختر ہوشیا ر پوری نے بھی اس تلمیح کو استعمال کر کے روایت سے اپنا رشتہ استوار رکھتے ہوئے شعر کے حسن میں بھی اضافہ کیا ہے۔

مجھے دریا کی موجیں جانتی ہیں
کسی فرعون کے میں گھر رہا ہوں (۲۰۳)

یہاں اس شعر میں اختر ہوشیارپوری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ کر کے ایک خوبصورت تلمیح کو استعمال کیا ہے اور اسی طرح سے قاری کے سامنے تاریخی شعور پیش کیا ہے۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام (عہد ۱۵۷۱۔۱۴۵۱ق م)بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر مصر میں پیدا ہوئے۔فرعون کو معلوم ہوگیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کی بر بادی کا باعث بنے گا۔وادیٔ طویٰ میں اللہ سے ہم کلام ہوئے اورپیغمبری پائی۔ عصا اور ید بیضا کے معجزات عطا ہوئے واقعہ قرآن میں مذکور ہے۔''(۲۰۴)

اختر ہوشیارپوری کا شعر ملاحظہ ہو:

سینۂ شب سے نہ پھوٹی اک کرن بھی صبح تک
تیشۂ فرہاد کی اخترؔ وہ فطرت کیا ہوئی(۲۰۵)

اس شعر میں ''تیشۂ فرہاد'' کو بطور تلمیح استعمال کیا گیا ہے جس سے شیریں او رفرہاد کا پورا قصہ ذہن میں گھوم جاتا ہے۔

فرہاد: مذکر قصہ شیریں فرہاد کا ہیرو، شیریں خسرو پرویز کی بیوی تھی۔فرہاد اس پر عاشق ہوگیا وصل کی شرط یہ ٹھہری کہ فرہاد خود کوہ بے ستون سے نہر کھود کر شیریں کے محل میں لائے جب کام تکمیل کو پہنچا تو خسرو نے مشہور کر دیا۔ شیریں مرگئی۔ فرہاد نے اپنے سر میں تیشہ مارکر مر گیا۔(۲۰۶)

صنعتِ اشتقاق

کلام میں ایسے الفاظ جو ایک ہی مادے کے مشتق ہوں۔لغت میں اشتقاق کے لفظی مطالب درج ذیل ہیں:

''ایک لفظ سے دوسرا لفظ بنانا'' (۲۰۷)

''مصدر یا مادے سے دوسرے الفاظ بنانا، لفظ کی اصل کا کھوج لگانا۔''(۲۰۸)

اصطلاحی مفاہیم میں ''اشتقا ق سے مراد شعر میں ایسے الفاظ لانا جو ایک ہی مادے او رمصدر سے مشتق ہوں۔

اختر ہوشیار پوری کے ہاں بھی صنعت اشتقاق کا استعمال بخوبی ملتا ہے۔ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شیشہ جو کرچ کرچ ہوا گھر چمک اٹھا
کرچیں کہ جن کے پردے میں اختر نہ تھا کبھی(۲۰۹)

مذکورہ بالا شعر کے پہلے مصرع میں لفظ''کرچ'' استعمال ہوا ہے دوسرے مصرع میں ''کرچیں''برتا گیا ہے۔ان دونوں الفاظ کا مصدر ایک ہی ہے۔لہٰذا یہ صنعتِ اشتقاق ہے۔صنعتِ اشتقاق کی مثال اختر ہوشیارپوری کے اس شعر سے بھی بخوبی ملتی ہے۔

راہوں کے پیڑ پیڑ نشانِ قدم ہوئے
پیڑوں کی ہر قطار مجھے قافلہ لگے (۲۱۰)

مذکورہ بالا شعر میں ''پیڑ'' استعمال ہوا ہے جب کہ دوسرے مصرع میں ''پیڑوں'' دونوں ایک ہی مصدر سے مشتق ہیں۔اس شعر میں بھی صنعت اشتقاق کو نہایت عمدگی سے استعمال کیا گیا ہے۔یہ صنعت جہاں شعر میں خوبصورتی اور حسن پیدا کرتی ہے وہاں اس کے استعمال سے صوتی آہنگ بھی جنم لیتی ہے۔

صنعت تکرارِ لفظی

لفظوں کی تکرار سے اعلیٰ اور دقیق خیال کو روانی کے ساتھ بیان کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔اس لیے بھی شعرا شعروں میں تکرارِ لفظی کو پسند کرتے ہیں اور اس طرح وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ شعری خیال کو لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ڈاکٹر یوسف حسین خان لکھتے ہیں:

''لفظوں کی تکرار بالعموم نثر او رشعر دونوں میں معیوب سمجھی جاتی ہے لیکن اگر لفظوں کی تکرار اور الٹ پھیر ایک خاص سلیقے سے کی جائے اور

وہ رمزی اور ایمائی اثر بڑھانے میں مدد دے تو کلام کی بلاغت اور حسن
میں اضافہ ہوگا۔غزل میں وزن اور بحر اور ردیف قافیے کی تکرار بھی اسی
مقصد کے لیے ہوتی ہے بعض وقت لفظوں کی تکرار اس واسطے پسند ہوتی
ہے کہ دل جس چیز کو چاہتا ہے او ر پہچانتا ہے اور وہ بار بار سامنے آتی
رہے لفظوں کے خیالی پیکر وں سے جذبہ اپنے آپ کو وابستہ کر لیتا ہے تو
یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔تکرار سے ان خیالی پیکروں کے نقوش میں گہرائی
پیدا ہو جاتی ہے۔"(۲۱۱)

اختر ہوشیارپوری کے ہاں بھی صنعتِ تکرار لفظی کا استعمال بخوبی ملتاہے۔اس کے استعمال سے شعروں میں صوتی آہنگ اور موسیقیت جنم لیتی ہے جس سے شعر میں روانی محسوس ہونے لگتی ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مٹی کے ان چراغوں کی ہمت تو دیکھئے
جو جاتے جاتے شب کی صفوں کو الٹ گئے(۲۱۲)

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں "جاتے جاتے" کی تکرار موجود ہے جو شعر میں صوتی آہنگ پیدا کر رہی ہے جس سے شعر میں حُسن پیدا ہوگیا ہے اور قاری کے لیے دلچسپی کا باعث بن گیا ہے۔

وہ اجنبی تھا جو مرے قریب سے گزرا
تمام شہر ہے کس کس کو آشنا کیجے
یہ لمحہ لمحہ کی روداد دکھ ہے صدیوں کا
کہ کوئی کچھ نہ کہے پھر بھی وہ سنا کیجے(۲۱۳)

ان دونوں اشعار میں صنعت تکرار لفظی کو برتا گیا ہے۔پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں "کس کس" اور دوسرے شعر کے مصرع اولیٰ میں "لمحہ لمحہ" کی تکرار عجب طرح کی موسیقیت کو جنم دے رہی ہے۔ایسی تکرار شعر کے حسن میں نہ صرف اضافے کا باعث بنتی ہے بلکہ شعر کو روانی اور سلاست بھی عطا کرتی ہے۔

اختر ہوشیارپوری نے اپنی شاعری میں خصوصاً غزلیہ شاعری میں صنعت تکرار لفظی کو بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔اس صنعت کے استعمال سے نہ صرف ان کے اشعار میں خوبصورتی کا اضافہ ہوا ہے بلکہ اختر کی فنی قادر الکلامی کا اظہار خوب واضح ہوتا ہے۔

جنم جنم کا میں پیاسا ہوں میری پیاس بجھے
اسیرِ جاں ہوں مجھے قید سے رہا کیجے(۲۱۴)

مذکورہ بالا شعر میں لفظ ''جنم جنم'' استعمال ہوا ہے۔جنم جنم کی تکرار صنعت تکرار لفظی کو جنم دے رہی ہے۔جو کہ شعر میں سلاست و روانی اور صوتی آہنگ کا موجب بن رہی ہے۔

آئینے سارے ریزہ ریزہ ہوئے
اپنا چہرہ ہی معتبر دیکھا (۲۱۵)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں 'ریزہ ریزہ'لفظ دو دفعہ لگاتار استعمال ہوا ہے جو کہ شعر میں حُسن پیدا کر رہا ہے۔صنعت تکرار لفظی شعر میں نہ صرف صوتی آہنگ کو جنم دیتی ہے بلکہ سلاست و بلاغت بھی پیدا ہوتی ہے۔

اُترے ہیں دُور دُور مسافر شجر شجر
جلتے ہوئے چراغ جہاں آندھیوں میں تھے (۲۱۶)

اختر ہوشیارپوری کے اس شعر کے مصرع اولیٰ میں پہلے ''دُور دُور'' اور پھر ''شجر شجر'' کی تکرار شعر میں بلا کی موسیقیت کو جنم دے رہی ہے۔شعر میں صوتی آہنگ اس طرح بھی پیدا ہوا ہے کہ ''دور ، مسافر، اور شجر'' کی ''ر'' بھی تکرار میں اضافے کا باعث بنی ہیں۔یعنی پہلے مصرع میں دور، پھر مسافر، پھر شجر کے الفاظ آئے ہیں اور یہ تینوں ''ر'' پر ختم ہو رہے ہیں۔جو کہ شعر میں ایک حُسن کا اضافہ کر رہے ہیں۔ایک ہی مصرع میں دو تکرارِ لفظی کا استعمال اختر ہوشیارپوری کی زود گوئی کا بھی ثبوت فراہم کررہاہے۔

حرفِ طلب کا رنگ سخن آنسوؤں میں تھا
لیکن یہ حرف حرف تقاضا نہ ہو سکا(۲۱۷)

اس شعر کے مصرع دوم میں لفظ ''حرف حرف'' کی تکرار موسیقیت پیدا کر رہی ہے۔اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مصرع اولیٰ میں بھی لفظ ''حرف'' استعمال کیا گیا ہے یوں پورے شعر میں

لفظ ''حرف'' تین بار استعمال ہوا ہے۔یہ ترتیب اختر ہوشیارپوری کی شاعری پر گرفت کو ظاہر کررہی ہے۔

کیا کیا ہمیں تجربے ہوئے ہیں
اس زلف سے اب تو ڈر گئے ہم
تجھ سے بچھڑے تو تیرگی میں
کیا جانے کدھر کدھر گئے ہم(۲۱۸)

ان اشعار میں پہلے شعر کے پہلے مصرع میں ''کیا کیا'' کی تکرار عجب صوتی آہنگ پیدا کر رہی ہے۔جب کہ دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ ''کدھر کدھر'' استعمال ہوا ہے۔ دونوں شعروں میں صنعت تکرار لفظی برتی گئی ہے۔

اب یہ عالم ہے قلبِ ویراں کا
یہ فضا ہو دھواں دھواں جیسے (۲۱۹)

اختر ہوشیارپوری کے اس شعر کے مصرع دوم میں لفظ ''دھواں دھواں'' کی تکرار شعر میں خوبصورت صوتی آہنگ پیدا کر رہا ہے۔

اختر کلی کلی کو خبردار کر گیا
دیوانوں کا سلوک گل و نسترن کے ساتھ(۲۲۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ ''کلی کلی'' کا استعمال صنعتِ تکرارِ لفظی کو جنم دے رہا ہے جس سے شعر چمک اٹھا اور اس میں بے پناہ خوبصورتی در آئی ہے۔اسی طرح سے اختر ہوشیارپوری ایک اور شعر میں اس صنعت کا استعمال یوں کرتے ہیں کہ اختر ہوشیارپوری کی قادرالکلامی اور ان کی فنی پختگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔شعر ملاحظہ ہو:

نہ پوچھ حسرت و حرمان و یاس کا عالم
کہ رنگ شام محبت دھواں دھواں نکلا(۲۲۱)

اس شعر کے مصرع دوم میں بھی لفظ ''دھواں دھواں'' کا استعمال صنعت تکرار لفظی کا باعث بنا ہے۔اس کے استعمال سے شعر میں نہ صرف موسیقیت نے جنم لیا ہے بلکہ سے شعر میں روانی اور سلاست بھی در آئی ہے۔

صنعت مراۃالنظیر

اس صنعت سے مراد کلام میں ایسے الفاظ لانا جن کے معانی میں خاص مناسبت ہو مگر یہ نسبت تقابل اور تضاد کی نہ ہو۔پروفیسر انور جمال اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''مراعات النظیر'' اس صنعت کاری کا نام ہے جس کے ذریعے کلام میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن کے معنوں میں ایک خاص مناسبت اورتعلق ہو لیکن یہ مناسبت و تعلق تقابل و تضاد کے نہ ہوں۔دنیا کی کوئی شاعری اس صنعت سے گریز نہیں کر سکتی کہ شعر بغیر اس کے اول تو شعر نہیں ہوتا او راگر عروضی اصولوں کے تحت اسے شعر مان بھی لیا جائے تو وہ پر اثر اور پر جمال تخلیق نہیں ہو سکتی۔''(۲۲۲)

صنعت مراۃالنظیرمیں ایک شعر میں مختلف موضوعات کے تحت بات ہوتی ہے،لیکن ان میں جو الفاظ کا استعمال ہوتاہے۔وہ ایک ہی سلسلے کی کڑی ہوتی ہیں۔اختر ہو شیار پوری کے ہاں بھی صنعت مراعات النظیر کا استعمال ملتا ہے۔اس صنعت کا استعمال شاعر کے زودگوئی اور اس کی قادر الکلامی کو ثابت کرتی ہے۔

جبیں پہ گرد، دلوں میں خلش، لبوں پہ سکوت
غریبِ شہر کی صورت وطن سے گزرے ہیں (۲۲۳)

مذکورہ بالا شعر کے پہلے مصرع میں ''جبیں پہ گرد''''دلوں میں خلش'' اور پھر''لبوں پہ سکوت'' مضامین بچھائے گئے ہیں جب کہ دوسرے مصرع میں ''غریب شہر کی صورت'' کہہ کر ان تمام مضامین کو سمیٹ دیا گیا ہے۔یوں اس شعر میں صنعتِ مراۃ النظیر نے جنم لے لیا ہے۔صنعتِ مراۃ النظیر کی عمدہ شکل اس شعر میں بخوبی واضح ہوتی ہے۔

زخمِ جبیں، چاکِ قبا، جلتے علم، تپتی فضا
جو بھی مسافر ہے یہاں وہ نور کا مینار ہے(۲۲۴)

اس شعر کے پہلے مصرع میں چار اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسرے مصرعے میں ان کو سمیٹ کر صنعت مراۃ النظیر پیدا کر دی گئی ہے۔اس صنعت کا استعمال نہ صرف شعر کو خوبصورتی عطا کرتا ہے بلکہ شاعر کے وسعت مطالعہ اور مشاہدے کا بھی پتہ چلتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کسی ایک

صنف سخن کو اپنانے والے سے شاعر نہ تھے۔انہوں نے ہر ایک بڑی صنف کو آزمایا اور کامیاب ہوئے اور شاعری کے ہر معیار پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کی۔ان کی جہت الکثیری اس شعر سے معلوم ہوتی ہے۔

خزاں، قوس و قزح، برسات، اختر
کئی رنگ آملے ہیں آدمی میں (۲۲۵)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں ''خزاں''، ''قوس و قزح''، ''برسات''، ''اختر'' کے الفاظ برتے گئے ہیں جب کہ دوسرے مصرع میں ان الفاظ کو ایک خوبصورت پیکر میں ڈھال دیا گیا ہے۔

مٹی کاڈھیر کانچ کے ٹکڑے لہو کی بوند
کیا کیا نہ مجھ کو قرض یہاں مانگنا پڑا(۲۲۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں ''مٹی کا ڈھیر''،''کانچ کے ٹکڑے''، ''لہو کی بوند'' کو بکھیرا گیاہے۔جب کہ دوسرے مصرع میں ان تمام کو بڑی چابکدستی کے ساتھ سمیٹ دیا گیا ہے۔اس طرح اس شعر میں صنعت مراۃ النظیر کا اطلاق ہوا ہے۔

صنعتِ سیاقیہ الاعداد

اشعار میں گنتی کا کوئی عدد استعمال ہو جائے تو اسے سیاقیہ الاعداد کہا جاتا ہے۔ہارون الرشید اس حوالے سے کہتے ہیں:

''سیاقہ کے معنی روانی، چلانا او ر اعداد، عدد (گنتی) کی جمع ہے۔اگر کلام میں اعداد کا ذکر آئے تو اسے صنعت سیاقتہ الاعدادکہتے ہیں۔'' (۲۲۷)

اختر ہوشیار پوری نے بھی اپنی شاعری میں صنعت سیاقیہ الاعداد کا استعمال کیا ہے اور ان کے کافی اشعار میں یہ صنعت پوری ترتیب اور خوبصورتی میں برتی ہوئی نظر آتی ہے۔ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

میرے دامن میں ہیں سو(۱۰۰) چھید بھرے گا کیونکر
تم ہی آجاؤ یہاں نغمہ و نکہت جیسے(۲۲۸)

مذکورہ بالا شعر کے مصرع اولیٰ میں ''سو (۱۰۰)'' استعمال ہوا ہے گویا شعر میں صنعت سیاقیہ الاعداد کا اطلاق ہوا ہے۔شعر میں گنتی کے اعداد آنے سے یہ صنعت لاگو ہو جاتی ہے۔

ایک تصویر سرِ خاک اختر
سوچتا ہوں مرا پیکر کیا ہے (۲۲۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں گنتی کا عدد 'ایک' استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے شعر میں صنعت سیاقیہ الاعداد کی مثال واضح کرتا ہے۔

ایک ایک چراغ بجھتے دیکھا
اللہ رے حوصلے نظر کے(۲۳۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں گنتی کا ایک عدد ''ایک'' استعمال کیا گیا ہے جبکہ اس شعر کے پہلے مصرع میں ہی ''ایک ایک''کی تکرار صنعت تکرار لفظی کو بھی ظاہر کررہے ہیں یوں ایک شعر میں بیک وقت دو صنعتوں کا اطلاق ہوا ہے۔

یہ راہ جیسی بھی اختر ہے کٹ ہی جائے گی
کہ ایک میں ہوں مرے ساتھ دو فرشتے ہیں (۲۳۱)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں گنتی کا عدد ''دو (۲)'' برتا گیا ہے اگرچہ اسی دوسرے مصرع میں گنتی کا لفظ ''ایک'' بھی استعمال ہوا ہے گویا اس صنعت کی عمدہ مثال پیش کر رہا ہے۔

چھٹی حس تیسرے رخ سے ملی کیا
کہ اپنے آپ سے ڈر رہا ہوں (۲۳۲)

اس شعر کے پہلے مصرع میں گنتی کے دو عدد دو بار استعمال ہوئے ہیں پہلی مرتبہ ''چھٹی (۶)'' اور پھر اسی مصرع میں ''تیسرے(۳)'' کا عدد استعمال ہوا ہے یوں ایک مصرع میں دو دفعہ صنعت سیاقیہ الاعداد کا اطلاق ہوا ہے۔

اختر ہوشیارپوری کا ان صنعتوں کا بہت خوبصورتی اور انوکھے انداز میں اپنی شاعری میں استعمال کرنا اختر ہوشیارپوری کے وسیع مطالعہ، گہرا مشاہدہ، زود گوئی اور قادرالکلامی کا پتہ دیتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف فکری لحاظ سے اپنی شاعری میں رنگ برنگے موتی سجائے بلکہ فنی لحاظ سے بھی قیمتی نگینے جوڑے ہیں۔ گویا اختر ہوشیارپوری کا کلام فکری و فنی دونوں اعتبار سے ہمارے لیے قیمتی اثاثہ سے کم نہیں ہے جو کہ قاری کے لیے مفید معلومات اور باعث تسکین ہے۔

اختر ہوشیار پوری کی غزل معاصرین کی نظر میں

اختر ہوشیارپوری کی غزلیہ شاعری کے بارے میں اختر ہوشیارپوری کے معاصرین ادبا و نقاد کی آراء بہت اہمیت کی حامل ہیں۔جن سے اختر ہوشیارپوری کی غزل میں قادرالکلامی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید

ڈاکٹر انور سدید، اختر ہوشیارپوری کی غزلیہ مجموعہ ''جہت'' کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''جہت کی شاعری میں وقت کے ساتھ مقابلہ کرنے اور اس پر غالب آنے کا انداز نمایاں ہے۔ ان کی شاعری میں احتجاج کی ایک ہلکی سی لہر اور مزاحمت کا ایک مستقل رویہ بھی موجود ہے لیکن یہ مزاحمت کسی خاص عہد کی حکومت کے خلاف نہیں۔ان کے ہاں تو ایک بندۂ آزاد کی آواز ابھرتی ہے اور متاثر کرتی ہے۔''(۲۳۳)

احمد ظفر

احمد ظفر،اختر ہوشیارپوری کی غزل کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری کی غزلیں زندگی کے کسی پہلو کی بھی نمائندگی کریں ان کا اندازِ بیان سماعت پر گراں نہیں گزرتا۔ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ان کے اشعار محفل قافیہ پیمائی کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ اُن کے وسیع تجربے گہرے مشاہدے،اورزندگی کے رویوں کے آئینہ دار ہیں۔ ان کی غزلوں کے پس منظر پر ایک بھرپور نظر ڈالی جائے تویوں لگتا ہے جیسے وہ زندگی کے تاریک گوشوں سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔وہ فلسفی نہیں مگرایک فلسفۂ حیات کے نقش اس پس منظر میں جگمگاتے نظر آتے ہیں۔مذہب سے براہِ راست بظاہر ان کی وابستگی دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کے بھی رنگ اس پس ِ منظر میں ملتے ہیں۔ان تمام مشکل مرحلوں کے

باوجود انہوں نے اپنے فن کو فن ہی رہنے دیا۔اور کہیں وہ حد جو انہوں نے قائم کی ہے اس کو عبور نہیں کیا۔(۲۳۴)

اختر ہوشیارپوری کا کلام کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔وہ جدید رنگ تغزل کے گراں مایہ شاعر تھے اور بے حد تخلیقی ذہن رکھتے تھے۔الفاظ کی پیکرتراشی کا ہنر جانتے تھے۔ان کے کلام کے مطالعے سے قاری کو ایک تازگی اور جدید تر لہجے کا احساس، عصر حاضر کی نمائندگی کا سراغ اور روشن مستقبل کی نوید ملتی ہے۔

امین راحت چغتائی

امین راحت چغتائی اپنی رائے یوں قلمبند کرتے ہیں،وہ اپنے مضمون ''اختر ہوشیارپوری: نقاد شاعر''میں بتاتے ہیں:

''اختر گھن گھرج کا شاعر نہیں ہے۔وہ بنیادی طور پر غزل گو ہیں اور غزل وہ نازک صنفِ سخن ہے جو اس کے مزاج کو سمجھے بغیر شعر کہتا ہے یہ اسے اپنی بزم سے یوں اٹھا دیتی ہے کہ اہلِ بزم کا شکریہ ادا کرنے کی بھی مہلت نہیں دیتی چنانچہ اختر اس کے تمام تر تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اشعار کہتا ہے۔مگر اپنا تعقلی زاویہ بھی نظرانداز نہیں ہونے دیتا۔

غزل کا شاعر بالعموم دروں بین ہوتا ہے مگر اختر کی غزل خلوت سے جلوت کی طرف آنے کا پیغام دے رہی ہے۔اختر ''سمت نما''، میں معاشرے کے ایک ایسے نقادکے طور پر ابھرا ہے۔جو زندگی کی تمام تصویریں ان کے اصلی رنگوں میں پیش کرتا ہے۔جو معاشرے کی اجتماعی کوتاہیوں کو اپنے وسیع تجربے کی کسوٹی پر رکھ کر بے لاگ رائے دیتا ہے۔جو تنقید کو اظہار کا قرینہ بھی سیکھاتا ہے۔اور نئی نسل کو عہدِ نو کے تقاضوں کی تکمیل کا احساس بھی دلاتا ہے اور ہولے ہولے اپنے مشاہدے بھی منکشف کرتا جاتا ہے۔

اب خود کو چھپائیں کس طرح ہم
دیوارکو آنکھیں لگ گئیں ہیں

بہتر ہے کہ چپ رہے زمانہ
باتیں تو ہزار گفتنی ہیں(۲۳۵)

امین راحت چغتائی، اختر ہوشیارپوری کی غزل کے موضوعات کو تمام شعرا سے منفرد اور الگ سمجھتے ہیں۔انہوں نے اختر ہوشیارپوری کی شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا بھرپور انداز میں اظہار کیا ہے۔ایک اور جگہ وہ اختر ہوشیارپوری کی غزلیہ شاعری کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

''اختر صاحب کے مضامین غزل حلقے سے وابستہ تمام شعرا سے مختلف تھے اور آخر دم تک مختلف رہے۔ان کا نصف کلام آپ بیتی پر مشتمل ہے اور باقی نصف جگ بیتی پر۔اس میں ان کے عہد کا سیاسی ردعمل کہیں بلا واسطہ اور کہیں بالواسطہ پورے شعری وقار کے ساتھ جلوہ گر ہے۔''(۲۳۶)

اختر ہوشیارپوری کے کلام میں نئی تراش و خراش،نئی آب و تاب اور نیاآہنگ ملتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے کلام میں سادگی پائی جاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی غزلیں ان کی اپنی فکر اور احساس کا مظہر ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی

ڈاکٹر وحید قریشی اختر ہوشیارپوری کے متعلق کہتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری کے ہاں ذات کا نوحہ بھی ہے اور عصری صورتحال کا آئینہ بھی،ان کے ہاں منظر کی عکاسی کا رشتہ باطنی کوائف سے بھی ہے اور خارجی دنیا سے بھی، اس دوطرفہ تعلق کی بناء پر وہ نوجوان نسل کے شعراء سے الگ تھلگ ہیں۔عمر اور تجربے نے ان میں جذباتیت کی وہ رمق باقی نہیں رہنے دی جس کا شکار اکثر جدیدشعراء ہو جاتے ہیں۔وہ اپنے تجربے کو معروضی طور پر دیکھنے کی سکت رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے اُن کا تخلیقی جو ہر کھل کرسامنے آیا ہے۔وہ دورِ حاضر کے ایک منفرد غزل گو ہیں۔''(۲۳۷)

الفاظ کا موزوں استعمال شعر گوئی میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔اخترہوشیارپوری کے ہاں ترکیب سازی کم دیکھنے کو ملتی ہے لیکن اختر ہوشیارپوری نے روایت سے آئی ہو ئی تراکیب کو

خوبصورتی سے اپنے کلام میں برتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں روایت کی پاسداری نظر آتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے مروجہ الفاظ کا استعمال کرکے روایت کو نظرانداز نہیں کیا۔

مسعود قریشی

مسعودقریشی اس بات کا مفصل اظہار کرتے ہیں کہ:

> ''اختر ہوشیارپوری نے عام طور پر غزل کے مروّجہ الفاظ اور تراکیب سے احتراز نہیں کیا لیکن ان کی فضا اور ہے۔اخترؔ مروّجہ غزل سے آگے نہیں نکلا لیکن ان کی غزل میں نہ جانے کتنے افراد کی جھلک اور سوچوں کا عکس ہے۔''(۲۳۸)

اختر ہوشیارپوری کے ہاں تراکیب سازی، الفاظ کا موزوں استعمال اور اس کے علاوہ خیالات کی عمدگی بھرپورانداز میں ملتی ہے۔اختر نے نعت،نظم،سلام اور غزل میں طبع آزمائی کی ہے۔ان کا اندازِ بیان،ہر ایک صنف میں خوبصورت ہے۔اختر ہوشیارپوری روایت سے جڑے ہوئے جدیدیت کے عکاس شاعر تھے۔

اخترہوشیارپوری ایک وسیع النظر،وسیعِ ظرف اور فکر کے حوالے سے ہمیشہ ایک بلند تر سطح پر اپنے تجربے کا اظہار کرتے ہیں۔ان کے کلام میں کہیں بھی شدت نظر نہیں آتی۔

سید ضیاء جالندھری

سیدضیاء جالندھری،اختر ہوشیارپوری کے کلام کی ساخت اوران کے مضامین کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

> ''اختر ہوشیارپوری کے اشعار کی زبان، مصرعوں کی ساخت اور نفسِ مضمون سادہ اور واضح ہے۔اس کی نظم اور غزل اس کے اپنے ہی افکار اور احساسات کے مظہر ہیں لیکن اس کے دل کی باتوں میں ماحول کا کلچر اور وسیع امکانات بولتے ہیں۔''(۲۳۹)

احمد ظفر

اختر ہوشیارپوری کے کلام پر احمد ظفر اپنے خیالات کا اظہار ایک اور جگہ پر یوں کرتے ہیں۔خصوصاًان کی غزل کا تجزیہ اتنے دلفریب انداز میں کرتے ہیں کہ اخترہوشیارپوری کے کلام پر مجموعی تبصرہ ہو جاتا ہے۔

''اختر ہوشیارپوری جدید حسیات،رعنائیوں،ندرتوں،علامتوں اور جدید تغزل کی ایک اہم خوبصورت اور توانا آواز ہے۔اختر ہوشیارپوری کے پائے کی غزل کہنا اس عصر کے بہت کم شاعروں کے نصیب میں آیاہے۔وہ لفظوں کے پیکر تراشی کا ہنر جانتے ہیں۔''(۲۴۰)

اختر ہوشیارپوری کی غزلیں جدید حسیت کا عکاس ہیں۔اختر ہوشیارپوری اپنی زندگی کا ایک حساس کردار ہیں۔اس لئے ان کی شاعری مست جذبوں اور خیالات پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُن کے تجربات اور احساسات کی پیداوار ہے۔عصری زندگی کے حوالے سے اختر ہوشیارپوری کا کلام ایک مقام و حیثیت رکھتا ہے۔ان کا کلام تجربات وکیفیات پر زیادہ انحصار کرتا ہے۔جو کچھ محسوس کرتے ہیں وہ تحریر کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے کلام میں تجربات کو سمیٹا ہے۔اور انہیں خیالات کی بلندی اور گہرائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔درحقیقت اختر ہوشیارپوری کا کلام ایک پیغام ہے جو کہ ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے حال و مستقبل کو سنوارنے کا سبق دیتا ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنے اشعار میں کڑی سے کڑی ملا کر بات کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری شاعری میں جان ڈالنے کیلئے قوت متخیلہ سے کام لیتے ہیں۔وہ ماضی کے اندھیرے راستے سے گزرتے ہوئے ان ایام کی بازیافت کرتے ہیں جب لوگ ابتلا سے گزررہے تھے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں جہاں قوت متخّیلہ کا کمال ہے وہاں واقعات کی ترتیب سے ایک معنوی وحدت کی بھی تشکیل ہوتی ہے۔قدم قدم پہ جذبے،احساس،قربانی،مصائب اور گریہ و زاری کے مناظر پیش کرکے قارئین کی جذباتی سطحوں کو مسلسل چھوتے رہتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اپنے کلام میں خیالات و واقعات کو پروتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ایک تسلسل قائم رہتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے کلام میں خیال بندی اور مضمون بندی کمال کی ہے۔

عزیز ملک

عزیز ملک نے اختر ہوشیارپوری کی شخصیت اور کلام پر بے باک مضمون پیش کیا جو پڑھنے کے قابل ہے۔عزیز ملک، اختر ہوشیارپوری کے مجموعہ''علامت'' کا ایک شعر پیش کر کے اس کی توضیح کرتے ہوئے اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔شعر ملاحظہ ہو:

"زینبؓ کے کھلے سر کی طرح زیست کڑی ہے
جلتے ہوئے خیموں سے کوئی لے کے علم آئے

عزیز ملک اس شعر کی توضیح کرتے ہیں کہ اس شعر کو میں فکر و فن کی اساس قرار دیتا ہوں کیونکہ اس کا قلم مختلف رنگوں میں اس سوز دروں کا عکاس ہے جس کی جھلک اس نے کربلا والوں کے کردار و عمل میں پائی۔نئے انداز اور زمانے کے بدلتے ہوئے تیوروں کے باوجود اس نے اپنے مرکز کو نہیں چھوڑا۔وہ اپنے پیام کو عام کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

لوگ خوش ہیں کہ ملے پھول بھی پھل بھی ان کو
یہ نہیں دیکھتے اشجار کٹے ہیں کتنے"(۲۴۱)

افتخار عارف

افتخار عارف ان کی شاعری خصوصاً غزل کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"اختر صاحب نے زندگی کے آغاز میں ہی اپنا لوہا منوا لیا تھا۔زبان وبیان کی سب سطحوں پر ان کی دسترس قابل رشک اور مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ موضوعات کا ایسا تنوع ہے کہ جس سے فکر و خیال میں نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔جدید تر احساس نے ان کی غزل کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔"(۲۴۲)

قمر رعینی

قمر رعینی کی اختر ہوشیارپوری کے بارے میں یوں رائے ہے:

"اختر صاحب کلاسیکی شاعر ہونے کے باوجود جدید اندازِ فکر اور طرز بیان کی نمائندگی کرتے ہیں ان کی غزلوں میں زندگی جھلکتی ہے"(۲۴۳)

ڈاکٹر رشید امجد

ڈاکٹر رشید امجد، اختر ہوشیارپوری کی غزل کے بارے میں یہ رائے دیتے ہیں:

"اختر ہوشیارپوری غزل کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں ان کی ذات اور معاشرہ مختلف زاویوں سے منعکس ہوا ہے۔داخلی تردّد، بے چینی اور خارجی تشویش اور وحشت سبھی رویے ان کے یہاں شعر میں ڈھلے ہیں۔"(۲۴۴)

شبنم شکیل

شبنم شکیل، اختر ہوشیارپوری کی لفظیات اور تغزل کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

''ان کے ہاں Modern Sensibilityجدید ترین لفظیات کے ساتھ موجود ہے اور روایت کا گہرا رچاؤ بھی، کہ تغزل کی جان ہے۔''(۲۴۵)

کرنل ریٹائرڈ سید مقبول حسین

کرنل ریٹائرڈ سید مقبول حسین ان کی غزل کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

''غزل میں ان کی شاعری وسیع تر مفاہیم کا احاطہ کرتی ہے۔وہ اپنے عہد کے کامیاب اور قابل ذکر شاعروں میں سے ایک ہیں۔''(۲۴۶)

فرخندہ شمیم

فرخندہ شمیم، اختر ہوشیارپوری کے اسلوب اور لفظی تراکیب کو ان کی شاعری کا حسن قرار دیتی ہیں۔وہ ان کی شاعری کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

''اختر ہوشیارپوری افق شعر و ادب پر واقعتاً کسی اختر کی طرح ہیں اور غزل کی روایت کو پورے وقار اور اسلوب کی چاشنی کے ساتھ برتنے والوں میں اختر ہوشیارپوری نمایاں ہیں۔لفظی تراکیب میں نئے تجربے اور ان کے اشعار میں آتے ہیں۔اسلوب کہیں سادہ اور کہیں مرصع ہے جس سے ان کا ڈکشن متنوع ہو گیا ہے۔''(۲۴۷)

حکیم سروسہارنپوری

حکیم سروسہارنپوری، اختر ہوشیارپوری کے قریبی دوستوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔انہوں نے اختر ہوشیارپوری کا کلام سنا بھی پڑھا بھی اور ان کو قریب سے دیکھا بھی۔انہوں نے اختر ہوشیارپوری پر بہت سے مضامین بھی تحریر کیے۔اختر ہوشیارپوری کے کلام کے حوالے سے انہوں نے ایک جگہ پر یوں رائے دی۔

''اردو غزل کی قدیم روایات میں ایک چیز کو سہل ممتنع کہتے ہیں مجھے اختر صاحب کا سارا کلام سہل ممتنع لگتا ہے۔''(۲۴۸)

منیر احمد شیخ

منیر احمد شیخ کے نزدیک اردو غزل کے سنوارنے میں جو مقام اختر ہوشیارپوری کا ہے وہ قابل ہے۔اس حوالے سے منیر احمد شیخ اپنے ایک مضمون میں ایسے لکھتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری ان شعرا کی فہرست میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔جنھوں نے گیسوئے غزل کو سنوارنے میں حسن تخیل کے ساتھ ساتھ زبان و بیاں کی خوبیوں سے بھی کما حقہ کام لیا۔''(۲۴۹)

جبار مرزا

جبار مرزا، اختر ہوشیارپوری کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں یوں آراء پیش کرتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری گزشتہ ستاون سال سے دنیائے شعر و ادب سے وابستہ ہیں انہوں نے نظمیں بھی لکھیں، مگر غزل ان کی پسندیدہ صنف سخن ہے، آئینہ، آگ، تندوتیز ہوا اور پتھر کے الفاظ ان کی شاعری میں بکثرت پائے جاتے ہیں غالباً ان کے ادراک پر جو خارجی نقوش مربوط ہوئے یہ ان کا علامتی اظہار ہے تاہم یہ الفاظ بار بار استعمال ہونے کے باوجود بھی طبیعت پر گراں نہیں گزرتے اس لیے کہ ہر بار یہ نئے مفہوم کے ساتھ ادا ہوتے ہیں اور یہی اختر ہوشیارپوری کی غزل کا حسن ہے ان کے کلام میں یاسیت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔''(۲۵۰)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں بیک وقت بہت سے موضوعات کے ساتھ ساتھ جدت پسندی، فکر کی گہرائی اور خیال میں ندرت و روانی بھی کمال درجے کی ملتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی غزل ان کی پوری زندگی کی عکاسی کرتے نظر آتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے تمام شاعری میں اپنا الگ مخصوص رویہ اپنائے رکھا۔

ڈاکٹر رشید نثار

ڈاکٹر رشید نثار اختر ہوشیارپوری کی غزل کے بارے میں یوں کہتے نظر آتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری کی مکمل زندگی کی عکاسی اس کی غزل اور ایک مخصوص بحر ہے۔اسے ہم امتیازی درجہ دیں تو شاید غلط نہ ہو گا کہ اختر ہوشیارپوری تمام عرصہ شاعری میں اپنے دل کی دھڑکنیں سنتا رہا۔''(۲۵۱)

اختر ہوشیارپوری کا شمار ان غزل گو شعرا میں ہوتا ہے جن کا کلام مختلف حوالوں سے انتخاب میں آتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کا کلام نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد کے سالانہ کیلنڈر کے لیے بھی منتخب ہوا اور ۲۰۱۶ء میں نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے شائع ہونے والے"غزل کیلنڈر" میں ان کی ایک غزل شامل ہوئی جو کہ اپنے اندر صد رنگ لیے ہوئے ہے۔یہ غزل پڑھنے میں آنکھوں کو تازگی بخشتی ہے اور سننے سے کانوں میں رس گھولتی ہے۔بعد میں اسی ادارے نے کیلنڈر میں شامل شدہ ۳۶۵ شعراء کی ۳۶۵ غزلیات کو کتابی شکل دے کر "غزل اثاثہ" کے نام سے کتاب بھی شائع کی ہے۔یہ کتاب ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئی۔اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ رنگِ تمنا ہے کہ صد رنگ ہوا ہوں
دیکھو تو نظر ہوں جو نہ دیکھو تو صدا ہوں
یا اتنا سبک تھا کہ ہوا لے اڑی مجھ کو
یا اتنا گراں ہوں کہ سرِ راہ پڑا ہوں
کب دھوپ چلی، شام ڈھلی، کس کو خبر ہے
اک عمر سے میں اپنے ہی سائے میں کھڑا ہوں
(۲۵۲)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی غزل میں کبھی نہ بھولنے والی شعری تصویریں اور پیکر بنائے ہیں۔اخترہوشیارپوری اپنی تخلیقی تازہ کاری سے قاری کوپوری طرح اپنی شعری اور فکری گرفت میں لے لیتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری کی حرکت کے استعارے،سفر،روشنی اور محبت ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ رفیع الدین ہاشمی ڈاکٹر،''اصناف ادب''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۱ء، ص۳۰

۲۔ ایضاً،ص۳۰

۳۔ ضیاالحسن،ڈاکٹر، ''غزل اور غزل کی تنقید''، مشمولہ:ششماہی''مخزن''،مدیر:وحید قریشی،ڈاکٹر، لاہور، جلد۷،شمارہ ا۔۲۰۰۷ء۔ص۲۳

۴۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ''ادبی اصلاحات کا تعارف''،اسلوب،لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۵۴

۵۔ خالد علوی، ڈاکٹر،''پاکستان میں غزل کے چند اہم رجحانات''، اُردو اکامی، دہلی،۱۹۹۴، ص۱۵۵

۶۔ گلزار جاوید،''براہ راست''،مشمولہ:ماہنامہ''چہارسو''، راولپنڈی،جلد۶،شمارہ مئی۱۹۹۳ء، ص۹

۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''، مونال پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۱ء،ص ص۱۹،۱۸

۸۔ ایضاً، ص ۲۰

۹۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ادبی اکیڈمی، راولپنڈی، ۱۹۷۸ء، ص۱۹

۱۰ اختر ہوشیارپوری، ''حرف ہنر''، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۵

۱۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''پیش آہنگ''، مونال پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۰ء، ص۱۱۴

۱۲۔ اختر ہوشیار پوری، ''علامت''، ص ۵۱

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۱

۱۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''آئینہ اور چراغ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء،ص ۱۵

۱۵۔ اختر ہوشیار پوری، ''علامت''، ص ۸۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۰۴

۱۷۔ اختر ہوشیارپوری،'پیش آہنگ''، ص ۶۳

۱۸۔ ایضاً، ص ۶۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۸۴

۲۰۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۲

۲۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''، ص ۳۳

۲۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''پیش آہنگ''، ص ۹۷

۲۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''، ص ۴۲

۲۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''پیش آہنگ''، ص ۵۶

۲۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''شہر حرف''، ص ۷۶

۲۶۔ ایضاً، ص ص ۷۷،۷۶

۲۷۔ ایضاً، ص ص ۷۹،۷۸

۲۸۔ ایضاً، ص ص۸۳،۸۲

۲۹۔ ایضاً،۸۴

۳۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''سمت نما''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲، ص۵۸

۳۱۔ ایضاً، ص۴۱

۳۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''جہت''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶، ص۳۵

۳۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ص۹۹

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۲۱

۳۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''شہرحرف''، ص ۱۲

۳۷۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''، ص ۷۹

۳۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''آئینہ اور چراغ''، ص ۱۲

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۱

۴۰۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص ۹۹

۴۱۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، ص ۷۸

۴۲۔ ایضاً، ص ۵۸

۴۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''شہر حرف''، ص ٦۸

۴۴۔ نجیبہ عارف(انتخاب)،''اصغر گونڈوی(منتخب کلام)''، نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص۳۵

۴۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''پیش آہنگ''، ص ص۸٦،۸۵

۴٦۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، ص۹۱

۴۷۔ ایضاً، ص۹۲

۴۸۔ ایضاً، ص۱۸۳

۴۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''جہت''، ص۹۷

۵۰۔ ایضاً، ص۱۹۵

۵۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''تنگنائے غزل''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص۴۱

۵۲۔ ایضاً، ص۱۱۳

۵۳۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، کتاب ساز پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء،ص۲۳

۵۴۔ اختر ہوشیارپوری،''پیش آہنگ''، ص۵۸

۵۵۔ اختر ہوشیارپوری،''مسافتیں''، ص۳۷

۵۶۔ الطاف حسین حالی، خواجہ،''کلیات حالی''،ترتیب و تدوین:خواجہ محمد زکریا،الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۹۸

۵۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ص۱۵۷

۵۸۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، ص۱۳۴

۵۹۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۳۲

۶۰۔ اخترہوشیارپوری،''سمت نما''، ص ۶۶

۶۱۔ اختر ہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء،ص۸۷

۶۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''حرف ہنر''، ص۱۳۰

۶۳۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۶۴۔ اختر ہوشیاپوری،''تنگنائے غزل''، ص۴۹

۶۵۔ ایضاً، ص ۵۵

۶۶۔ ایضاً، ص۶۱

۶۷۔ اختر ہوشیارپوری، حرف اوّل، مشمولہ''تنگنائے غزل''، ص ۱۱

۶۸۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، ص۱۷

۶۹۔ ایضاً، ص۲۳

۷۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ص۲۹

۷۱۔ ایضاً، ص۲۹

۷۲۔ ایضاً، ص۳۰

۷۳۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''، ص۱۷

۷۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''تنگنائے غزل''، ص۱۰

۷۵۔ اختر ہوشیارپوری''، شہر حرف''، ص۱۷۹

۷۶۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ''آئینہ اور چراغ'' فلیپ

۷۷۔ اختر ہوشیارپوری، پیش لفظ، ''شہر حرف''، ص ۹

۷۸۔ ایضاً، ص۱۶

۷۹۔ ایضاً، ص۲۸

۸۰۔ اختر ہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''، ص۱۳

۸۱۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، ص۷۹

۸۲۔ اختر ہوشیارپوری''، مسافتیں''، ص ص ۱۰۵،۱۰۴

۸۳۔ ایضاً، ص ص ۱۰۵،۱۰۴

۸۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''آئینوں کے ساتھ''، ص۳۷

۸۵۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، ص ص۴۱،۴۰

۸۶۔ ایضاً، ص۴۵

۸۷۔ ایضاً، ص ص۱۹۵،۱۹۴

۸۸۔ ایضاً، ص۸۹

۸۹۔ عائشہ سلام،''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)''، ص ص۳۲،۳۱

۹۰۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص ۵۹

۹۱۔ ایضاً، ص۱۱۳

۹۲۔ ایضاً، ص۱۱۸

۹۳۔ ایضاً، ص۱۲۷

۹۴۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، ص ص۲۵،۲۴

۹۵۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۹۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''گئی رات کے خواب''، ص ۱۴۱

۹۷۔ ایضاً، ص ص۱۵۷،۱۵۶

۹۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''آئینوں کے ساتھ''، ص۱۹

۹۹۔ ایضاً، ص۲۹

۱۰۰۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۱۰۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ص۱۴۷

۱۰۲۔ ایضاً، ص۱۴۸

۱۰۳۔ ایضاً، ص۱۵۳

۱۰۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''جہت''، ص۱۴۷

۱۰۵۔ ایضاً، ص۱۴۶

۱۰۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''سمت نما''، ص ۱۶۱

۱۰۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''حرف ہنر''، ص۱۸۵

۱۰۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''شہر حرف''، ص۲۴۷

۱۰۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''آئینہ اور چراغ''، ص۱۱۵

۱۱۰۔ ایضاً، ص۵۹

۱۱۱۔ ایضاً، ص۱۶۳

۱۱۲۔ ایضاً، ص۱۶۴

۱۱۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''جہت''، ص۱۴۵

۱۱۴۔ ایضاً، ص۱۷۱

۱۱۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ص۳۲

۱۱۶۔ ایضاً، ص۵۵

۱۱۷۔ ایضاً، ص۱۱۶

۱۱۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''شہر حرف''، ص۱۷۷

۱۱۹۔ ایضاً، ص۱۹۰

۱۲۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''سمت نما''، ص۱۳۲

۱۲۱۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، ص۳۷

۱۲۲۔ ایضاً، ص۴۱

۱۲۳۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۷۵

۱۲۴۔ ایضاً، ص ص ۷۸،۷۷

۱۲۵۔ ایضاً، ص۶۳

۱۲۶۔ ایضاً، ص۴۹

۱۲۷۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۴۶

۱۲۸۔ ایضاً، ص۵۵

۱۲۹۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، ص ص۳۱،۳۰

۱۳۰۔ اختر ہوشیارپوری،''پیش آہنگ''، ص۱۰۰

۱۳۱۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۳۲۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۹۰

۱۳۳۔ ایضاً، ص۸۲

۱۳۴۔ ایضاً، ص۹۲

۱۳۵۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، ص ص۱۲۱،۱۲۰

۱۳۶۔ اختر ہوشیارپوری،''پیش آہنگ''، ص۸۹

۱۳۷۔ اختر ہوشیارپوری،''تنگنائے غزل''، ص۵۷

۱۳۸۔ ایضاً، ص۶۳

۱۳۹۔ اختر ہوشیارپوری،''حرف ہنر''، ص۵۳

۱۴۰۔ ایضاً، ص ص۱۵۸،۱۵۷

۱۴۱۔ ایضاً، ص ص۵۸،۵۷

۱۴۲۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص ۱۱۱

۱۴۳۔ ایضاً، ص۱۲۶

۱۴۴۔ ایضاً، ص۱۴۳

۱۴۵۔ ایضاً، ص۱۵۹

۱۴۶۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، ص۵۹

۱۴۷۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، ص۲۱۰

۱۴۸۔ ایضاً، ص۲۴۸

۱۴۹۔ اختر ہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''، ص۱۱۳

۱۵۰۔ ایضاً، ص۱۲۳

۱۵۱۔ اختر ہوشیارپوری،دیباچہ،''جہت''، ص۱۵

۱۵۲۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۳۵

۱۵۳۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، ص ص۲۶،۲۵

۱۵۴۔ ایضاً،ص۶۶

۵۵۱۔ ایضاً،ص۸۷

۱۵۶۔ ایضاً،ص۲۳۹

۱۵۷۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، ص۱۴۲

۱۵۸۔ اختر ہوشیارپوری،''حرف ہنر''، ص۱۲۹

۱۵۹۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۱۵۸

۱۶۰۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، ص۸۷

۱۶۱۔ ایضاً،ص۸۸

۱۶۲۔ انور جمال، پروفیسر،ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص۳۵

۱۶۳۔ انور ضیا مشتاق، عرض ناشر ''گئی رات کے خواب''، ص۱۰

۱۶۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''تنگنائے غزل''، ص۵۷

۱۶۵۔ اختر ہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''، ص۱۴۱

۶۶۱۔ ایضاً، ص۱۰۲

۱۶۷۔ ایضاً، ص۱۱۴

۱۶۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''، ص۴۸

۱۶۹۔ افتخار عارف،''اختر ہوشیارپوری.....آرا اور تاثرات''،ماہنامہ''وائس آف رائٹرز''، راولپنڈی، مارچ تا اپریل۲۰۰۹ء، ص ۳

۱۷۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''تنگنائے غزل''، ص ۷۷

۱۷۱۔ ایضاً، ص۸۱

۱۷۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''، ص۸۰

۱۷۳۔ شبنم شکیل، ماہنامہ وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، ص۳

۱۷۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''،ص۹۶

۱۷۵۔ اختر ہوشیارپوری،''تنگنائے غزل''، ص۱۰۲

۱۷۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''، ص۹۲

۱۷۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''مسافتیں''، ص ۹۱

۱۷۸۔ نجمہ حمید کھوکھر، مضمون''اختر ہوشیارپوری ایک نابغہ روزگار شخصیت''، مشمولہ:''جناب اختر ہوشیارپوری (حیات و خدمات)''،ص۳۰۲

۱۷۹۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''،ص ص۴۶،۴۵

۱۸۰۔ ایضاً، ص۸۴

۱۸۱۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''،ص۹۳

۱۸۲۔ ایضاً، ص۹۳

۱۸۳۔ ایضاً، ص۱۰۳

۱۸۴۔ ایضاً، ص۶۹

۱۸۵۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، ص ۷۵

۱۸۶۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''، ص۶۲

۱۸۷۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۳۱

۱۸۸۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۳۴

۱۸۹۔ اختر ہوشیارپوری،''مسافتیں''، ص۷۹

۱۹۰۔ انور جمال، پروفیسر،''ادبی اصطلاحات''، ص۳۷

۱۹۱۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''، ص۱۰۳

۱۹۲۔ ایضاً، ص۷۱

۱۹۳۔ انور جمال، پروفیسر،''ادبی اصطلاحات''، ص۶۰

۱۹۴۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''، ص۱۷

۱۹۵۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۳۳

۱۹۶۔ انور جمال، پروفیسر، ''ادبی اصطلاحات''، ص۸۲

۱۹۷۔ عابد علی عابد،''البدیع''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء،ص۴۲

۱۹۸۔ اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، ص۵۱

۱۹۹۔ ''اردو انسائیکلو پیڈیا''، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۴ء،ص ۵۸۷

۲۰۰۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۲۹

۲۰۱۔ سید قاسم محمود، ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا''، جلد دوم، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۸ء،ص۱۵۸۴

۲۰۲۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص ۶۱

۲۰۳۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۵۸

۲۰۴۔ سید قاسم محمود، ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا''، جلد دوم، ص۱۵۱۶

۲۰۵۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۹۹

۲۰۶۔ ''اردو انسائیکلو پیڈیا''، ص۱۴۷

۲۰۷۔ محمد عبداللہ خاں، خویشگی،''فرہنگ عامرہ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء،ص۳۷

۲۰۸۔ شان الحق حقی،''فرہنگ تلفظ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۳۷

۲۰۹۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۸۶

۲۱۰۔ ایضاً، ص۳۷

۲۱۱۔ یوسف حسین خاں، ڈاکٹر، ''اردو غزل''، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۶۴ء،ص ۲۴۸

۲۱۲۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۲۲

۲۱۳۔ ایضاً، ص ۲۳

۲۱۴۔ ایضاً، ص ۴۲

۲۱۵۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۳۷

۲۱۶۔ ایضاً، ص ۷۷

۲۱۷۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۹۱

۲۱۸۔ اختر ہوشیارپوری،''حرف شہر''، ص۲۰

۲۱۹۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۲۹

۲۲۰۔ اختر ہوشیارپوری،''مسافتیں''، ص۶۸

۲۲۱۔ ایضاً، ص ۴۱

۲۲۲۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، ص۸۲

۲۲۳۔ اختر ہوشیارپوری،''مسافتیں''، ص۹۸

۲۲۴۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، ص۲۴

۲۲۵۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۷۹

۲۲۶۔ اختر ہوشیارپوری،''علامت''، ص۹۷

۲۲۷۔ ہارون الرشید تبسم، ''ادبی اصطلاحات''، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۷ء،ص۷۵

۲۲۸۔ اختر ہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''، ص۷۰

۲۲۹۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، ص۵۱

۲۳۰۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۷۶

۲۳۱۔ ایضاً، ص۱۴

۲۳۲۔ ایضاً، ص۵۷

۲۳۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، مضمون''جہت''، مشمولہ: ماہنامہ اوراق، لاہور،مدیران:وزیر آغا، سجاد نقوی، جولائی۔اگست۱۹۹۶ء،خاص نمبر،جلد:۳۱شمارہ: ۷،۸، ص۴۰۰

۲۳۴۔ احمد ظفر، مضمون''سمت نما''، مشمولہ: ماہنامہ اوراق، لاہور،مدیران: وزیر آغا، سجاد نقوی، جولائی۔اگست ۱۹۹۴ء،خاص نمبرجلد:۲۹، شمارہ: ۷،۸، ص۴۳

۲۳۵۔ امین راحت چغتائی، مضمون''اختر ہوشیارپوری:نقاد شاعر''، مشمولہ: ماہنامہ اوراق، لاہور، مدیران: وزیرآغا،سجاد نقوی،جولائی۔اگست۱۹۹۴ء،خاص نمبر جلد:۲۹، شمارہ ۷۔۸، ص۵۰تا۵۲

۲۳۶۔ امین راحت چغتائی،''اخترہوشیارپوری۔آراء اورتاثرات''،ماہنامہ وائس آف رائٹرز، راولپنڈی،ص۳

۲۳۷۔ رشید نثار، ڈاکٹر، ''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اور فن)''،ص۱۷۰

۲۳۸۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۳۹۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۲۴۰۔ احمد ظفر، مشمولہ ''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اور فن)''،ص۱۷۲
۲۴۱۔ عزیز ملک، مشمولہ''اختر ہوشیارپوری (شخصیت اور فن)''، ص۱۸۱
۲۴۲۔ ماہنامہ وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، ص ۳
۲۴۳۔ ایضاً، ص ۳
۲۴۴۔ رشید امجد، مشمولہ:''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اور فن)''، ص۱۷۳
۲۴۵۔ ایضاً، ص۱۷۳
۲۴۶۔ ماہنامہ وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، ص ۳
۲۴۷۔ ایضاً،ص ۳
۲۴۸۔ سروسہارنپوری،حکیم، ''اختر ہوشیارپوری۔آراء اور تاثرات''،مشمولہ:ماہنامہ وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، ص ۳
۲۴۹۔ منیر احمد شیخ،مضمون:''اخترہوشیارپوری کی شاعری''، مشمولہ:سالنامہ نیرنگ خیال، مدیر:سلطان رشک، راولپنڈی، ۲۰۰۵ء، جلد۸۱، شمارہ ۷، ص۴۵
۲۵۰۔ جبار مرزا، مضمون:''پاکستان ہمارے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے''، مشمولہ سالنامہ نیرنگ خیال، راولپنڈی، ص۴۷۹
۲۵۱۔ رشید نثار، ڈاکٹر، ''اختر ہوشیارپوری (شخصیت اور فن)، ص۵۹
۲۵۲۔ محبوب ظفر(مرتب)،''غزل اثاثہ''،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،۲۰۱۷ء،اشاعت دوم، ص۵۰

باب سوم

اختر ہوشیار پوری بحیثیت نعت گو

باب سوم

اختر ہوشیار پوری بحیثیت نعت گو

اس کرہ ارض پر کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔یوں تو ہر پیغمبر خدا کا داعی، مبشر اور نذیر بن کر آیا مگر کل صفتیں تمام کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔لیکن وہ جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراج المنیر سب کچھ بیک وقت جسکی زندگی میں ظاہر ہوا وہ ذات صرف حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات تھی۔آپ ﷺ کی آمد سے لے کر آج تک جو بھی آپ کی توصیف و تعریف میں نظمیہ انداز میں لکھا گیا وہ نعت کہلایا۔

نعت کی اصطلاح و مفہوم

سب سے پہلے ہم نعت کے معنی و مفہوم کو واضح کریں گے۔

نور اللغات میں نعت کے معنی و مفاہیم کچھ یوں بیان کئے گئے ہیں۔

''نعت کا لفظ عربی اسم مؤنث ہے جس کا مادہ ''ن، ع، ت'' ہے۔نور الغات میں نعت کے معنی ''و صف'' کے بتائے ہیں یہ لفظ آنحضور ﷺ کی ستائش و ثنا کے لئے مخصوص ہے۔''(۱)

فرہنگِ آصفیہ میں نعت کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

''نعت کے معنی صفت و ثناء، تعریف و توصیف اور مدح کے ہیں لیکن ان کا خاص استعمال، آنحضرت ﷺ کی تعریف کے لیے ہے۔''(۲)

نسیم الغات میں نعت کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

نعت کے معنی ہیں نظم میں حضور اکرم ﷺ کی تعریف۔''(۳)

فیروز الغات میں نعت کے معنی کچھ یوں ہیں۔

''رسول ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار نعت ہیں۔'' (۴)

اصطلاح میں حضور نبی کریم ﷺ کی تعریف اور صفات شاعری میں کو بیان کرنا نعت کہلاتا ہے۔ اللہ کے نبیﷺ سے محبت اور عشق کا اظہا رشعری انداز میں کرنا ہی دراصل نعت کے زمرے میں آتا ہے اس سلسلے میں ڈاکٹرفرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''ادبیات اور اصطلاحات شاعری میں نعت کا لفظ اپنے مخصوص معنی رکھتا ہے یعنی اس سے صرف حضور اکرم ﷺ کی مدح مراد لی جاتی ہے اگر آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے بزرگ یا صحابی و امام کی تعریف بیان کی جائے تو اسے منقبت کہیں گے۔''(۵)

قرآن پاک میں رحمت العالمین، نورِ محمد، دو جہان، سراج المنیر، رہبر بر زمان، حبِ رسول، معلم انسانیت، رسولِ عدل،شفاعتِ رسول، رخِ مصطفی کی قسم جیسے مضامین مختلف جگھوں پر نعت کی صورت میں نازل ہوئے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ پورا قرآن پاک آپﷺ کی تعریف و توصیف سے مزّین ہے۔لغوی معنی اور مفاہیم کی وسعت کے باوجود اصطلاحی طور پر نعت کا لفظ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی اور صفات حمیدہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ڈاکٹر ریاض مجید نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ نعت کا لفظ آپ کی بعثت و ولادت سے پہلے زمانے میں بھی استعمال ہوتا تھا۔مستند مفسرین نے یہودیوں کی یہ دعا یہ عبادت نقل کی ہے۔

''الھم انصرنا یا النبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعتہ و صفتہ فی التوارۃ''(۶)

''اے اللہ! ہماری مدد فرما اس نبی کے وسیلے جو آخر زمانے میں بھیجے جائیں گے جن کی نعت و صف ہم توریت میں پاتے ہیں''

نعت حقیقت میں ایک مومن مسلمان کی خاتم المرسلین ﷺکی ذات سے عقیدت اور محبت ہے۔یوں اگر ہم دیکھیں تو پورا قرآن پاک آپﷺ کی محبت اور عقیدت سے بھرا پڑا ہے۔جگہ جگہ آپﷺ کی تعریف کا اظہار ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب میں نعت کا مفہوم کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

''نعت وہ صنف نظم ہے جس میں رسول پاکﷺ کی صفات اخلاق اور شخصی حالات وغیرہ کا بیان ہو اور آپ ﷺ کی ہمہ پہلو مدح کی جاتی ہے''(۷)

نعت گوئی دراصل سنتِ خداوندی ہے۔گو کہ نعت کا موضوع اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے مگر اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔اس میں تھوڑی سی بے احتیاطی انسان کو بلندیوں سے دھکیل کر پستیوں میں لا کھڑا کرتی ہے۔بعض اوقات شعر اء صفاتِ نبیﷺ بیان کرتے ہوئے مبالغہ آرائی سے کا م لیتے ہیں اور یوں خالق و مخلوق کے فرق سے رو گردانی کرکے شرک کے گناہ عظیم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔اس سے اجر و ثواب کے بجائے گناہ کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے اور یہ بات ایمان کے لے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔اس حوالے سے مولانا تقی عثمانی یوں کہتے ہیں:

''ہر وہ شعر جو شرک کی ادنیٰ سی بو لیے ہو جس میں حضور ﷺ کی طرف خدائی صفات منسوب کی گئی ہوں یا اس کا کوئی شبہ بیدار ہوتا ہو وہ در حقیقت نعت نہیں ہے سرکار دو عالم کے ساتھ (معاذ اللہ) بغاوت ہے۔''(۸)

نعت گوئی میں کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا جو آپﷺ کی شایان شان نہ ہو تو وہ دراصل اپنے اعمال کو اکارت کرنے کے مترادف ہے۔ادب و احترام اور عشق و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لئے صیغہ واحد استعمال نہ کیا جائے یعنی تو، تم، اس اور تمہارا کی جگہ آپ اور اُن جیسے الفاظ کا استعمال کرنے چاہییں۔نعت گو شعراء کو چاہیئے کہ وہ ہر حال میں ایسے الفاظ سے اجتناب کریں جن سے آپﷺ کی ذات سے عقیدت میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہو۔اور ان کی شان میں کوئی فرق پڑتا ہو۔بعض اوقات شعراء جدّت خیال اور ندرت کے چکر میں ایسے اشعار کہہ جاتے ہیں جو دنیاوی محبوب کی تعریف کے معیار پر بھی بمشکل پورے اترتے ہیں۔نعت میں ایسے الفاظ، تشبیہات، تراکیب اور استعارات جو مجازی محبوبان کی تعریف و توصیف کے لئے رائج ہوں۔حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت کے خلاف ہی نہیں بلکہ گستاخی کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر ریاض مجید کہتے ہیں:

"یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں نے تمام محبوب کی جگہ رسول اللہ ﷺ کا نام رکھ دیا ہے فرق صرف محبوبان کے ناموں میں ہے شخصیت میں نہیں۔(۹)

قرآن مجید کے بعد ہمیں احادیث مبارکہ کے گلشن میں بھی نعت کے پھول شگفتہ انداز میں کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔یہ ایک ایسا عمل ہے جو اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ کائنات قائم رہے گی۔آپﷺ کی حمد ثناء اور تعریف و ستائش ہر دور میں ہوتی رہی ہے اور ہر دور میں ہوتی رہے گی۔ڈاکٹر عاصی کرنالی ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں۔

"حضور اکرم ﷺ کا ناعت اوّل اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن الٰہی حضور ﷺ کا ناعت نامہ ہے تمام انبیاء اور رسل علیہ السلام نعت گویانِ محمد ﷺ ہیں۔"(۱۰)

اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری

نعت ایک ایسا گلدستہ ہے جو عقیدت کے گلہائے رنگا رنگ سے مزّین ہے۔نعت گو شعراء نے ایسے ایسے جواہر بے بہا تخلیق کیے ہیں کہ ہر ایک جوہر اپنی مثال آپ ہے۔بنیادی طور پر نعتیہ شاعری نبی اکرم ﷺ کے ظاہری و باطنی شمائل پر عبارت ہے۔بعد ازاں نعت کی مختلف جہات تخلیق ہوتی گئیں۔خصوصی طور پر نبی آخر الزماں ﷺ کے سیرت و کردار کو موضوع بنایا گیا۔اسوۂ حسنہ کے تذکرے ہوئے اور پھر عہد نبوی ﷺ کے کوائف و واقعات سے نعت کے گلستان کی آرائش و زیبائش ہوئی۔

اردو میں نعت گوئی کی روایت اتنی طویل نہیں ہے۔مگر جب اردو میں مختلف اصناف شعر میں طبع آزمائی ہونے لگی تو ہر صنف میں اردو کے بہت عمدہ اور اچھی شاعری کرنے والے شعرا میسر آئے۔جہاں غزل فارسی ادب سے اردو میں آئی اور اردو ادب کی مقبول ترین صنف شعر بن گئی وہیں نعتیہ شاعری میں بھی ہر غزل گو اور نظم گو شاعر نے طبع آزمائی کی اور انہوں نے نعت گوئی میں عقیدت کے رنگ بکھیرے۔رفتہ رفتہ کچھ شعرا نے خاص طور پر صرف نعت گوئی میں طبع آزمائی کی اور بطور نعت گو ناموری حاصل کی۔اس حوالے سے نعت گوئی میں بہت سے شعرا کے نام قابل ذکر ہیں۔مثلا ظفر علی خاں، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری، اسماعیل

میرٹھی، حفیظ تائب، ڈاکٹر ریاض مجید، امین راحت چغتائی اور عاصی کرنالی کے علاوہ بہت سے شعرا نے نعت گوئی میں طبع آزمائی کی اور اردو ادب کو کئی نعتیہ مجموعے دیے۔انھی شعرا میں اختر ہوشیارپوری کا نام بھی آتا ہے۔جنھوں نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا اور بطور نعت گو شاعر بھی نمایاں ہوئے۔اختر ہوشیارپوری نے نعت کے میدان میں مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے اور آپ ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

گو کہ اختر ہوشیارپوری نے ابتدا میں غزل کہنا شروع کی لیکن جیسے جیسے زندگی کا سفر گزرتا گیا انھوں نے اپنا ناطہ نعت کے ساتھ جوڑ لیا یوں انھوں نے چھ نعتیہ مجموعے برگِ سبز، مجتبیٰ، رسالت مآب ﷺ، خاتم المرسلین ﷺ، خیر البشر ﷺ اور حدیثِ حرف لکھ کر اردو ادب کی نعتیہ روایت کو ایک اعلیٰ مقام بخشا۔

اختر ہوشیار پوری کی اردو نعت کے حوالے سے عبیدہ رضوی یوں کہتی ہیں:

> ''وہ نعت جیسے دقیق موضوع پر خامہ فرسائی کرتے وقت وہ ہر قسم کی حدود کی پاس داری کرتے نظر آتے ہیں۔فضائلِ نبوی ﷺ بیان کرتے وقت وہ نہ تو کہیں مبالغے کی حدوں کو پار کرتے نظر آتے ہیں اور نہ ہی تخیل کی بلندی پروازی میں وہ توحید و رسالت کے فرق کو فراموش کرتے ہیں''۔(۱۱)

اختر ہوشیارپوری کے نعتیہ مجموعے

اختر ہوشیارپوری کے نعتیہ مجموعوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ برگ سبز:

برگ سبز اختر ہوشیار پوری کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے۔جو ۱۹۸۷ء میں جمال محمود پریس، لاہور نے شائع کیا۔یہ مجموعہ ۱۷۰صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعے میں کل ۶۳ نعتیں شامل ہیں۔

۲۔ مجتبیٰ:

''مجتبیٰ'' اختر ہوشیار پوری کا دوسرا نعتیہ مجموعہ ہے۔جو ۱۹۹۷ء کو منظر عام پر آیا۔اس مجموعے کی اشاعت سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے کی۔اس مجموعے میں مشمولہ کل ۶۱ نعتیں ہیں۔یہ

مجموعہ کل ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں نعتوں کی فہرست سے پہلے صفحہ پر یہ نعتیہ شعر درج ہے۔

ارضِ طیبہ میں میرے نبیؐ کا وجود
جیسے قرآن اختر ہو جُزدان میں (۱۲)

۳۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

الحمد پبلی کیشنز لاہور والوں نے اختر ہوشیار پوری کا تیسرا نعتیہ مجموعہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۹۹۹ء میں شائع کیا اس کے کل ۱۲۸ صفحات ہیں۔اس میں کل نعتوں کی تعداد ۵۷ ہے اگر حمد کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد بڑھ کر ۵۸ ہو جاتی ہے۔اس کے پہلے صفحہ پر یہ نعتیہ شعر درج ہے۔

بہت آگے ہے اپنی منزلوں سے
زمانے کا محمدؐ راہبر ہے (۱۳)

۴۔ خیر البشر:

الحمد پبلی کیشنز لاہور والوں نے ''خیر البشر'' کو ۲۰۰۰ء میں شائع کیا اس میں کل ۸۳ نعتیں اور ۱۴۴ صفحات ہیں۔یہ اختر ہوشیار پوری کا چوتھا نعتیہ مجموعہ ہے۔اختر ہوشیارپوری نے ''حرفِ اول'' کے نام سے ۶ صفحات پر مشتمل تبصرہ لکھا ہے جو نہایت ہی ادبی زبان میں جامع اور دلکش ہے۔وہ ایک جگہ پر یوں لکھتے ہیں۔

> ''میں اپنی نعت کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں رکھتا، میرے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ ارض و سما کے مالک نے مجھے مسلسل نعت کہنے کی توفیق بخشی، بہر حال شائقین شعر زیر نظر مجموعے میں نعت کا نیا پن، مضامین کا تنوع، شعری اظہارِ بیاں اور غیر روایتی اسلوب ضرور پائیں گے۔'' (۱۴)

۵۔ خاتم المرسلین

یہ نعتیہ مجموعہ ۲۰۰۳ء میں کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی نے شائع کیا۔اس کتاب کے کل ۱۶۰ صفحات ہیں۔اس میں نعتوں کی تعداد ۹۰ ہے۔اعجاز قلم کے عنوان سے محمود فیصل راجہ نے اختر ہوشیار پوری کی نعت کے بارے

میں اپنی رائے پیش کی ہے۔''ایک طرزِ احساس'' کے نام سے اختر ہوشیار پوری نے خود اس مجموعے پر بڑا دلکش تبصرہ پیش کیا ہے۔ایک جگہ وہ یوں لکھتے ہیں:

میں عمر کی پچاس منزلیں طے کر چکا ہوں۔میرے چودہ مجموعہ ہائے کلام میں سے یہ چوتھا نعتیہ مجموعہ ہے، میرے حال پر رب العزت کے بے پایاں کرم ہیں۔مجھے قدم قدم پر اس نے سہارا دیا ہے۔میرے پاس جو کچھ ہے سب اسی کی عطا ہے اور یہ نعت کہنے کا میلان بھی اُسی کا لطفِ خاص ہے۔مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں نعت نہیں کہتا، مجھ سے نعت کہلوائی جاتی ہے۔احساسات و جذبات کا ایک ریلا ہوتا ہے جس میں بہتا ہوا میں اپنے آپ کو آسودہ آسودہ محسوس کرتا ہوں اور نعتِ نبی ﷺ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔(۱۵)

۶۔ حدیثِ حرف

''حدیثِ حرف'' اختر ہوشیار پوری کی نعتوں کا چھٹا مجموعہ ہے۔یہ مجموعہ کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی والوں نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔اس میں کل ۶۸ نعتیں ہیں اور یہ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعے کا پیش لفظ سید امتیاز حسین شاہ کاظمی نے لکھا۔پیش لفظ کا عنوان ''نعت گوئی کے افق پر چمکتا ستارہ'' ہے۔جس میں انہوں نے اختر ہوشیارپوری کی نعت کے بارے میں خوبصورت آرا دی ہیں۔

اختر ہوشیار پوری بیسویں صدی کے مشہور نعت گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔انھوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر صنف میں انھوں نے بڑی پختگی سے اپنے قلم کو چلایا اور کامیاب شعرا میں ایک اہم اور ممتاز حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔اردو غزل اور نظم میں اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے بعد جب اردو نعت گوئی میں اخترہوشیارپوری نے اپنا قلم اٹھایاتو اس میدان میں بھی اختر ہوشیار پوری کو بہت پذیرائی ملی اور انہوں نے ذہنی اور روحانی سکون پایا۔
عبیدہ رضوی ان کے بارے میں مختلف اصناف کے حوالے سے یوں لکھتی ہیں:

"اختر کی خاصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو کسی مخصوص صنف سے وابستہ نہیں رکھا بلکہ وہ حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے"(۱۶)

اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری میں فکری پہلو بہت نمایاں ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی تمام شاعری کی طرح نعتیہ شاعری میں بھی ایک خاص مقصد چھپا کر رکھا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی تمام تر شاعری میں اصلاحی پہلو نمایاں ہے۔لہذا وہ نعت گوئی نہ صرف دل کے سکون کے لیے کرتے بلکہ وہ نعت کو ہدایت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس صنف مبارکہ کے ذریعے نوجوان نسل کو اہم پیغام دینا چاہتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے نعتیہ شاعری میں فکری اور فنی دونوں لحاظ سے خوبصورت پھول اگائے ہیں اور نگینے جوڑے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی نعت میں ایسے ایسے مضامین لائے ہیں جو نہ صرف آپ ﷺ کے ظاہری و باطنی اوصاف کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہر ایک پہلو کا ذکر نہایت ادب و احترام کے دائرے میں رہ کر کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری آپ ﷺ کی پوری ذات و واقعات کے گرد گھومتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کے نعتیہ مضامین ہدایت کا ذریعہ ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے جس قدر خوبصورتی سے پیکر جمالﷺ کا ذکر کر کے کردار سازی کی ہے اسی طرح مدینے کی گلیاں اور چوکھٹ رسولﷺ کا ذکر کرکے شفاعت کا ذریعہ ثابت کیا ہے۔

اختر ہوشیارپوری کی تمام اصلاح پائی جاتی ہے۔اس لحاظ سے انہوں نے نعت میں متنوع موضوعات متعارف کروائے ہیں جو کہ اختر ہوشیارپوری کی فکر کا پتہ دیتے ہیں۔

اخترہوشیارپوری کی نعت کا فکری جائزہ

اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے درج ذیل موضوعات کی نشاندہی ہوتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی فکر کی گہرائی اور گیرائی کو ظاہر کرتے ہیں۔

نعت میں حمد باری تعالیٰ

اختر ہوشیارپوری نے نعت کے پیرائے میں ذکرِ خدائے بزرگ و برتر کو بہت عمدگی سے موضوع بنایا ہے۔توحید و رسالت دو الگ الگ موضوعات ہیں۔ایک خالق اور دوسرا مخلوق۔بہت

سارے مکتبہِ فکر نے اس فرق کو مٹانے کی کوشش کی ہے مگر اختر ہوشیارپوری قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔انہوں نے نہایت ہی ژرف نگاہی اور باریک بینی سے اس فرق کو واضح کیا ہے۔وہ توحید و رسالت کے الگ الگ مقام کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اور پہچانتے تھے۔اختر ہوشیارپوری اس بات کا ادراک بہت کمال رکھتے تھے کہ توحید کیا ہے؟ اور رسالت کیا ہے؟ اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری جو کہ توحید و رسالت کو واضح کرتی ہے۔اس حوالے سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

اندھیرا شب کا سمٹا ہے سحر کے نرم اجالے سے
خدا تک لوگ پہنچے ہیں محمد ﷺ کے حوالے سے(۱۷)

یہ شہر محمدﷺ کی ہوا دل کا سکون ہے
پائی ہے خبر عرش معلّٰی کی طرف سے(۱۸)

کوئے نبی تھا بارشِ انوار اور میں
اختر نہ پوچھ رحمتیں ربِّ غفور کی(۱۹)

اختر ہوشیارپوری کی نعت عشقِ رسالت مآبﷺ سے لبریز ہے۔اسی محبت نے اختر ہوشیارپوری کو حق و صداقت کی راہ پر گامزن کیا۔نبی کریم ﷺ کی بعثت دراصل اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔آپ ﷺ کی مدح میں ربِّ کائنات کا پرتو نظر آتا ہے۔آپ ﷺ کی ہستی میں خدائے پاک عظیم کی حقانیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

جس کو تُو ﷺ چاہے اس کو ربّ چاہے
تیریﷺ چاہت ہے اس کی چاہت بھی(۲۰)

یہ مہر و ماہ کی کرنیں یہ روشنی کی پھوار
رضائے حق بھی وہی ہے جو ہے رضائے رسول ﷺ(۲۱)

نبی کا نام بھی لازم ہوا خدا کے ساتھ
کہ جیسے نورِ سحر ہے ماہ تمام کے ساتھ(۲۲)

بارگاہ قدس میں سر کو جھکانے کے لیے
ان کے قدموں میں ہوں قسمت بنانے کے لیے(۲۳)

اختر ہوشیارپوری کا جذبہ عشق و محبت توحید و رسالت دونوں حوالوں سے بخوبی دیکھنے کو ملتا ہے۔وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔رسول ﷺ کی محبت میں ہی اللہ کی محبت تلاش کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی ایک نعت کے خوبصورت اشعار ان کی اس محبت کو یوں ظاہر کرتے ہیں۔

زندگی لہراتی آئی صدق کی درگاہ سے
وہ ملے انعام دل کو رحمتِ اللہ سے
میری پلکوں پر چراغاں میری سانسوں میں مہک
مجھ کو یہ دولت ملی ہے رمزِ بسم اللہ سے (۲۴)

رحمت اللعالمینﷺ:

آپﷺ کی ذات تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئی۔آپﷺ کی ذات میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر میں موجود تھیں۔آپﷺ کی ذات سے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔آپ ﷺ تمام لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے۔آپ ﷺ کی ذات سے کبھی کسی چرند اور پرند کو بھی اندیشہ نہیں پہنچا تھا۔اختر ہوشیار پوری نے اس موضوع کو اپنی نعت کا حصہ بنایا اور آپﷺ کی رحمت کو تمام دنیا والوں کے لئے باعثِ برکت قرار دیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کا نمونہ کلام دیکھیں۔

وہ ﷺ دُنیا بھر پہ رحمت بن کے اُترے
مجھے دیکھو میں اُن ﷺ کی خاکِ پا ہوں (۲۵)

دو عالم میں تیرا اندازِ رحمت اِک مثالی ہے
کہ سر تاپا محبت کی عنایت کی نظر تُو ﷺ ہے (۲۶)

جب بھی ذکر رسول ﷺ ہوتا ہے
رحمتوں کا نزول ہوتا ہے(۲۷)

وہ ﷺ رحمتِ مجسم وہ ﷺ روشنی سراپا
حرفِ دعا میں آئی تاثیر بھی وہاں سے(۲۸)

پیکرِ جمال:

نبی اکرم ﷺ کی ذات اپنی صفات و خوبیوں میں ایک پیکرِ جمیل تھی۔آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ خوبیوں کا حسین مرقع تھی۔آپ ﷺ کی پیروی کر کے کوئی انسان اور خصوصاً مسلمان ایک بہت اچھی زندگی گزار سکتا ہے۔آپ ﷺ کی صفات سے دشمن بھی متاثر ہو جاتے تھے۔حتیٰ کہ کئی دشمنانِ اسلام بھی آپ کو خط لکھ کر ان کی ذات و صفات کا اعتراف کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی ذات سے کبھی کسی کو رنج و تکلیف نہیں پہنچا، کبھی کسی کی ایذارسانی نہیں ہوئی۔آپ ﷺ کی ذات آسانیاں پیدا کرنے والی ذات تھی۔زندگی کا ہر پہلو چاہے وہ مخفی تھا تو چاہے ظاہری تھا۔ہر ایک میں خوبصورتی رچی ہوئی تھی۔آپ ﷺ کی ذات حسنِ جمال کا پیکر تھی۔آپ ﷺ کی ذات و صفات نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ کائنات کی ہر چیز کے لیے باعث رحمت تھی۔آپ ﷺ کی ذات اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھی۔آپ ﷺ کی ذات اخلاقِ حسنہ کا ہی درس دیتی تھی۔اختر ہوشیارپوری تو کیا، کوئی بھی انسان آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اور پھر خوبصورت صفات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔لہذا اختر ہوشیارپوری اپنے خوبصورت انداز میں آپ ﷺ کی پیاری ذات و صفات کو نعت کے خوبصورت موضوع میں سمونے کی یوں کوشش کرتے ہیں۔

ذات و صفات حسن کا ایک پیکر جمیل
وہ زندگی کا سرِ خفی بھی جلی بھی ہے(۲۹)

جو مسئلے جہاں کے کوئی حل نہ کر سکا
ان سارے مسئلوں کا مجسّم جواب آپ ﷺ(۳۰)

جو ان کا دامن رحمت نہ ہو تو
نظامِ زندگی زیر و زبر ہے(۳۱)

خیر البشر:

آپ ﷺ کی آمد سے انسان کو انسانیت کا شرف ملا۔اس سے پہلے تو انسانیت کی کوئی قدر نہیں تھی۔انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔آپ ﷺ نے آکر

انسان کو اس کا اصل مقام دیا۔زمانہ جاہلیت میں حاکم لوگوں کو غلام بنا کر اس طرح استعمال کرتے تھے جیسے جانوروں کو کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔انسانیت کا شرف آپ ﷺ کی آمد مبارک کے بعد ہی انسان کو نصیب ہوا۔اگرچہ انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے مگر غلامی کی زندگی میں انسانیت کا ہونا جانور ہونے سے بدتر ہوتا ہے۔ایسی ہی صورت حال سے انسان نبٹ رہا تھا مگر آپ ﷺ کا نام ہی ہے جنھوں نے انسان کو جانور کی زندگی سے انسانیت کے رتبے سے نوازا۔

اس موضوع کو اختر ہوشیارپوری بہت خوبصورتی سے اپنے نعتیہ مجموعہ ''خیر البشر'' میں بیان کرتے ہیں۔اس مجموعے کا نام ہی خیر البشر ہے یعنی بشر کی بھلائی۔بشر کی بھلائی کے لیے نبی اکرم ﷺ نے جو اعلیٰ مثال قائم کی۔ایسی مثال کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔اختر ہوشیارپوری ایک نعت میں کہتے ہیں:

زندگی آپ ﷺ کے در کی ہے کنیز
رحمتوں کی بڑی سرکار ہیں آپﷺ
سوکھی فصلوں کو نمو کا پیغام
حشر تک ابر گہر بار ہیں آپ ﷺ
دھوپ میں پیڑوں کا ٹھنڈا سایہ
شب میں قندیل ضیا بار ہیں آپ ﷺ
آپ ﷺ آئے تو اٹھا پردۂ ذات
صبحِ فردوس حق آثار ہیں آپ ﷺ
آپ ﷺ سے ظلمتِ ایّام چھٹی
دہر میں عالمِ انوار ہیں آپ ﷺ
چارہ گر آپ ﷺ ہی مظلوموں کے
اور ضعیفوں کے مدد گار ہیں آپ ﷺ (۳۲)

''مجتبیٰ'' میں اختر ہوشیارپوری انسانیت کے مقام کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

زندہ ہے جس کے نام سے انسانیت کا حسن
وہ نام وہ صحیفۂ زرتاب آپ ﷺ ہیں (۳۳)

چوکھٹِ رسولﷺ ذریعۂ بخشش:

آپ ﷺ کی چوکھٹ پر جو بھی آیا ہے وہ اپنے من کی مرادیں پا کر گیا ہے۔آپؐ کی چوکھٹ فصل کی مانند ہے جو بھی اس در پہ آیا ہے اس نے تازگی اور توانائی حاصل کی ہے آپؐ کی ذات اقدس ایک نمونہ ہے۔دشمن کیا دوست سبھی آپؐ کی چوکھٹ سے فیض یاب ہوتے ہیں۔اس موضوع کو بھی اختر ہوشیار پوری نے بڑے سلیقے اور قرینے سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے آپ ﷺ کی چوکھٹ کے حوالے سے اپنے قلم کو یوں سیراب کیا ہے۔

اُن ﷺ کی چوکھٹ پہ ہے یوں دولتِ ایمان اخترؔ
جیسے الطافِ الٰہی کی فضا ہوتی ہے (۳۴)

اک عمر سے اختر تری چوکھٹ پہ پڑا ہے
اس شخص کو چوکھٹ کا اب اک حصہ بنا دے (۳۵)

تریﷺ چوکھٹ پہ آئے ہیں کہ ہم کو بھیک مل جائے
زمانہ بھی تہی دامن مری جھولی بھی خالی ہے (۳۶)

اُنﷺ کی چوکھٹ سے کبھی تارے کبھی پھول چنوں
کہ یہ انعامِ غزل خوانی سخن رانی ہے (۳۷)

ان کی چوکھٹ پہ آنکھیں رکھ آؤں
ہوں نہ ہوں پھر یہ قمقمے باقی(۳۸)

خاکِ مدینہ باعثِ رحمت:

اختر ہوشیار پوری نے تقریباً ۵۰۰ سے زیادہ نعوت لکھی ہیں۔انھوں نے نعت میں ایک مقصدیت کو سامنے رکھا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں موضوعات کا ایک تنوع موجود ہے۔اختر ہوشیارپوری نے مدینہ پاک کی خاک اور آپ ﷺ کی قدموں کی خاک کو بھی وسیلہ رحمت سمجھا ہے۔یہ اختر ہوشیارپوری کی نبی کریم ﷺ سے محبت کا ثبوت ہے کہ انھوں نے ہر اس چیز سے محبت کی، ہر اس چیز کو باعث رحمت قرار دیا جو کہ نبی کریم ﷺ کی ذات کے ساتھ جڑی

ہوئی ہے۔ یہی سچا عشق اور بے لوث محبت ہوتی ہے۔ اختر ہوشیار پوری نے خاکِ مدینہ اور آپﷺ کے قدموں کی خاک کو خوبصورت انداز میں شعری اسلوب میں ڈھالا ہے، انداز ملاحظہ ہو:

جہانِ کہنہ نے ملبوس بدلا
حریمِ طیبہ کی خاکِ شفا سے (۳۹)

آنکھوں میں بھی ہے روشنیئ صبحِ تمنا
اخترؔ پہ بھی احساں ہے تری خاکِ قدم کا(۴۰)

اس خاک کا احساں ہے کہ بیدار رہا ہوں
ورنہ میں اندھیرے ہی میں سورہتا کبھی کا (۴۱)

شہرِ طیبہ ترے ذرے مہ و خورشید و نجوم
مجھ کو اس خاک کے ذروں میں چُھپا دے کوئی(۴۲)

نعتِ نبی ﷺ تفسیر قرآن:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا آپ ﷺ کی شان کو بیان کیا ہے کہیں پر آپ کی رحمتوں کا ذکر ہے تو کہیں پر آپ کے حسنِ سلوک کا۔ آپﷺ کی ذات دراصل ایک عملی نمونہ ہے۔ یوں نعت قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن مجید کی آیات میں حکمتیں پنہاں ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی ذات کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا تلاوت قرآن بھی ذکرِ رسول ﷺ ہے اور یہی ذکر رسول نعتِ رسول ہ ﷺ ہے۔ عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈوبے اختر ہوشیار پوری کے چند اشعار دیکھیں جن میں قرآن کا ذکر بڑے واضح انداز میں ملتا ہے۔

لوگ قرآن کو سر چشمہ جاں کہتے ہیں
جس پہ نازل ہوا قرآن وہ خود کیا ہو گا(۴۳)

میں دیواروں سے قرآں سن رہا ہوں
کہ طیبہ، احمد مرسل ﷺ کا گھر ہے(۴۴)

محمد ﷺ کی رسالت حرفِ قرآں ہے
کہ اس کے زیر سایہ ایمان ہے(۴۵)

ذکر حدیثِ ذات انہیﷺ سے ہے تابناک
لفظوں میں رنگ و نور بھی اس روشنی سے ہیں (۴۶)

حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی۔گویا قرآن پاک کی تفسیر و تفصیل حدیث مبارکہ ہے۔نبی کریم ﷺ کا کردار قرآن پاک کی آیات اور ہدایات کے مطابق رہا گویا آپﷺ چلتی پھرتی تفسیر قرآن تھے۔اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے اپنی تمام عمر قرآن کی رشد و ہدایت کے مطابق گزاری۔اسی پیاری بات کو اختر ہوشیارپوری بہت ہی زیادہ خوبصورت انداز میں آپ ﷺ کی ذات کو قرآن پاک کی تفسیر بتاتے ہیں۔کیا ہی خوبصورت بنیا ہے:

قرآن کی تفسیر ہے کردار محمدﷺ
کردار محمد ﷺ بھی تو ہے عظمتِ قرآن(۴۷)

حرف قرآں کے سلسلے اُن ﷺ سے
تا قیامت یہ سلسلے باقی(۴۸)

ذکرِ شہرِ مدینہ:

عاشقانِ رسولﷺ کے لئے آپﷺ کا شہر مدینہ اور مکہ دونوں جنت سے کم نہیں۔مکہ اور مدینہ کی گلیاں جنت کا نظارہ پیش کرتی ہیں اور عاشقانِ رسولﷺ اپنا تن من اور دھن ان گلیوں پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔وہ شہر حبیب کو جنت کا ایک گوشہ تصور کرتے ہیں۔اختر ہو شیار پوری نے آپ ﷺ کے شہر کو جنت کے روپ میں ان نعتیہ اشعار میں یوں ڈھالا ہے۔نعتیہ اشعار دیکھیں:

یہ شاہراہِ طیبہ ہے جنت کی راہگزر
منزل کو دیکھتے ہیں بڑی شیفتگی سے ہم(۴۹)

صدائے پائے احمدﷺ دونوں جانب اُٹھتی رہتی ہے
کہ شہرِ طیبہ کی ہر راہ پیوستہ ہے جنت سے (۵۰)

شہرِ حبیبﷺ گوشۂ جنت سے کم نہیں
میں کیوں نہ اپنی خاک شریکِ ارم کروں (۵۱)

اختر یونہی طیبہ کی لگن دل میں اگر ہو
یہ کارِنکو نام ہی جنت کی خبر ہے (۵۲)

اردو ادب میں لکھنے والے تقریباً تمام نعت گو شعراء نے ''شہرِ مدینہ'' کو اپنی نعت کا موضوع بنایا۔کبھی مدینہ کی ہوا کبھی مدینہ کی خاک اور کبھی مدینہ کی فضا کو نئے نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی مگر ہر شاعر نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اس موضوع پر قلم کو خوب چلایا۔اسی طرح اختر ہوشیار پوری نے بھی اس موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا اور اپنے تئیں خو ب کو شش کی ہے کہ اس موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف برتا جائے۔اس سلسلے میں ان کے چند نعتیہ اشعار دیکھیں جن میں ''شہرِ مدینہ'' کا ذکر نہایت خوبصورتی اور نئے انداز میں کیا گیا ہے۔

خاکِ شہرِ مدینہ میں موجِ نفس
اپنی خوشبوئے ارماں سے سر شار ہے(۵۳)

اے مدینہ اے دیارِ پاک اے شہرِ نبی ﷺ
روشنی وہ تُو نے دی خود سے شناسا کر دیا (۵۴)

اشکوں کے سائے سائے مدینہ میں آگیا
اب کس کو اختیار مری چشمِ نم پر ہے (۵۵)

مکہ و طیبہ سرکار ﷺ سے ہیں
آ گئے ہم یہیں مرنے جینے (۵۶)

نعت لکھنا آسان کام نہیں بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ پل صراط سے گزرنا ہے۔اس میں غلطی کی گنجائش موجود نہیں ہوتی ہے۔نعت کے ایک ایک لفظ اور حرف پر توجہ دینی پڑتی ہے تب

جا کے انسان اپنا مقصد حاصل کر پاتا ہے۔اس میں چھوٹی چھوٹی اور عام سی باتوں کو بھی بیان کرنے کے لئے بڑی احتیاط کی جاتی ہے۔ بہت سے شعراء نے مکے اور مدینے کی گلیوں کو اپنی نعت کا موضوع بنایا ہے اور مختلف طریقے سے ان کا ذکر اپنی نعتوں میں کیا ہے جو دل کو اچھا بھی لگتا ہے اور جاذبِ نظر بھی۔اختر ہوشیار پوری نے بھی اپنی نعتوں میں مکے مدینے کی گلیوں کو بالکل منفرد انداز میں پیش کیا ہے انداز دیکھیں۔

اے قافلے والو یہاں کچھ دیر ٹھہر جاؤ
اور مجھ کو مدینے کی گلی کوچوں میں چھوڑ آؤ (۵۷)

گزرے ہیں جب بھی شاہِ اُمم کی گلی سے ہم
کیا کیا نہ فیض یاب ہُوئے روشنی سے ہم(۵۸)

دنیا تو یونہی چلتی رہی اپنے زعم میں
میں خوش نصیب تھا مجھے اُنﷺ کی گلی ملی (۵۹)

فیض کا سرچشمہ:

حضور نبی کریمﷺ کی ذات ایک ایسی ذات ہے جس کے بارے میں خدائے بزرگ بر تر فرماتے ہیں کہ اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو یہ چرند پرند، پہاڑ، روشنی، آگ، ستارے، آسمان، زمین، پھول، گلشن کائنات کوئی چیز نہ پیدا کرتا۔ پھر آپ ﷺ کی ذات کو فیض کا سر چشمہ بنا کر بھیجا جو پوری بنی نوع انسانیت کے لئے رحمت ٹھہری۔آپﷺ کے در پر جو بھی آیا فیض لے کر گیا۔اس موضوع کو بھی اختر ہوشیار پوری نے بڑے دلکش انداز سے قاری تک پہنچایا ہے۔انہوں نے اپنی نعوت کے اندرلفظ ''فیض'' کو مختلف مضمون میں استعمال کیا ہے ان کا انداز دیکھیں۔

زندگی اُنﷺ کے قدموں کا انعام ہے
فیض ہے، لطف ہے اور اکرام ہے(۶۰)

ذوقِ نظر کے سارے رنگ فیض ترے جمال کا
غلغلۂ نوائے حق تیری ہر اک بات میں (۶۱)

بنجر زمین پہ فیض کے چشمے ہوئے رواں
سارے جہاں پہ اس ﷺ کا احسانِ زندگی (۶۲)

آپ ﷺ کی چشمِ کرم فیضِ اِلٰہ
آپ ﷺ ہیں دُکھتے دِلوں کا آرام (۶۳)

تیرے ﷺ فیض سے کس نے حوصلہ نہیں پایا
منزلوں پر جا پہنچے سارے پاشکستہ بھی (۶۴)

القاب و اسمائے صفاتی کا ذکر:

اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں کہ اس کائنات میں جو روشنی ہے وہ حضور ﷺ کے دم سے ہے۔آپ ﷺ کے چرچے نہ صرف قرآن مجید میں ہیں بلکہ تمام آسمانی کتابوں میں بھی آپ ﷺ کا ذکرِ خیر ملتا ہے۔تورات میں آپ ﷺ کا نام ''مبند ہبند'' آیا ہے۔انجیل میں آپ ﷺ کو ''فارقلیط'' اور ''طاب طاب''کے ناموں سے پکارا گیا ہے۔زبور میں ''عاقب'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔اس کے علاوہ صحیفۂ نوح، صحیفۂ آدم، صحیفۂ ابراہیم اور دیگر صحائف سماویہ میں آپ ﷺ کا ذکر ملتا ہے لیکن قرآن مجید میں آپ ﷺ کو بہت سے عظیم ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔یہ سارے نام اہم اور باعثِ فضیلت ہیں۔مگر ان میں ''احمد''ﷺ اور''محمد''ﷺ کا ذکر بار بار ملتا ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی نعتوں میں بہت جگہوں پر ان دونوں ناموں کا ذکر بڑی عمدگی سے کیا ہے۔

نام جب احمدِ مرسل ﷺ کا قلم پر اترا
نور برساتا ہوا چاند مرے گھر اترا(۶۵)

یہ بات سچ ہے محمد ﷺ ہیں آدمی کا شرف
کہ ان ﷺ کے بعد کوئی دولتِ حیات نہیں (۶۶)

خدا کے بعد ہے نام محمد ﷺ
صحیفوں کا یہی پیغام ٹھہرا(۶۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان اوصاف حمیدہ کے مطابق ناموں سے نوازا جو آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں موجود تھے۔کبھی خیر البشرؐ کے نام سے مقلب ہوتے تو کبھی محمد ﷺ اور احمد ﷺ جیسے عمدہ ناموں سے ذکر فرمایا ہے۔احادیث مبارکہ میں ہے کہ اسم ''محمد'' ﷺ عرش کے پائیوں پرفرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اور جنت کے دروازے پر کنندہ ہے۔اسم محمد ﷺ کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی۔اسی نام کو اختر ہو شیار پوری نے اپنی نعوت یوں شامل کیا ہے۔

حدِ کون و مکان تک روشنی ہے
محمدﷺ کی ثنا ہی زندگی ہے (۶۸)

بہت آگے ہے اپنی منزلوں سے
زمانے کا رہبر محمدﷺ رہبر ہے(۶۹)

دلوں کو ذوقِ یقین آنکھ کو مہ و اختر
عطا ہوئے ہیں محمد ﷺ کے بابِ اعلیٰ سے (۷۰)

اسمِ محمدؐ سے محبت و پیار کی مثالیں اختر ہوشیار پوری کے ہاں ان کے تمام مجموعہ ہائے نعت میں ملتی ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نامِ محمدؐ نہ صرف اخترکی زبان پر مٹھاس لاتا ہے بلکہ ان کے دل و دماغ میں بھی اِس مٹھاس کا احساس ہمیشہ کے لئے سکون مہیا کرتا ہے۔یوں وہ اس عظیم نام کو اپنی زبان پہ اور دل و دماغ پر سجا لیتے ہیں اور اس کے احساس سے لطف اندوز ہو کر تازہ دم ہوتے رہتے ہیں۔ان کے مزید اشعار ملاحظہ کیجئے۔

مری نگاہ کا جوہر محمدِ ﷺ عربی
کہ ہے مذاقِ نظر ذوقِ آرزو اُن ﷺ سے(۷۱)

خداکی عنایت کا پیکرِ محمدﷺ
تری شان اللہ اکبر محمد ﷺ(۷۲)

اترے ہیں مرے سینے میں انوار محمد ﷺ
مژدہ کہ چلا میں سوئے دربار محمد ﷺ(۷۳)

کوئے طیبہ میں گھر چنتا رہا ہوں عمر بھر
دِل ہی دِل میں محمدِ ﷺ مصطفی کہتے ہوئے(۷۴)

اسوۂ حسنہ:

آپ ﷺ کی ذات اخلاق کا بہت اعلیٰ نمونہ تھی۔آپ کی وجہ سے عرب کے سنگلاخ پہاڑوں میں رہنے والے اخلاق و عادات سے عاری لوگ مہذب ہوگئے جو جانوروں کو پانی پلانے پر ایک دوسرے کو مار دیتے تھے شراب، زنا، جوا، جھوٹ، ظلم و ستم، اور شرک جن کا مقدر تھا۔ آپﷺ کے اعلیٰ اخلاق حسنہ سے ان کی زندگیاں تبدیل ہو گئیں وہ لوگ جو جانوروں جیسی زندگی بسر کر رہے تھے انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوگئے۔اس موضوع کو اختر ہوشیارپوری نے اپنے نعتیہ اشعار میں یوں قلم بند کیا ہے:

وہ آئے تو خدا کی رحمتیں بھی آئی ہیں ورنہ
بہت سہنا پڑا تھا آدمی کو اپنا خمیازہ(۷۵)

تو نے کیا کچھ نہ دیا انسان کو
زیست آئینہ حیراں تجھ سے(۷۶)

تو آیا تو ہر فرق مٹا شاہ و گدا کا
انسان تو ورنہ تھا خود اپنے ہی بھنور میں (۷۷)

ملی ہے ان سے منزل آدمی کو
زمانہ ان کے باعث راہ پر ہے (۷۸)

حضور نبی کریم، ﷺ کی ذات صبر و تحمل کا ایک حسین پیکر تھی۔آپﷺ کی عادات، اخلاق اور رہن سہن مثالی تھا۔یہی وجہ تھی کہ آپﷺ کو لوگوں نے پتھر مارے اور آپﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

صبائے مدینہ کے کا ذکر

ہر نعت گو شاعر کو مدینہ اور مدینہ میں رہنے والی ہر شے سے قلبی وابستگی ہوتی ہے۔مدینہ دیکھنے، مدینہ میں جینے اور مرنے کی تمنا ہر مسلمان کی ذاتی خواہش ہے۔اسی محبت اور وارفتگی کا

اظہار اختر ہوشیار پوری نے بھی اپنی نعتوں میں کیا ہے۔انھوں نے مدینہ کی ہواؤں، بادلوں، گلیوں، خاک، ساعت، زمین، ذرات، آب و ہوا اور صبا کا ذکر بھی بڑی دلچسپی سے کیا ہے۔صبا کے لفظ کو اختر ہو شیار پوری نے ایک موضوع بنا دیا ہے۔انہوں نے اس موضوع کو بڑے اچھوتے انداز میں اپنی نعت میں پیش کیا ہے انداز ملاخطہ ہو۔

اپنے ہمراہ لے چل مجھے اے صبا
کوئے طیبہ محبت کا پیغام ہے (۷۹)

یہاں سوکھا نہیں ہے پیڑ کوئی
مدینہ کی ہواؤں کا ثمر ہے(۸۰)

بادِ صبا کا دُور دُور نام و نشان ابھی نہ تھا
پھول مہک مہک اٹھے دامنِ مر غزار میں (۸۱)

واقعہ معراج کا ذکر

حضور نبی کریم ﷺ کے بے شمار معجزات میں ایک اعجاز واقعہ معراج بھی ہے جس میں نبی پاک ﷺ معراج پر گئے اور عالم بالا کی سیر کی۔ایک ایسا مقام جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔واقعہ معراج دراصل فضیلت نبیﷺ ہی نہیں بلکہ دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت انسان بھی ہے۔اس واقعہ کی انسانی زندگی پر بہت گہرا اثر اور اسلامی دنیا میں یہ واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بات اس بات کی شاہد ہے کہ اختر ہو شیار پوری کا قرآن و حدیث کا بڑا گہرا مطالعہ ہے۔وہ عشقِ مصطفٰی میں سیرت النبی ﷺ کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔انہوں نے اس واقعہ کو اپنے اشعار میں یوں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

تجھ سے انسان کو ملی ہے معراج
دہر کا عقدہ ہوا وا تُجھؐ سے (۸۲)

تیرا وجود پاک ہے معراجِ آدمی
ورنہ ہجومِ خلق تو ہو آدمی نہ ہو(۸۳)

اے شبِ معراج تیری وسعتوں کی خیر ہو
اتنا اک ساعت کو پھیلایا زمانہ کر دیا(۸۴)

اختر ہوشیار پوری علم ادب کے حوالے سے اپنے اندر ایک گہرا سمندر رکھتے ہیں۔ان کی نعت کا تانا بانا حضور کی رحمت، فیض، شفاعت اور شبِ معراج کی فضیلت ہے اس سلسلے میں اختر ہوشیار پوری خود لکھتے ہیں۔

''میری نعت کے اجزائے ترکیبی میں حضور سرورؐ کائنات فخرؐ موجوداتؐ کا وجہ تخلیق کائنات اور رحمت اللعالمین ہونا، شب معراج کی برکات پورے زمانے پر چھا جانا، غلاموں کو قوت گویائی و آقائی کا ملنا، بندگی اور خواجگی کا امتیاز ختم ہونا، حضورﷺ کی دہلیز کا معراج نظر ہونا، درس گاہ رسالت سے مٹی کے ہیولے کا انسان بن جانا، آقائے نامدار کا روشنی کاصحیفہ اور تہذیب کا سر چشمہ ہونا شامل ہے۔''(۸۵)

پہنچ جاتا ہے انسان جیتے جی بھی
شب معراج میں خلد بریں پر(۸۶)

خوبصورتی کا بیان

چاند خوبصورتی کی علامت ہے۔بہت سے نعت گو شعراء نے آپ ﷺ کو چاند سے تشبیہ دی ہے کسی جگہ پر یہ بتایا کہ اگر زمین و آسمان اور چاند ستارے ہیں تو یہ آپ ﷺ کی وجہ سے ہیں کسی جگہ پر آپﷺ کے چہرے کو نور کی کرنوں سے تعبیر کیا ہے۔اسی طرح اس موضوع کو اختر ہوشیار پوری نے بھی اپنی نعتوں میں پیش کرنے کی ایک خوبصورت کوشش کی ہے۔اختر ہوشیار پوری کا انداز دیکھیں۔

سورج کا پھول چاند کا گہنا چمن کا رنگ
کیا دولتیں ملی ہیں ہمیں تیرے ﷺ نام سے (۸۷)

جنت کے کنارے ہیں مدینے کے کنارے
دن رات چمکتے ہیں یہاں چاند ستارے (۸۸)

صبح کو آفتاب رات کو چاند
کتنے پُر نور ہیں یہاں مہ و سال (۸۹)

چاند دامن میں اُتر آیا ہے
میری رگ رگ میں ضیا ہو جیسے (۹۰)

حسنِ نظر کا فیض

حضور نبی کریم ﷺ کی نظر میں بھی برکت اور خیر و عافیت ہے۔یہ آپﷺ ہی کا جلوہ ہے کہ آپ کی نظر سے ویرانوں میں بہار آئی۔سوکھے شجر ہرے ہو گئے۔آپﷺ جدھر دیکھتے رحمتیں ہی رحمتیں ہو جاتیں تھیں۔آپﷺ کی نظر میں ایسی طاقت تھی کہ بڑے بڑے جابر حکمران اور پہلوان زیر ہو جاتے تھے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ پر آپﷺ کی نظر پڑی تو وہ اخلاق کا پیکر بن گئے انہوں نے دنیا پر حکمرانی کی۔یہ آپ کی نظر کا ہی فیض ہے اختر ہو شیار پوری نے اس موضوع کو بھی اپنی نعوت میں ایک انوکھے رنگ سے پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے اختر نے آپ ﷺ کی زندگی کا بڑا عمیق مطالعہ کیا ہے اس لئے آپ نے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے نظرکے حوالے سے چند ایک نعتیہ اشعار دیکھیں۔

اُس نے گلیوں کے خزف ریزوں کو تابانی دی
پھر وہؐ خورشید بدن تا دمِ محشر جاگا(۹۱)

زندگی ہے تو اُنؐ کے در سے ہے
حسنِ عقبیٰ بھی اُس نظر سے ہے (۹۲)

اس سمت بھی ہاں اک نظر اے صاحبِ لو لاکﷺ
یہ دل بھی اسیرِ غم و آلام ہوا ہے(۹۳)

بہارِ طیبہ کا ذکر

مختلف شعراء نے اپنی نعوت میں دیگر شمار موضوعات کے ساتھ ساتھ ''بہار'' کو بھی کبھی حضور ﷺ کی آمد قرار دیا ہے کبھی طیبہ کی خاک کو زندگی کی بہارقرار دیا ہے۔اسی طرح اختر ہوشیار پوری نے بھی اس موضوع کے ذریعے اپنے گلشن میں پھول کھلانے کی کوشش کی ہے۔دیکھنے کو یہ ایک عام سا موضوع ہے مگر اختر ہوشیار پوری کا یہ خاصہ ہے کہ انھوں نے جس موضوع کو بھی ہاتھ لگایا ہے وہ اہم ہو گیا ہے۔اسی موضوع پر اختر کے چند اشعار دیکھیں۔

خاکِ طیبہ ہے زندگی کی بہار
پھول مہکے ہیں میرے سینے میں (۹۴)

وجہِ بہارِ زیست مدینے کا پھول ہے
میری رگوں میں خوں نہیں حُبِ رسول ﷺ ہے (۹۵)

گردِ طیبہ بہار ہوتی ہے
زیست کا اعتبار ہوتی ہے(۹۶)

تیری ﷺ چوکھٹ پہ بدلتی ہے بہار اپنا وجود
زینہ زینہ میں گُلوں کو یہاں داخل سمجھوں (۹۷)

سیرتِ نبی ﷺ کا ذکر

اختر ہوشیار پوری چونکہ ابتدا میں اردو غزل لکھتے تھے اسی طرح ان کی گیارہ کتابیں اردو غزل پر مشتمل ہیں۔انھوں نے غزل کی طرز پر ہی نعت لکھنا شروع کی انہوں نے اپنی نعت میں نئے نئے موضوعات کو متعارف کروایا لیکن سب سے اہم حضور ﷺ کے فضائل، شُمائل ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے آپ ﷺ کی سیرت اور اسوہ ٔ حسنہ کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی۔اس طرح کی نعتوں کو پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کی سیرت لوگوں کے دلوں پر منقش ہوتی جاتی ہے۔اختر ہوشیار پوری اپنی نعتوں میں حضور ﷺ کی سیرت نقش یوں واضح کرتے ہیں۔

اِک مصطفیٰ کا نام ہے نامِ خدا کے بعد
پھر دو جہاں میں کچھ بھی نہیں مصطفیٰ کے بعد (۹۸)

ایک اور جگہ پر اخترہوشیارپوری نے نہایت عاجزانہ انداز مین حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت کو بیان کرنے کوشش کی ہے انداز دیکھیں:

اخلاق سیرت آپؐ کی
اطوار عادت آپؐ کی
انسان سارے گُنگ ہیں
قرآن مدحت آپؐ کی
سجدہ گذاری حق کی ہے
ہم پر اطاعت آپؐ کی (۹۹)

غارِ حرا کا ذکر

آپ ﷺ کی ذات کا ایک اور معتبر حوالہ ''غارِ حرا'' ہے۔غارِ حرا وہ متبرک جگہ جہاں آپ ﷺ نبوت سے پہلے ہی ریاضت عبادت کے لئے جاتے تھے۔اللہ رب العزت کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔اسی مقام پر جبرائیل امین آپ ﷺ پر وحی نازل لے کر آئے اور آپ کو نبوت کا تاج پہنایا گیا۔اسی مقام پر آپﷺ پر پہلی بار وحی نازل ہوئی۔یوں غار حرا سے علم و ادب کی وہ کرنین پھوٹیں جس سے ساری دنیا روشن و منور ہوگئی۔اختر ہو شیار پوری نے بھی غار حرا کے تقدس کو مد نظر رکھتے ہوئے۔اس کا ذکر خوبصورت انداز میں کیاہے۔یہ نہ صرف انسانوں کے لئے متبرک مقام ہیں بلکہ فرشتے بھی اس مقام پر بڑے ادب و احترام سے آتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے ان مناظر کوان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

حرا کی خیر کے عالم میں نیک نام ہوا
دُرودِ حرفِ محبت ہوا سلام ہوا (۱۰۰)

اتنی شیریں تھی صدا وجد میں ہے روح بشر
یوں سرِ غارِ حرا حرف کا پیکر اترا (۱۰۱)

میں اختر صرف اتنا جانتا ہوں
حرا کا نُور ہی نُورِ سحر ہے (۱۰۲)

جو اک آواز اٹھی تھی حرا سے
حریم جاں میں اب تک گونجتی ہے(۱۰۳)

حضور نبی کریم ﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی اتری اور انھوں نے لفظ اقراء پڑھا۔اختر ہوشیار پوری نے اس لفظ کو بھی اپنی نعتیہ شعر میں یوں موضوع بنایا ہے۔

حریمِ بار گہہِ مصطفی نے بخشاہے
سرودِ زیست جو پھیلاہے حرفِ اقراء سے(۱۰۴)

روضے کی جالی کا ذکر

اکثر نعت گو شعراء نے روضے کی جالی، رحمت مثالی کا ذکر اپنی نعوت میں کیا ہے۔ان تمام اشیاء کا ذکر صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ ان کی نسبت نبی کریم ﷺ سے ہے۔انسان کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ہر ادا اور اشیاء سے محبت ہو جاتی ہے۔دیگر شعراء کی طرح اختر ہوشیار پوری نے بھی اپنی نعتوں میں ان تمام اشیاء کا ذکر دل کھول کر کیا ہے۔جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ذات سے ہے۔ان کی ایک نعت میں شعر دیکھیں۔

یہ روضے کی جالی ہے یہاں کھلتے ہیں اسرار
اخترؔ میں لبِ ساغرِ جم چوم کے خوش ہیں (۵۰۱)

اس موضوع کے اعتبار سے ایک اور نعت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

وہیں سے چاند ابھرتا ہے وہیں دن رات ملتے ہیں
وہ چہرہ اجلا اجلا ہے وہ کملی کالی کالی ہے
یہ ساعت کاش رک جائے یہ لمحہ تا ابد جائے

مرا دستِ تمنا ہے ترے ﷺ روضے کی جالی ہے
گداؤں کو شہنشاؤں کا رتبہ بخشنے والے
ترا ﷺ اندازِ رحمت منفرد ہے اور مثالی ہے (۱۰۶)

مشعلِ راہ سراپا رحمت

آپ ﷺ محسن انسانیت، سراپا رحمت، راحتِ قلب و سینہ، سرکارِ مدینہ، کائنات کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور معلمِ کائنات تھے۔آپ ﷺ نے دنیا میں امن کا بول بالا کیا۔آپ ﷺ کی ذات جس نے دم توڑتی، بلکتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو سہارا دیا۔آپﷺ نے غلامی میں جکڑی ہوئی قوم کو آزاد کروایا۔آپ ﷺ نے ذہنی و پستی و بے راہ روی میں مبتلا قوم کو ظلمت جہالت کی وادیوں سے نکال کر ایک روشن اور منور راستے پر گامزن کیا۔سب کو سیدھا راستہ دکھایا۔ظلم و بربریت کی جگہ نظام عدل اور مساوات دیا اور ان لوگوں کی زندگیوں کو اسلام کی روشنی سے تابناک کیا۔آپ ﷺ نے اپنے نرم لہجے اور اخلاق سے تمام لوگوں کو اپنے قریب کر لیا۔اس حوالے سے اختر ہوشیارپوری کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

نرم لہجے سے کیا سارے زمانے کو قریب
دشمنی تھی اگرچہ اپنوں کو بہت اسلام سے(۱۰۷)

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے اس کائنات میں اجالا اور روشنی ہے۔ہر طرف اندھیرے ہی اندھیرے تھے آپﷺ کے آنے سے ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔اس موضوع کو اختر ہوشیار پوری نے اپنے لب و لہجے میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اس حوالے سے انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں روشنی کو مختلف حربوں سے بیان کیا ہے۔

اشعار ملاحظہ ہوں:

زندگی آگہی روشنی آپ ﷺ سے
مجھ کو کیا کیا ملی تازگی آپ ﷺ سے(۱۰۸)

تُوہی جمالِ انساں تُو ہی کمالِ انساں
روشن ہوا تجھی سے فانوس راستی کا(۱۰۹)

آپﷺ کی ذات اقدس نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں کے لئے بھی باعثِ رحمت اور حسن اخلاق کا منبع و مرکز تھی۔اس کائنات میں بسنے والے ہر انسان کے لئے آپﷺ کی ذات ایک عملی نمونہ ہے۔آپﷺ کا دشمنوں کے ساتھ رویہ بھی بڑا با اخلاق اور نرم ہوتا تھا۔اختر ہوشیار پوری نے آپ ﷺ کی اس صفت کو ایک شعر مین یوں بیان کیا ہے۔

کڑکتی دھوپ میں بھی دشمنوں سے
صبا کے لہجے میں وہؐ بولتا ہے (۱۱۰)

آپ ﷺ کے آنے سے بنجر زمینوں میں بھی تازگی اور بہار لوٹ آئی۔خشک دریاؤں میں پانی کی روانی شروع ہو گئی خشک درختوں پر برگ و بار کا موسم کھل اٹھا۔بہت سے اشعار اس حوالے سے نعت کا حصہ بنے مگر اختر ہوشیار پوری نے اپنی نعتوں میں یوں اس موضوع پر طبع آزمائی کی۔

بنجر زمین پہ فیض کے چشمے ہوئے رواں
سارے جہان پہ اسؐ کا ہے احسانِ زندگی(۱۱۱)

ایک اور جگہ پر انداز دیکھیں۔

سوکھی فصلوں کو نمو کا پیغام
حشر تک ابرِ گہر بار ہیں آپﷺ

دھوپ میں پیڑوں کا ٹھنڈا سایہ
شب میں قندیلِ ضیا بار ہیں آپﷺ(۱۱۲)

ایک اور جگہ دیکھیں کہ آپﷺ کے آنے سے ظلمت کے سائے چھٹ گے اور ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا۔

ظلمت کدۂ جاں میں چراغاں ہے تمہیں سے
اس گھر کے اندھیرے میں تمھیں نُور فشاں ہو (۱۱۳)

قمررعینی کا شمار اختر ہوشیارپوری کے ہم عصروں میں ہوتا ہے۔وہ اختر ہوشیارپوری کی کتاب رسالت مآب پر تبصرہ کرتے ہیں اور اختر ہوشیارپوری نعتیہ شاعری پر بھرپوری رائے دیتے ہیں۔قمر رعینی، اختر ہوشیارپوری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔

''اختر صاحب تو خود ایک پختہ کار اور منجھے ہوئے شاعر ہیں حُبِ رسول سے سر شار ہیں اور زبان و بیان پر بھی دسترس ہے۔''(۱۱۴)

کرنل (ر) سید مقبول حسین نے اختر ہوشیار پوری کی نعت کے حوالے سے ایک جگہ پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

''انہوں نے نعت بھی کامیابی اور لگن سے لکھی وہ اپنے عہد کے کامیاب اور قابل ذکر شاعروں میں سے ایک ہیں۔''(۱۱۵)

اطاعتِ رسول ﷺ تکمیل ایمان:

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہی اصل ایمان ہے۔آپﷺ کی ذات سے بے پناہ محبت اور آپﷺ کی عادات و خصائل پر عمل کرنا ہی ایمان کی پختہ نشانی ہے۔اس موضوع پر بھی اختر ہوشیارپوری نے بہت سے نعتیہ ا شعار لکھے ہیں۔وہ ایمان کے ''لفظ'' کو مختلف انداز سے اپنے نعتیہ اشعار میں لکھتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری سمجھتے ہیں کہ اصل ایمان کا محور تو آپ ﷺ کی ذات ہے۔اخترہوشیارپوری کے اشعار دیکھیں:

حبِ نبیﷺ ہے دولت ایمان و آگہی
یک گو نہ منزلیں ہیں مدینے کی راہ میں (۱۱۶)

محمد سرورِ دیں ہیں محمد سرور عالم
جو ان کے در پہ پہنچا حاصل دنیا و دیں ہو گا(۱۱۷)

ایمان و دین کی نکہتیں رگ رگ میں بس گئیں
مجھ پر ہوا وہ لطف شمیمِ گلاب کا (۱۱۸)

اختر ہوشیار پوری نے نبی آخر الزماں ﷺکی وہ تصویریں کھینچی ہیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کا کہنا ہے کہ اس کائنات میں رنگ و نور کی جتنی بارشیں ہیں وہ آپ ﷺ کے دم سے ہیں۔اختر ہوشیارپوری آپ ﷺ کی ذات کے حوالے سے یوں اپنا شعری خیال پیش کرتے ہیں:

رنگِ شفق جمالِ سحر نورِ آفتاب
عالم تمام اُنؐ کے نقوشِ قدم میں ہے (۱۱۹)

انوار محمدﷺ سے چراغاں ہے دلوں میں
اور ذروں میں تابانی خورشید و قمر ہے(۱۲۰)

حدیثِ حرف میں اختر کا انداز دیکھیں۔

اُن ﷺ کی چشمِ کرم کا صدقہ ہے
روشنی، روشنی متاعِ گہر(۱۲۱)

فضائے طیبہ نے بخشی ہے تنویر سحر ایسی
کہ اپنا دل بھی نورانی ہے اپنی جاں بھی نورانی(۱۲۲)

معجزات کا ذکر

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو دیکھ کر پتھروں نے بھی کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا۔یہ آپﷺ کی ذات کا ہی اعجاز تھا کہ آپﷺ کے سامنے بڑے بڑے جابر حکمران سرنگوں ہو گئے۔اس موضوع کو بھی اختر ہوشیار پوری نے اپنے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپﷺ کی ذات کی وجہ سے سنگریزوں نے کیا کیا رفعتیں پائیں۔خیر البشر میں ایک شعر دیکھیں:

زمین کے سنگریزوں نے بھی پائیں رفعتیں کیا کیا
محمدؐ کی وساطت سے محمدؐ کی عنایت سے(۱۲۳)

لوگ کافر سے مسلمان ہوئے
زیست نے معجزہ دیکھا تیرا(۱۲۴)

خاتم المرسلین میں اختر ہوشیار پوری کا انداز دیکھیں۔

لوگوں نے گفتگو کے قرینے بدل دیئے
یہ معجزہ ہے ذکرِ رسالت مآبؐ کا (۱۲۵)

انگلی کے اشارے سے کیے چاند کے ٹکڑے
یہ عرصۂ کونین میں اعجاز بدن ہے(۱۲۶)

طیبہ کا حسن نور کی روداد اشتیاق
حرفِ اذان کے معجزے ان ﷺ کی گلی سے ہیں(۱۲۷)

آنحضور ﷺ کی غلامی و گدائی:

ایسا کوئی مسلمان یا نعت گو شاعر نہیں ہے جس کو مدینے کی طلب نہ ہو۔آپ ﷺ سرکار کے قدموں میں رہنے کی خواہش ہر نعت گو شاعر نے کی ہے۔شہر مدینہ اور آپ ﷺ کا روضہ مبارک دیکھنا باعث رحمت اور باعث برکت ہے۔اسی لئے اختر ہوشیار پوری نے بھی اس خواہش کا اظہار اپنی نعوت میں کیا ہے انداز ملاحظہ ہو:

میں بندۂ ناچیز طلبگارِ مدینہ
قدموں میں بلا لو مجھے سرکارؐ مدینہ (۱۲۸)

ایک اور جگہ دیکھیں۔

طیبہ سے ہی ہوں رابطے باقی
اور بے شک نہ کچھ رہے باقی (۱۲۹)

صحرائے عرب میں ایک سجدہ کرنے کی خواہش کو اخترہوشیارپوری نے کس نفاست سے بیان کرنے کوشش کی ہے۔

ممکن ہو تو ہمراہ کبھی لے چلو یارو
اک سجدہ مجھے کرناہے صحرائے عرب میں (۱۳۰)

ایک اور جگہ پر اخترہوشیارپوری خاکِ طیبہ کو دولتِ ایمان کہتے ہیں۔وہ اس خاک کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں بسانا چاہتے ہیں۔گویا نہ صرف دولتِ ایمان ہے بلکہ زندگی کی روانی بھی اختر ہوشیارپوری طیبہ کی خاک کو ہی گردانتے ہیں۔اس لحاظ سے دیکھیں اختر ہوشیارپوری نے کیسا اچھوتا مضمون باندھا ہے۔گویا وہ نبی کریم ﷺ کی غلامی میں ہمیشہ رہنا چاہتے ہیں۔

میں خاکِ طیبہ کو سانسوں میں بساتا ہوں
میرے لئے یہ دولت ہی دولتِ ایمان ہے(۱۳۱)

مدینہ میں رہنے کی آرزو

اختر ہوشیار پوری کو اپنے دیس سے بہت محبت تھی۔حُب الوطنی ان کی تمام شاعری کا اہم موضوع رہا ہے۔اگرچہ اخترہوشیارپوری کو اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے۔اختر ہوشیارپوری کی نظر میں وطن کی اہمیت بہت ہے مگر وہ پھر بھی مدینہ کی فضاؤں میں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔اسی موضوع کے حوالے سے نعت کا ایک خوبصورت شعر:

یا خدا مجھ کو مدینہ کی ہواؤں میں اتار
ارض ِ پاکستان بھی بے شک ترا کاشانہ ہے (۱۳۲)

اربابِ مدینہ میں ہیں انسان بھی ملک بھی
اور میں کہ فقط ان ﷺ کا طلبگار رہا ہوں (۱۳۳)

بس ایک کوچۂ طیبہ ہے زندگی کا مقام
وگرنہ کوئی بھی عنوان کائنات نہیں (۱۳۴)

کوئے طیبہ کو چلوں آنکھیں بچھاتا جاؤں
ہم سفر ہو کہ نہ ہو سجدے لٹاتا جاؤں
ان کے کوچے ہی میں رک جانا ہے مجھ کو اخترؔ
بارِ ہستی کو کہاں تک میں اٹھاتا جاؤں (۱۳۵)

ارضِ طیبہ ہے اور میرا سر ہے
اب نظر میں جزائے محشر ہے(۱۳۶)

آنحضور ﷺ کی مدح سرائی

نعت دراصل آپ ﷺ کی ذات و صفات میں ڈوب کر لکھی جاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے آپ ﷺ کی ذات کے ایک ایک گوشے کو نعت میں ڈھالنے کی کوشش کی۔وہ آپﷺ کی

صفات کے بارے میں بڑی عمدگی سے اپنے خیالات کو کاغذوں پر نچھاور کرتے ہیں۔ ہمارے بہت سے مکتبہ فکر اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ آپﷺ کی ذات نور ہے یا بشر مگر اختر ہوشیار پوری نے اپنی نعتوں میں آپﷺ کو نور اولین قرار دیتے ہیں۔اختر کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ نُورِ اولین بھی وہؐ ختمِ الانبیاء بھی
لیکن میں سوچتا ہوں وہؐ اس سے ہیں سوا بھی
رحمت کی بدلیوں میں تنویر کی حدوں میں
وہؐ حسنِ آدمی بھی وہؐ نورِ کبریا بھی (۱۳۷)

ایک اور جگہ انداز دیکھیں:

تُوﷺ نور کا منبع ہے میں مٹی کا ہیولیٰ
لیکن ترے صدقے کہ میں اپنے سے سوا ہوں (۱۳۸)

اس بارگاہ قدس کی روداد دلپذیر
ہر آنکھ جھک گئی کہ وہ گردوں جناب(۱۳۹)

وہ کہ ہیں شفقتِ کل مرحمتِ کل اختؔر
ان کے دروازے پر جو پہنچا ہوا بندۂ خاص(۱۴۰)

حبِّ رسول ﷺ

شاعر کے دل میں حضور نبی کریم ﷺ محبت جس قدر زیادہ ہوگی اس کے کلام میں کیف و سرور اور اثر انگیزی اس قدر زیادہ ہو گی اگر اس کے دل میں آپ ﷺ کی محبت کی چاشنی کم ہے تو اس کا کلام روکھا سوکھا ہو گا اور اس کے کلام میں حلاوت اور شرینی بہت کم ہو گی۔اختر ہوشیار پوری کا سارا کلام ہمیں آپ ﷺ کی محبت سے گندھا ہوا نظر آتا ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جس کی وجہ سے محبوب کی ہر ادا بہت پیاری لگتی ہے۔اختر کا نمونہ کلام دیکھیں۔جس میں آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ محبت کا والہانہ اظہار پایا جاتاہے۔

کیا پوچھتے ہو حبِّ نبیﷺ میں شعور کی
یہ منزلیں ہیں عالم جاں میں سرور کی(۱۴۱)

نعت اک حرفِ محبت ہے لبوں پر اختر
دل کو جو دولتِ شیریں سخناں دیتی ہے(۱۴۲)

میں نعت کی عظمت کا کیا اور کہوں احوال
یہ حرف کی دولت ہے اظہار محبت ہے(۱۴۳)

فرشتوں کے پروں کی پھرپھراہٹ سنتا رہتا ہوں
میں ان ﷺ کا نام لکھ کر چومتا ہوں جب محبت سے(۱۴۴)

آمد رسول ﷺ بہارِ جنت

اختر ہوشیار پوری نے آپ ﷺ کی آمد کو بہارِ باغ و نعمت اور جنت قرار دیا ہے آپﷺ کی وجہ سے سورج میں روشنی اور پھولوں میں خوشبو ہے۔اخترہوشیارپوری نے ان تمام موضوعات پر بڑی خوش اسلوبی سے خامہ فرسائی کی ہے۔اس موضوع پر اختر ہوشیار پوری کے دو شعر دیکھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی آمد بہار باغِ نعمت ہے
کہ یہ نعمت ہے افلا کی نسیم کوئے جنت ہے
اُنہیں کے فیض سے خورشید نے تابانیاں پائیں
اُنہیں سے پھول میں خوشبو گلستانوں میں نکہت ہے(۱۴۵)

ایک اور جگہ پر انداز دیکھیں

پھولوں میں رنگ، رنگ میں ندرت تمھیں ﷺ تو ہو
گلزارِ کائنات کی زینت تمہیں ﷺ تو ہو(۱۴۶)

دلوں کی دھڑکنوں میں روح کے سنگیت بھی ہوں گے
نفس کی آمد و شد میں گلستاں مسکرائے گا(۱۴۷)

انسان علاجِ گردشِ ایام پا گیا
آپ ﷺ آگئے تو زیست انعام پا گیا(۱۴۸)

حضور ﷺ کی آمد سے چہروں پر نور اور تمام زخم مندمل پڑگئے۔اس موضوع کو اختر ہوشیار پوری نے ایک نعتیہ شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

تُوﷺ آگیا تو چہروں پر اک نُور آگیا
سب زخم بھر گئے جو تھے اب تک چھِلے ہوئے(۱۴۹)

جمالِ ظاہری کا بیان

نعتیہ کلام لکھنے والے شعرا نے آپﷺ کی ذات آپﷺ کے پیکر اور آپﷺ کے ایک ایک عضو یعنی آنکھیں، ماتھا، زلفیں، نقشِ قدم اور رنگ کو نعتوں میں موضوع بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اختر ہوشیار پوری بھی اس سلسلے میں پیچھے نہیں رہے بلکہ بڑے خوبصورت اور نفاست سے اس موضوع پر لکھنے کی کوشش کی ہے۔اپنے مجموعہ کلام ''مجتبیٰ'' وہ یوں لکھتے ہیں۔

والشمس کی تنویر کو ماتھے پہ سجائے
والیل کی میں زلف کا خم چُوم کے خوش ہوں (۱۵۰)

ایک اور جگہ پر انداز دیکھیں جس میں آپﷺ کے ''سائے'' اور آپ ﷺ کے لہجہ کا ذکر ہے۔

تیرے سائے میں چاند کی ٹھنڈک
تیرے لہجے میں ندیوں کا خرام (۱۵۱)

ایک جگہ پر آپ ﷺ کی ''نظر'' کو محبت اور چاہت کا سامان قرار دیا ہے اختر کا انداز دیکھیں:

محبت فیض ہے اُنؐ کی نظر کا
تمنا ان کی چاہت کا ثمر ہے (۱۵۲)

چونکہ اخترہوشیارپوری کے محبوب نبی اکرم ﷺ ہیں۔وہ آپ ﷺسے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔انکی ذات کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے اختر آپﷺ کے چہرے مبارک کے خدو خال کو بھی بہت خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں اور انکے چہرے کو چاند کہہ کر اپنے اس شعر میں استعاراتی رنگ دیتے ہیں۔اس شعر میں حضور پاک ﷺ کے چہرہ مبارک کا ذکر دیکھیں۔

وہ چہرہ دور سے نزدیک سے بھی
کہ جیسے چودھویں کی چاندنی ہے(۱۵۳)

ہونٹوں کی جنبشوں سے قیامت ہے سرخرو
وہ خود ہی اک سوال ہے خود ہی جواب ہے(۱۵۴)

آپ ﷺ کے پیکر کے متعلق سید امتیاز حسین کاظمی اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔
''قرآن حکیم صحیفۂ رشد و ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ میرے آقا جان کائنات کی بہترین نعتوں کا حسین ترین گلدستہ بھی ہے کہیں رب ذوالجلال نے والضحیٰ کہہ کر محبوب کے چہرے کی قسم کھائی تو کہیں زلف عنبرین کے لئے والیل بول کر اپنی محبت کا اظہار کیا کہیں والفجر کہہ کر پیشانی محبوب کی قسم فرمائی اور کہیں والعصر فرما کر ان پُرکیف اور با عظمت گھڑیوں کا مقام بیان کیا جن کے ساتھ محبوب کریم ﷺ کا تعلق ہے۔'' (۱۵۵)

حضور نبی کریم ﷺ کی سراپا نگاری پر تمام شعرا نے اپنی بساط کے مطابق اشعار کئے ہیں گویا سراپا نگاری ایک اہم اور بہت بڑا موضوع ہے سراپا نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید یوں کہتے ہیں۔

> ''جدید اسلوب نعت میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت و سوانح کو مستند حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلم بند کیا گیا۔ نیز پیام رسالت اور مقصد رسالت، تمدن و معاشرت پر آپ ﷺ کے احسانات اور بنی نوع انسان کے لئے آپ ﷺ کی تعلیمات پر مبنی ضابطہ حیات کے تعارف و تذکار کی طرف توجہ دی گئی۔''(۱۵۶)

روز حشر وسیلۂ شفاعت

قیامت کا دن روزِ جزا کا دن ہے۔ جس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ لوگ دوڑتے پھررہے ہونگے۔ بھائی بھائی کے کام نہیں آئے گا، بچہ والد کے کام نہیں آئے گا، ماں بیٹی کے کام نہیں آئے گی۔ ایک نیکی کے لیے لوگ ہزاروں کوشش کریں گے مگر ناکام ہو ں گے۔ اس موضوع کو اختر نے بڑی عمدگی سے اپنے نعتیہ پیرائے میں یوں بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی محبت

بھی جھلکتی ہے اور اور روزِ جزا کا خوف بھی ختم ہو جاتا ہے ''رسالت مآب میں اختر کا ایک شعر دیکھیں۔

میں اُن ﷺ کے قدم چوم کے طیبہ سے چلا ہوں
اخترؔ مجھے اب فکر نہیں روزِ جزا کی(۱۵۷)

گویادل کو تسلی ملتی ہے اور قوت ایمان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری نے عشق محمد ﷺ کو روزحشر شفاعت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔اس حوالے سے مزید اشعار ملاحظہ ہوں جن میں اختر ہوشیارپوری نے نبی کریم ﷺ کی ذات کو وسیلۂ شفاعت ٹھہرایا ہے۔

یہاں جو آئے گا گلزار جنت کا مکیں ہو گا
یہ طیبہ ہے یہاں ذرہ بھی خورشید جبیں ہو گا
مسافر کو مدینہ منزل اعزاز و حشمت ہے
کہ اس نگری کا اک اک موڑ فردوس بریں ہو گا(۱۵۸)

شافع محشر نے بھی سب کے دل کی باتیں سن لی ہوں گی
اور ہر جانب قدم قدم پر ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ہو گا(۱۵۹)

زمینِ شور ہوئی تجھ سے ہی بہشت آثار
کہ تیرے ﷺ نام کا چرچا جہاں میں ہر سو ہے(۱۶۰)

ہم گنہگار ترے سائے میں ٹھہریں گے یہاں
وہ بھی ہوں گے جنہیں حاصل ترا عرفان ہو گا (۱۶۱)

وادی طائف کا ذکر

آسمان کے فرشتے صرف دو دفعہ روئے ہیں ایک دفعہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے لٹایا گیا اور دوسرا جب وادی طائف میں آپ ﷺ کی ذات پر پتھر برسائے گئے اور آپ خون سے لہو لہان ہو گئے لیکن آپ ﷺ کی زبان سے طائف والوں کے خلاف ایک لفظ بھی نہ نکلا۔وہ چاہتے تو ان کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل سکتے تھے اس واقعہ کو اختر ہوشیار پوری

نے اپنا موضوعِ نعت بنایا ہے اور دوشعروں میں طائف کی داستان کو دہرانے کی بڑی کامیاب کوشش کی ہے۔اختر ہوشیار پوری کا انداز دیکھیں:

نرم لہجے سے کیا سارے زمانے کو قریب
دشمنی تھی گرچہ اپنوں کو بہت اسلام سے
داستانِ طائف کی دہرائی گئی نزدیک و دور
صبح آ کر ہی رہی لیکن نبیؐ کے نام سے(۱۶۲)

اس طرح سے مختلف جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے نبی کریمﷺ کی ذات کو امن کا گہوارہ قرار دیتے ہیں۔اس حوالے سے اشعار دیکھیں:

میان عرصۂ طائف ہو کہ بدر و حنین
تُو ﷺ آدمی کے لیے امن کا پیام ہوا(۱۶۳)

طائف کی گلیاں خوں سے جو گلرنگ کر گیا
وہ دشت دشت آبلہ پا اور کون ہے(۱۶۴)

مساوات و برابری

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر فوقیت حاصل نہیں اس کی بارگاہ میں سب ایک ہیں۔اسلام کا یہ بڑا سنہری اصول ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں شاہ و گدا، امیر غریب، چھوٹا بڑا، کالا گورا سب برابر ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے اس بات کو بھی اپنے نعتیہ اشعار میں یوں پرویا ہے کہ دیکھنے اور پڑھنے والا داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اختر ہو شیار پوری نے اپنی کتاب ''خیرالبشر'' میں اس بات کو بڑے واضح انداز میں بیان کرنے کی جسارت کی ہے انداز ملاحظہ ہو۔

تیرے ہی آنے سے مٹا شاہ و گدا کا امتیاز
ایک ہی صف میں آگیا سارا نظامِ کائنات(۱۶۵)

انصاف کا پرچم بھی مینارِ صداقت بھی
کعبہ کی ہیں نصرت بھی وہ حق کی مدد بھی ہیں (۱۶۶)

ایک اور جگہ دیکھیں:۔

تو آیا تو ہر فرق مٹا شاہ و گدا کا
انسان تو ورنہ تھا خود اپنے ہی بھنور میں (۱٦۷)

نہ پستیوں سے حقارت نہ چوٹیاں ہی عزیز
سلوک ان کا مساوی ہے خاص و عام کے ساتھ(۱٦۸)

گنبد خضریٰ کا مقام

ہر دور کے نعت گو شعرا کے لئے ''گنبدِ خضریٰ'' فیوض و برکات کا مرکز رہا ہے۔ مسلمانوں اور اہل عشاق کے لئے نہایت ہی ادب و احترام کا مقام ہے۔گنبد حضریٰ سے نکلنے والی نور کی شعاعیں نہ صرف آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں بلکہ دلوں کو منور اور تابندہ کرتی ہیں۔اس کے طفیل ان کی تمام دلی خواہشات پوری ہوتی ہیں۔شعرا نے ''گنبدِ خضریٰ'' کو نعوت میں با قاعدہ موضوع کے طور پر برتا ہے۔اس بات کا اظہار نعت گو شعرا ء نے بڑے پیار اور خلوص سے کیا ہے یوں ''گنبدِ خضریٰ''سے ان کی محبت دراصل سرور کونین ﷺ سے محبت و عقیدت کا اظہارہے۔اس سلسلے میں اختر ہوشیار پوری کے اشعار دیکھیں:

یوں دمکتا ہے گنبدِ خضریٰ
جیسے ماہِ تمام ہوتا ہے (۱٦۹)

میں جو سوتے میں کبھی گنبدِ خضرا دیکھوں
آنکھ کھل جائے تو کیا جانیے کیا کیا دیکھوں (۱۷۰)

گنبد خضریٰ کی زیارت کے حوالے سے طارق عزیز اپنے مقالے میں یوں لکھتے ہیں۔

گنبد خضریٰ کی زیارت سے دلوں سے دنیاوی لذت و خواہش کے رنگ اترنے لگتے ہیں عشاق دل قرار پاتے ہیں اور ان کے سینوں میں ایمان کا نور اترنے لگتا ہے۔(۱۷۱)

اس بات کو اختر ہوشیارپوری اس طرح اپنے نعتیہ مضمون میں باندھتے ہیں:

تصویر کے جلووں ہی سے خیرہ ہیں نگاہیں
کیا آنکھ اٹھائیں تیرے گنبد کی طرف سے(۱۷۲)

ایک اور جگہ پر طارق عزیز یوں لکھتے ہیں:

''گنبد خضری کی ہر یالی دلوں کی ویرانیوں کو شادابیوں میں تبدیل کر دیتی ہے یہ ہر یالی زندگی میں بہار کا باعث بنتی ہے''(۱۷۳)

شافع رسولﷺ:

اردو نعت کا ایک اور اہم موضوع شافعِ رسول ﷺ کا وصف شفاعت ہے۔حضور نبی کریم ﷺ یوم حساب کے دن اپنی امت کی شفاعت کریں گے جو دربار الہیٰ مین مقبول ہو گی۔ہم بحثیت مسلمان اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے طلبگار اور امیدوار ہیں۔ اختر ہوشیار پوری نے اس موضوع پر بھی اشعار کہے ہیں۔

اطاعتِ رسول ﷺ اختر ہوشیار پوری کی نعتوں کا ایک اہم موضوع ہے آپﷺ کی اطاعت دراصل اللہ رب العزت کی اطاعت ہے اسی میں تمام مسلمانوں کی کامیابی کا راز ہے اس لئے جہاں اللہ کا ذکر ہو گا وہاں نبی پاک ﷺ کا ذکرہو گا۔اس موضوع پر اخترہوشیارپوری نے بہت خوبصورت نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی ایک جگہ یوں کہتے ہیں:

انسان کی خلافتِ ارضی و نیابت الہٰی اسوہ رسول ﷺ کو اپنانے اور اپنی زندگی میں جاری و ساری کرنے میں ہے۔(۱۷۴)

صلوۃ و سلام

اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میں بھی اپنے پیارےﷺ پر درود بھجتا ہوں۔آپ بھی درود پاک بھیجیں۔درود پاک پڑھنے سے دلوں میں نفرتیں اور کدورتیں ختم ہوجاتی ہیں۔آپس میں پیار محبت اور باہمی یگانگت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔اس کائنات میں بسنے والی ہر اک شے آپﷺ کی ذات سے بے حد و حساب محبت کرتی ہے اور آپﷺ کی زندگی کو اپنے لئے راہنمائی سمجھتی ہے۔ اختر ہوشیار پوری نے بھی اس موضوع کو بار بار اپنی نعتوں میں روشن کرنے کی کوشش کی ہے ان کا انداز دیکھیں۔

درودوں کی صداؤں کے تصدق
میں اپنے قد سے اونچا ہو گیا ہوں (۱۷۵)

حمد خدا کے بعد درودِ نبی ﷺ بھی ہے
یہ رمز بیخودی صلہ آگہی بھی ہے(۱۷۶)

ذکر رسول ﷺ کیجیے یاد مدینہ کیجیے
حرفِ درود پاک سے دل کو نگینہ کیجیے(۱۷۷)

اختر ہوشیارپوری کی آپ ﷺ کی مدحت کے حوالے سے سید امتیاز حسین کاظمی ایک مضمون ''نعت گوئی کے افق پر چمکتا ہوا ستارہ'' میں لکھتے ہیں:

''نعت گوئی کے افق پر ماہ تاباں اور مہر درخشاں بن کر ابھرنے والی شخصیت محترم جناب اختر ہوشیارپوری کی بھی ہے۔ان کی نعتیہ شاعری کا ایک منفرد انداز ہے۔وہ مدحت رسول ﷺ میں اشعار رسمی شاعرانہ تخیل کے پیش نظر نہیں کہتے بلکہ ان کی شاعری میں حقیقت کا رنگ واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ان کے نعتیہ شاعری کے ایک ایک شعر سے عشق رسول ﷺ، تعظیم نبی ﷺ، ہجر محبوب میں وارفتگی کا رنگ جھلکتا ہے۔گویا ان کی زندگی کا مقصد اوّلین ہی یہ ہے۔

ہمیشہ مدحت خیر الانام میں گزرے
دعا ہے عمر درود و سلام میں گزرے
درود پڑھتے ہوئے حشر میں چلو اختؔر
یہ مرحلہ بھی اسی اہتمام میں گزرے''(۱۷۸)

اصحاب ؓ رسول ﷺ کا مقام:

ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی پیروی کرو کے فلاح پاؤ گے۔اللہ کے نبی ﷺ کے صحابہ ؓ کی زندگی بھی ہمارے لئے ایک نمونہ ہے۔جو بھی اس پر

عمل کرے گا کامیابی و کامرانی اس کا مقدر ٹھہرے گی۔اس موضوع کو بھی اختر ہوشیار پوری نے اپنی نعت میں قلم بند کیا ہے۔انہوں نے اس موضوع پر بے شمار نعتیہ اشعار کہے ہیں۔وہ صحابہ کرامؓ کو کائنات کا جمال اور محبت کا منبع و مرکز سمجھتے تھے۔وہ لکھتے ہیں:

اُن ﷺ کے اصحاب ہیں عالم کا جمال
جیسے دامن میں محبت کے نگیں (۱۷۹)

ایک اور جگہ دیکھیں۔

تیرےﷺ ساتھی پھول کی خوشبو، تیرے صحابہ چاند کی کرنیں
اور تُوﷺ ہے ان سب سے مکرم(۱۸۰)

اصحابؓ محمد میں ہیں جبریل امین بھی
افلاک بھی کہتے ہیں یہی اور زمیں بھی(۱۸۱)

اختر ہوشیار پوری کو اردو کے نعتیہ ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔انھوں نے آپﷺ کی تعریف ہر رنگ اور طریقے سے کی۔وہ اپنی نعتیں کہنے کے متعلق بڑا فخر کرتے ہیں اور اپنی کتاب ''خیر البشر'' میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں۔

''میں اپنی نعت کے بارے میں کوئی دعوی نہیں رکھتا میرے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ ارض و سما کے مالک نے مجھے مسلسل نعت کہنے کی توفیق بخشی۔''(۱۸۲)

مسببِ کائنات

آپ ﷺ کی ذات مسبب کائنات ہے۔آپ ﷺ کی وجہ سے یہ کائنات تخلیق ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی تھے اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی ذات تھی۔جن پر تکمیل نبوت ہوئی۔آپ ﷺ نبی آخر الزماں ٹھہرے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب کو اس دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا تھا تبھی یہ کائنات وجود میں لائی گئی۔لہذا اس کائنات میں جتنی بھی رونقیں ہیں وہ آپ ﷺ کے دم سے ہیں۔کل کائنات میں آپ ﷺ کی ذات کو روشنی پھیلی ہوئی ہے۔آپ ﷺ کا لقب سرور کونین ہے۔آپ ﷺ کو رحمت اللعالمین جیسے عظیم لقب سے نوازا گیا۔بہرحال

اس کائنات کو بنانے کی اصل وجہ آپ ﷺ کی ذات اقدس تھی۔اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے محبوب سے یہ محبت کا ثبوت ہے۔اللہ نے سرکار کائنات بنا دیا۔جب تک آپﷺ نہیں آئے وحی کا سلسلہ جاری رہا اور آپ کے جانے پر وحی کا سلسلہ منقطع ہوا۔اختر ہوشیارپوری پیارے نبی کریم ﷺ کے سچے عاشق تھے۔وہ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اسی محبت نے ان کو نعت پہ نعت لکھ کر ایک عظیم اثاثہ جمع کر لیا۔جس میں مضامین کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ذات سے جڑی ہر چیز کو بہت خوبصورتی سے قاری کے سامنے رکھ دیا۔یوں وہ نعت نگاروں میں اعلیٰ مقام پر آگئے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی نعتوں میں بارہا اس بات کا تذکرہ کیا ہے آپ ﷺ سرکار دو جہان ہیں۔آپ ﷺکے دم سے زندگی سے متعلق ہر چیز میں چمک ہے۔چاند آپ ﷺ کی وجہ سے تابندہ ہے اور ستاروں میں چمک دمک بھی۔آپ ﷺ کی وجہ سے روشنی کائنات ہے۔اختر ہوشیارپوری اس خوبصورت مضمون کو یوں اپنے اشعار میں ڈھالتے ہیں:

انہیں ﷺ سے چاند تابندہ انہیں ﷺ سے دولت اخترؔ
حقیقت میں وہی ہیں چہرۂ کونین کا غازہ(۱۸۳)

اختر ہوشیارپوری نے آپ ﷺ کو مسبب کائنات قرار دیا ہے اس حوالے سے ایک خوبصورت نعت لکھ کر یوں اس بات کی تصدیق کی۔نعت کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

نام رسول پاک ﷺ کے صدقے میں کائنات ہے
عشق بھی ان سے کامراں شوق کی بھی نجات ہے
احمد پاک ہی سے رنگ گلاب و یاسمین
کیسا لطیف نام ہے کتنی حسین ذات ہے
کون و مکاں کی انجمن اختر و ماہ کا وطن
ان سے ہی دن کی روشنی ان سے ہی چاند رات ہے(۱۸۴)

حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ننانوے صفاتی ناموں سے نوازا۔اسی طرح سے خوبصورت القابات سے پکارا۔امی آپ کا ایک خوبصورت لقب تھا۔اختر ہوشیارپوری نے بھی انتہائی خوبصورتی کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کے نہ صرف ناموں کو جوڑابلکہ خوبصورت القابات کو بھی انتہائی ذہانت سے اپنے اشعار میں پرویا ہے۔ان کا یہ شعر اس بات کی وضاحت کرتا ہے۔

جہاں کی آفرینش کا سبب ہے
وہ جانِ علم جو امی لقب ہے(۱۸۵)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی نعتیہ شاعری میں حسین پھول پیش کرتے ہیں۔یہ سارے پھول آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اور ان سے جڑی ہر ایک چیز پر برسائے جاتے ہیں۔ان پھولوں میں مہک آپ ﷺ کی ذات سے ہے وہ انہی کے سبب مسکراتے ہیں۔باغ کا ایک ایک گل میں زندگی آپ ﷺ کی ذات کی وجہ سے ہے کیوں کہ ان کی مسکان کا سبب آپ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔اسی مضمون کو اختر ہوشیارپوری نے انتہائی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔وہ کہتے ہیں:

بزم کونین کا ساماں تجھ سے
باغ کا ہر گل خنداں تجھ سے
بزم کونین میں تجھ سے رونق
ہر قدم شمع فروزاں تجھ سے(۱۸۶)

وادیٔ بطحا

اختر ہوشیارپوری نے اپنی نعت میں نبی کریمﷺ سے جڑی ہر ایک چیز کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔گویا انہوں نے نعت کے ذریعے احادیث مبارکہ کی تشریح کرنا چاہی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے غار حرا کا ذکر کیا، وادی طائف کے موضوع کو دہرایا۔اسی طرح انہوں نے وادیٔ بطحا کے نام کو فراموش نہیں کیا۔اپنے تمام نعتیہ مجموعات میں اس وادیٔ بطحا کا ذکر کیا ہے۔اس حوالے سے اشعار ملاحظہ ہوں:

آنکھوں کا حرم بطحا دل کا ہے حرم طیبہ
یوں بھی تو ہوا اکثر روحوں میں رقم طیبہ(۱۸۷)

شہہ بطحاﷺ نے کچھ اس حسن سے راز نہاں کھولے
کہ دل بے ساختہ بولا رموز دو جہاں کھولے(۱۸۸)

جمال ازل کا یقین بطحا
ابد کا حسن اعتبار طیبہ(۱۸۹)

وادی بطحا کا ذکر اختر ہوشیارپوری نے بڑی اہمیت کے ساتھ کیا ہے۔ان کا یہ ذکر مختلف اشعار میں یوں سمویا جاتا ہے۔وہ کہتے ہیں:

منزل حق سے زمانہ کس قدر دوری میں تھا
حق مگر آ پہنچا بطحا کی سہانی راہ سے(۱۹۰)

ایک اور جگہ پر اختر ہوشیارپوری ''بطحا'' کی اہمیت یوں بتاتے ہیں:

راہِ بطحا سکوں کی دولت ہے
لاکھ طوفان ہوں سفینے میں(۱۹۱)

ثنائے خواجہ بطحا بھی فیض بطحا ہے
کہ حرف شوق اسی آستاں سے ملتا ہے(۱۹۲)

غم گساری

حضرت محمد ﷺ کی ذات پاک بے سہاروں، یتیموں، مسکینوں اور بے نواؤں کو سہارا نصیب ہوا۔آپ ﷺ کی آمد سے پہلے کوئی مناسب نظامِ زندگی نہیں تھا، نہ ہی کسی غریب کی پکار سنی جاتی تھی بس جس کی لاٹھی تھ اس کی بھینس تھی۔ بلکہ جو امیر تھے وہ جابر و ظالم تھے۔ غریبوں کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا۔غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بد تر سلوک کیا جاتا تھا۔مگر وہ زبان رکھنے کے باوجود گنگ تھے۔پہلی بار نبی اکرم ﷺ کی ذات نے انسان کو انسانیت کا درجہ عطا کیا۔یوں امیر و غریب ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے۔آپ ﷺ غم زدہ لوگوں کے لیے رحمت بن کر آئے اور ان کے دردوں پر مرحم رکھا۔اختر ہوشیارپوری نے نبی کریم ﷺ نے اس وصف و کردار بخوبی انداز میں بیان کیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی نعتوں میں نبی کریم ﷺ کی اس صفت کو یوں بتایا گیا ہے۔جب کہ رسالتمآب ﷺ میں وہ کہتے ہیں:

ملجا و ماوا یتیموں کے وہی
درد و حرماں کا مسیحا ایک ہے(۱۹۳)

آپ کی آمد سے پہلے جھوٹ پر زندگی کا نظام چل رہا تھا۔زندگی ایک افسانہ معلوم ہوتی تھی۔زندگی کی حقیقت بالکل بے معنی سی معلوم ہوتی تھی۔ ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا۔ہر طرف ظلمت تھی۔کوئی پرسان حال نہیں تھا۔آپ ﷺ آئے تو بے سہاروں کو سہارا مل گیا۔یوں آپ

یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولا کہلائے اس مضمون کو اختر ہوشیارپوری یوں اپنے الفاظ میں ڈھالتے ہیں:

آتے نہ وہ تو زندگی افسانہ تھی تمام
اور وہ فسانہ جو کہ ہے فسق و فجور بھی(۱۹۴)

ایک اور جگہ اختر ہوشیارپوری یوں اس موضوع کو بیان کرتے ہیں۔

تُو ﷺ نے انسان کو بلند اتنا کیا سوچتا ہوں
اب گداؤں کو میں شاہوں کے مقابل سمجھوں (۱۹۵)

سربسر نعمت جاں دولت ہستی ہے وہ ذات
جس کی چوکھٹ سے زمانے کا بھلا ہوتا ہے(۱۹۶)

اخترہوشیارپوری نے نعت میں ہر اس موضوع کو خوبصورت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جو کہ نبی ﷺ کی ذات وابستہ تھا۔نبی کریمﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت العالمین بن کر اس جہاں میں آئے۔ان کی رحمت سے اس کائنات کی ہر چیز متاثر ہوئی۔آپ ﷺ کی شفقت و نرمی سے بہت سے کافر دل رکھنے والے مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کی مثال واضح ثبوت ہے۔اختر ہوشیارپوری اس حوالے سے خوبصورت اشعار پیش کرتے ہیں۔

ان کے قدم نے پھول کھلائے ہیں نزد و دور
گلشن کی داستاں تو فقط پات پات تھی
وہ رحمتِ تمام ہیں ورنہ یہ انجمن
آماجگاہ فتنۂ مرگ و حیات تھی(۱۹۷)

برگ سبز میں کس خوبصورتی کے ساتھ اس مضمون کو اختر ہوشیارپوری نے واضح کیا ہے:

تم سے ہی ملا دردِ زمانہ کا مداوا
تم آیۂ رحمت ہو سکون دل و جاں ہو
انسان کو معراج مقدر ہوئی تم سے
ہم خاک نشینوں کا تمہیں حسن و نشاں ہ(۱۹۸)

خیر البشر میں خوبصورت اندازِ بیاں دیکھیے:

زندگی کے سب مسائل تو نے آکر حل کیے
اور تو ہی حشر تک عقدہ کشائے دو جہاں
تو نہ آتا تو کہاں تھی کائنات انس و جاں
اے شفیع المذنبین تو ہے برائے دو جہاں
ظلمت ایام میں تو ماہ و اختر کا جمال
تیری ہی تنویر ہے رونق خزائے دو جہاں (۱۹۹)

اختر ہوشیارپوری یہاں اپنی بات کرتے ہیں کہ مجھے بھی شفا نبی ﷺ کے نام سے ملی۔میں درد میں مبتلا تھا جوں ہی میں نے آپ ﷺ کا نام لے کر دعا کی تو مجھے شفا مل گئی۔اختر ہوشیارپوری اس حوالے سے کہتے ہیں:

نام رسول پاک مرے کام آگیا
میں مبتلائے درد تھا آرام آ گیا(۲۰۰)

انسان کو اُن ﷺ کے خلق نے بخشا ہے اعتبار
وہ مہمان عرش بھی ہیں خیر البشر بھی ہیں (۲۰۱)

مدینہ میں موت و تدفین کی تمنا

ہر ایک مسلمان کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے گھر کا طواف کرے اور روضئہ رسول ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔جب یہ سب خواہشات پوری ہوجاتی ہیں تو اس کے بعد تو اکثر مسلمانوں کا واپس اپنے گھر کو لوٹنے کا دل ہی نہیں کرتا ان کا دل چاہتا ہے کہ یہیں رہ جائے انہی مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں زندگی بسر ہو کر تمام ہو جائے۔اختر ہوشیارپوری کو اللہ کی کرم نوازی سے بیت اللہ کا حج نصیب ہوا تھا۔انہوں نے اپنے محبوب کے در پر جاکر حاضری دی اور اپنے دل کو تسکین بہم پہنچائی۔اختر ہوشیارپوری اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے سچے عاشق تھے۔وہ حج کر کے اپنا جسم لے کر واپس تو آگئے مگر اپنا دل وہیں چھوڑ آئے تو ان کی وفات تک یہی تمنا رہی کہ کسی طرح میں واپس مدینہ کی گلیوں میں چلا جاؤں اور باقی کی زندگی وہیں گزاروں۔لہذا وہ خود تو نہ جاسکے مگر اپنی اس خواہش کو قلم کے تابع کر دیا اور نعت کی صورت میں اس تمنا کا اظہار کرتے

رہے۔یوں وہ کبھی کاتبِ تقدیر سے درخواست کرتے رہے کہ میرا نام روضۂ اقدس کے محافظوں میں لکھ دے تو کبھی سیدھا نبی کریمﷺ سے خواستگار ہوئے کہ مجھے بھی سایہ نواگری عطا ہو۔اپنی ان خواہشات کو اختر ہوشیارپوری یوں خوبصورت اشعار میں ڈھال کر صفحۂ قرطاس پر اتارتے ہیں:

تو میرا نام بھی اے کاتب ازل لکھ دے
حریم روضۂ اقدس کے پاسداروں میں (۲۰۲)

اے شاہ حرف اقرا اے صاحب معانی
اختر کو ہو عنایت سایہ نواگری کا(۲۰۳)

اب نہ آگے کوئی رستہ نہ مسافر کوئی
زندگی میں ترا در آخری منزل سمجھوں (۲۰۴)

اپنے گھر ہی میں رہوں یہ تو نہ تھی میری طلب
ان کے روضے کے بھی نزدیک میں پاؤں خود کو(۲۰۵)

اختر ہوشیارپوری کی اوّل خواہش تو مستقل ٹھکانہ تھی مگر اگر وہ نصیب میں نہیں تو کم از کم ایک نظر کا تحفہ مل جائے تو وہ بھی کافی ہو جائے گا۔دل کو راحت نصیب ہو گی اور طبیعت کی بے چینی و بے قراری کو چین نصیب ہو گا۔لہذا وہ زائر مدینہ کو کہتے ہیں کہ میری عرض سنتے جاؤ اور وہاں اس عرض کو پیش کر دینا۔اختر ہوشیارپوری کا اس حوالے سے انداز دیکھیے:

اے زائر مدینہ مری عرض لیتا جا
کہنا کہ اک نظر ہو بہت جی ملول ہے(۲۰۶)

مری سانس جب تک مری ترجمان ہے
میں طیبہ کی ٹھنڈی ہوا چاہتا ہوں (۲۰۷)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی خواہش کا بھرپوری انداز سے اظہار کیا ہے کہ اب کی بار اگر مدینہ چلا جاؤں تو یہی ٹھان رکھا ہے ہے کہ دوبارہ مڑ کر واپس نہیں آنا وہیں رہنا ہے وہیں جینا ہے وہیں

مرنا ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنے اس شعر میں اس خواہش کو مضبوط ارادوں کے ساتھ یوں ظاہر کرتے ہیں:

اب دوبارہ ہو بلاوا تو نہ آؤں جاکر
دوستو اب تو مرے دل نے یہی ٹھانی ہے(۲۰۸)

چلو کہ شہر مدینہ میں باقی عمر رہیں
کہ ارض شہر مدینہ میں ان کا مرقد ہے(۲۰۹)

اختر ہوشیارپوری اپنے خیالات و تصورات پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نبی کریمﷺ کے در پر سجدہ کیے ہوئے ہوں۔یہی میری زندگی ہے، اب یہی میرا گھر ہے یہی میرا مدفن ہے۔ اختر ہوشیارپوری خواہش کرتے ہیں کہ کاش وقت کے سمے ٹھہر جائیں میں اسی طرح اپنی عبادت جاری رکھوں۔میری جبین سجدے میں جھکی رہے۔کیوں کہ اصل زندگی تو یہی ہے جو کہ اب مجھے محمد مصطفیﷺ کے شہر میں ملی ہے اسی کو میں اپنا اب مسکن سمجھتا ہوں۔دوسری طرف اختر ہوشیارپوری خواہش کرتے ہیں کہ زندگی آپﷺ کی راہ میں کٹے بس آپﷺ کی رہگزر ہو اور انﷺ کے نقش قدم پر چلتا رہوں اور پھر اسی حالت میں میری زندگی کا سفر تمام ہو جائے۔
اختر ہوشیارپوری بچپن سے اسلامی تعلیمات کی طرف رغبت رکھتے تھے مگر حج کی سعادت نصیب ہونے کے بعد ان کے اندر خواہش مزید زور پکڑ گئی جب وہ حج سے واپس آگئے تھے۔لہذا وہ اپنے خیالات کو یوں الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:

شہر زیست شہر مصطفیﷺ ہے
یہیں اختر کا گھر ہے اور میں ہوں
یہ در ہے رحمت اللعالمینﷺ کا
کہ فیض ابر تر ہے اور میں ہوں
یہیں پر کاش رک جائے زمانہ
جبیں ہے ان کا در ہے اور میں ہوں
یونہی چلتے ہوئے یہ عمر کٹ جائے
کہ ان کی رہگزار ہے اور میں ہوں (۲۱۰)

اختر ہوشیارپوری خود بھی شہرِ مصطفی ﷺ جانے کی اور وہیں پر باقی کی زندگی گزارنے کی خواہش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دلاتے ہیں کہ آپ لوگ بھی وہیں پر چلے چلو کیوں کہ وہی اصل زندگی ہے اور پر سکون زندگی ہے۔دنیاوی لذتوں سے پاک ہے۔وہاں پر سکون ہی سکون بٹتا ہے۔لہذا باقی کی زندگی سکون کی حالت میں گزارو اور اپنی آخرت کو سنوار لو۔یہاں پر اختر ہوشیارپوری کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر یقین کامل کا پتہ چلتا ہے۔وہ دین دار، سچے، کھرے مسلمان تھے اور سچے عاشق رسولﷺ تھے۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

وہ اپنی آخری جائے پناہ ہے لوگو

چلے چلو کہ وہیں پر سکون بٹتا ہے(۲۱۱)

دینی محاسن کا فروغ اور دین کی ترویج و اشاعت

ایک شاعر آخر کیوں نعت کی طرف مبذول ہوتا ہے کون سا جذبہ اس کے اندر پیدا ہوتا ہے کہ وہ نعت لکھنا شروع کرتا ہے؟ کیا شاعر کا مقصد حضور نبی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف،عشقِ مصطفی و مدحتِ سرور کائنات بیان کرنا ہے اس حوالے سے ''خیر البشر'' کا دیباچہ نہایت اہم ہے۔جس میں اخترہوشیارپوری نے نعت گوئی کا ایک اور اہم مکمل پہلو اجاگر کیا ہے اور وہ ہے نعت کے ذریعے ''دینی محاسن کا فروغ'' اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی کرم ﷺ کی تعریف توصیف کے ساتھ ساتھ دین کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بھی نعت بنتی ہے ''خیر البشر'' کے دیباچہ میں اختر ہو شیار پوری یوں لکھتے ہیں:

''نعت کی انتقادی تاریخ میں ایسے مباحث بکثرت ملتے ہیں جن میں نعتِ رسولؐ کا مقصد محاسنِ دین کا بیان قرار دیا گیا ہے حالانکہ سیرت ابن ہشام کے مطابق ایک طویل عرصہ تک نعت گو کو وصاف اسی حوالے سے کہا گیا ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کا سراپا بیان کرتا ہے لیکن آنحضورؐ کی صورت کو ان کی سیرت سے الگ کرنا دورِ جدید کے نعت گو کے لئے بڑا دشوار کام ہے کیونکہ آج کی نعت میں حضور ختمی مرتبتؐ کے حوالے سے محاسنِ دین کا ذکر از خود آجاتا ہے''(۲۱۲)

نبی کریم کے کارخیر کا ذکر جب نعت گوئی میں ہوتا ہے تو محاسن رسولﷺ کی وضاحت ہوتی ہے۔ گویا نعتِ نبی ﷺ کا ذکر دین کی ترویج و اشاعت کی روشنی ملتی ہے۔اسی فکر کو اختر ہوشیارپوری اپنی نعتیہ شاعری میں یوں بیان کرتے ہیں۔اشعار ملاحظہ ہوں:

تیرےﷺ ہی نام کی اذاں بار گہِ حیات میں
بزمِ شعور و فکر میں عالمِ کائنات میں (۲۱۳)

گردوں سے جگمگاتے ستارے اتار کر
اس نے زمیں کو جلوہٗ حق آشنا دیا(۲۱۴)

آپ ﷺ سے ظلمتِ ایام چھٹی
دہر میں عالمِ انوار ہیں آپ ﷺ(۲۱۵)

عالم کے گوشے گوشے میں اختر دیے جلے
وہ روشنی ہوئی ہے رسالت مآب ﷺ کی(۲۱۶)

حد کون و مکاں تک روشنی ہے
محمد ﷺ کی ثنا ہی زندگی ہے(۲۱۷)

شعور و نظر کیا فروغِ ہنر کیا
کہ ہر در کی دولت ترا در محمدﷺ(۲۱۸)

اختر ہوشیار پوری نے اپنی نعتیہ شاعری میں ادب کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ادب و احترام کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔اُن کی بیٹی اختر ہوشیار پوری کے بارے میں نعت کے حوالے سے یہ بات رقم کرتی ہیں۔

"ابا جان نے جو نعتیں کہیں وہ بہت ہی کوخوبصورت انداز میں کہی ہیں کہتے تھے میرے حال پر اللہ رب العزت کا بہت ہی کرم ہے اس نے مجھے قدم قدم پر سہارا دیا اور نعت میں نبیؐ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔جب حج کی سعادت

نصیب ہوئی تھی اس وقت ان کی نظر گنبد خضرا کے بجائے گنبد خضرا کی
دہلیز پر رہی تھی۔یہی حدِ ادب ہے'' (۲۱۹)

ڈاکٹر رشید نثار، اخترہوشیارپوری کی نعت گوئی کے حوالے سے ایک جگہ اپنی کتاب میں یوں لکھتے ہیں:

اس نے خدا پرستی، حق پرستی اور ملت پرستی میں ہمیشہ محبت اور مروت کا
ثبوت دیا ہے چنانچہ اس کا اعتماد اور وحدت کاملہ پر سچا ایمان اس کے
اشعار میں جابجا بکھرا پڑا ہے۔(۲۲۰)

اختر ہوشیار پوری کی نعتیہ شاعری کے مضامین کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ انھوں نے حضور کریم ﷺ کی ذات اقدس کے حوالے سے جتنی باتیں بھی مناسبت رکھتی ہیں۔ان تمام موضوعات پر نہایت ہی شاندار اور شگفتہ انداز میں اپنی قلبی واردات کو صفحات کی زینت بنایاہے۔وہ موضوعات کے ساتھ پورا انصاف کرتے ہیں۔وہ پکڑ دھکڑ کر الفاظ پورے نہیں کرتے بلکہ پوری دلچسپی کے ساتھ اس موضوع کی تہہ میں اتر کر اشعار لکھتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری کی آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ انھوں نے یکے بعد دیگرے نعتوں کے چھ مجموعے لکھے اور ہر نعتیہ مجموعہ اپنی مثال آپ ہے۔اختر ہوشیار پوری کے مضامین بھی بڑے اچھوتے اور منفرد ہیں اور پھر انھوں نے بیان بھی اس طریقے سے کیے ہیں کہ ان کی ادائیگی میں کسی جگہ کوئی جھول نظر نہیں آتا اور مضامین پر پوری گرفت پائی جاتی ہے۔ان مضامین سے قاری پر فکر کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

اختر ہوشیارپوری کی نعت کا فنی جائزہ

شاعرانہ کلام میں فکری اور فنی دونوں پہلو بہت اہمیت رکھتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے نعتیہ کلام میں جہاں مختلف فکری پہلوؤں سے آشنا کروایا ہے اسی طرح سے فنی لحاظ سے بھی ان کی نعت اہم مقام رکھتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی فکر کے ذریعے نعت میں مختلف رنگ بھرے ہیں اور نئے نئے موضوعات سے تعارف کروا کر فکر کی پرتیں کھولی ہیں اور جدید راہوں سے روشناس کروایا ہے۔اسی طرح سے اختر ہوشیارپوری نے اپنے نعتیہ کلام میں فنی لحاظ سے موتی جوڑے ہیں جن کے

جڑنے سے ان کی فکر کے رنگوں میں مزید چمک واضح ہو گئی ہے۔لہذا اختر ہوشیارپوری کی نعتیں فنی لحاظ سے بھی بہت اہمیت رکھتی ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی نعت کا فنی جائزہ لیتے ہوئے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی نعت کا اسلوب واضح ہوتا ہے۔زبان و بیان کا پتہ چلتا ہے۔

زبان و بیان کی چاشنی

انسان اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو الفاظ کے ذریعے دوسرے تمام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ہر انسان مزاجاً اور فطرتاً الگ طبیعت کا ہوتا ہے۔اس کے دماغ کے اندر، عشق و محبت، خوشی غمی، رنج و غم مسرت اور تحسین و ستائش جیسے جذبات اور احساسات کی لہریں ہیں ان احساسات کی ترجمانی صرف اور صرف الفاظ سے کی جاتی ہے۔زبان اپنے اندر الفاظ کا ذخیرہ رکھتی ہے۔ہر شاعر انہیں الفاظ کو اپنے مزاج اور اپنے انداز سے استعمال کرتا ہے اور یہی اسلوب اس شاعر کی پہچان بن جاتا ہے۔اسلوب میں روانی، نفاست اورزبان و بیان کی عمدگی شاعر کے کلام کو چار چاند لگا دیتی ہے۔اختر ہوشیار پوری اپنے زمانے کے ایک منفرد نعت گو شاعر تھے۔ان کا نعتیہ کلام زبان و بیان، فصاحت بلاغت، زبان کی چاشنی چستیِ بندش اور شکوہ الفاظ جیسی بے بہا خوبیوں سے مزّین ہے۔اختر ہوشیار پوری کے کلام میں زبان و بیان کی چاشنی کا ایک رنگ دیکھیں۔

میں مدینہ سے ہو کے آیا ہوں
اور جنت کے تحفے لایا ہوں
دھوپ کی سختیوں کا ذکر نہ کر
میں بہارِ چمن کا سایہ ہوں
باغِ فردوس صحن طیبہ ہے
اور میں گلۂ بہ گلۂ سمایا ہوں
ان کے الطاف کی عنایت ہے
میں جو بدلی کی طرح چھایا ہوں (۲۲۱)

اُترے ہیں مرے سینے میں انوارِ محمدؐ
مژدہ کہ چلا میں سوئے دربارِ محمدؐ(۲۲۲)

تراکیب کا تنوع

تراکیب کلام کے حسن کو بڑھاتی ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے اپنے نعتیہ کلام میں بے شمار منفرد اوور اچھوتی تراکیب استعمال کی ہیں جیسے عالمِ انور، اندازِ تجلی، فخرِ زمانہ، حاصلِ کونین،

صبحِ بہار، جمالِ خنداں، جبینِ دوراں، رنگِ گفتگو، صحنِ حرم، حاصلِ جاں، بانگِ حرا، شاخِ گل، موجِ خوشبو، تعبیرِ زیست، مہِ تاباں، کسبِ ضو، حرفِ ایماں اور اعترافِ محبت یہ چند ایک ایسی دلکش اور دل آویز تراکیب ہیں جن کو اختر ہوشیار پوری نے بڑی نفاست سے اپنے کلام استعمال کیا ہے نعتیہ اشعار دیکھیں۔

یہ اعترافِ محبت ہے مصطفیٰؐ کے طفیل
جو دُور تھے مرے نزدیک آئے جاتے ہیں (۲۲۳)

اختر ہوشیار پوری تراکیب کو استعمال کرنے کا فن اور مہارت رکھتے ہیں ایک اور مثال دیکھیں:

لب پر نزولِ نعت کے ہنگام یوں لگا
رقصاں ہیں قطرے اوس کے برگِ گلاب پر (۲۲۴)

تراکیب کا استعمال بہت سارے نعتیہ شعراء نے اپنے کلام میں کیا ہے مگر اختر ہوشیارپوری کا انداز اور رنگ اپنا ہے۔وہ کہیں سے کوئی رنگ مستعار نہیں لیتے بلکہ خالصتاً اپنے الفاظ اور ترکیب استعمال کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی تمام کتابوں میں تراکیب کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں ''خیر البشر'' میں انداز دیکھیں:

ترا روضۂ مقدس مری آرزو کا حاصل
کہ ہے اس کی جالیوں میں جو شمیمِ گلستاں ہے(۲۲۵)

اسی طرح اختر ہوشیار پوری کی کتاب ''برگ سبز'' میں بھی چند مثالیں ملتی ہیں شعر دیکھیں۔

تُوؐ فخرِ زمانہ ہے تُوؐ نازِ شُرفا ہے
تُوؐ حاصلِ کونین دنیا کے نسب میں (۲۲۶)

ڈاکٹر رشید نثارنے اختر ہوشیار پوری کو اُن کے فن کے حوالے سے ایک جگہ یوں ان کو داد و تحسین دی ہے:

''اسکی تراکیب و تشبیہات کی خوبی یہ ہے کہ وہ جدید دور کے فکری تناظر کو محیط ہیں لہٰذا ان میں تازگی، سادگی، آئینہ داری اور کہیں کہیں شرکت کا احساس بھی پایا جاتا ہے۔''(۲۲۷)

بندشِ الفاظ

بندشِ الفاظ یا الفاظ کا چناؤ بھی کلام کو رنگین اور دلچسپ بناتا ہے۔اختر ہوشیار پوری کے ہاں الفاظ کا چناؤ یا انتخاب الفاظ کمال درجے کا ہے۔ان کے نعتیہ کلام میں ہمیں بے شمار الفاظ جیسے رحمتِ نور، شفاعتِ خاک، جنت، نعمت، مدینہ، گلی، صبا، فیض، روشنی، زندگی، عشق، معراج، نظر، چاند، بہار، توحید، حُب ِ نبی، ایمان، حسن، خوشبو، پھول، شہلا، چوکھٹ، شفا، نقشِ قدم، دل، آفتاب، کرنیں، دنیا، بشر، چارہ گر، ہمدرد، مسجد، بصیرت، انعام، طیبہ موج، اجالا، قندیل، اقراء، معجزہ صحیفہ، تہذیب اور بارش ملتے ہیں۔اشعار کی صورت میں چند مثالیں دیکھیں:

خورشید کی کرن ہو کہ لو شمع طور کی
یہ ساری روشنی ہے محمدؐ کے نور کی (۲۲۸)

ارضِ طیبہ کی مجھ کو گلی مل گئی
زندگی مل گئی روشنی مل گئی
اُنؐ کی رحمت کی گھنگور بدلی اٹھی
اور عالم کو تابندگی مل گئی (۲۲۹)

الفاظ کے چناؤ اور تخیل کے حوالے سے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی اپنی کتاب ''نعت اور تنقید نعت'' میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

> ''شاعری کے بہت سے عناصر ہیں لیکن مشرق و مغرب کے بڑے نقادوں نے تخیل کو بنیادی اہمیت دی ہے حالی نے تخیل، مطالعہ کائنات اور الفاظ کی جستجو کو شاعری کے اجزائے ثلاثہ قرار دیاہے کائنات میں انسان اور اس کے معاملات بھی شامل ہیں ہر صورت شاعری کے تمام اجزا اور عناصر کا اظہار لفظوں کے ذریعے ہوتا ہے شاید اپنے طلسمی لمس سے لفظوں کو ''چیزے دیگر'' بنا دیتا ہے لفظ کبھی ساز اور نغمہ بن جاتے ہیں اور کبھی رنگ اور خطوط''(۲۳۰)

چستیِ بندش

چستیِ بندش سے مراد مشکل الفاظ کو اس خوبصورتی اور مہارت سے اپنے کلام میں ڈھالنا کہ کلام کی روانی اور سلاست میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو چستیئ بندش کہلاتا ہے۔اختر

ہوشیار پوری کے کلام میں ہمیں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن کو ہم ''چستیِ بندش'' میں شمار کر سکتے ہیں۔اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ عالمِ انوار یہ اندازِ تجلی
حیراں ہوں سورج نکل آیا ہے کہاں سے(۲۳۱)

وجہِ بنائے عالمِ امکاں حضورؐ ہیں
ابرِ کرم حضورؐ ہیں باراں حضورؐ ہیں
حرفِ دُرود حرفِ اذاں حرفِ زندگی
اس داستانِ حرف کا عنوان حضورؐ ہیں (۲۳۲)

فنی اعتبار سے اخترؔ ہوشیار پوری کی تمام نعوت بڑی اعلیٰ پائے کی ہیں۔انھوں نے الفاظ کو اسطرح استعمال کیا ہے کہ نعتیہ اشعار کی وضاحت خود بخود ہو جاتی ہے۔کسی جگہ کوئی مشکل یا ابہام پیدا نہیں ہوتا۔چستی بندش کی اور مثالیں دیکھیں۔

خاک کا ذرّہ اور مدینے میں
مجھ کو رکھ دو کسی خزینے میں
طیبہ سے چاندنی کو کیا نسبت
وہ بیاباں میں اور یہ سینے میں
یوں مدینہ کا عکس روح میں ہے
جیسے شاخِ چمن نگینے میں (۲۳۳)

حدیث حرف میں چستی بندش کی مثالیں دیکھیں:

راہِ مدینہ جنتِ عظمیٰ کی یاد گار
اس کے ہے ذرے ذرے میں سمٹی ہوئی
بہار(۲۳۴)

شکوہ الفاظ

بعض اوقات سادہ الفاظ کی بجائے مشکل ثقیل الفاظ شعراء اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں۔جس سے کلام میں ایک خاص قسم کی ادبی چاشنی پیدا ہو جاتی ہے جو اصطلاح میں شکوہ الفاظ

کہلاتی ہے۔اختر ہوشیار پوری نے ایسے الفاظ سے اپنے کلام میں ادبی چاشنی پیدا کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے۔اس لئے ان کی نعوت میں بر جستگی، بے ساختگی، اور میٹھاس پیدا ہوتی ہے۔شکوہ الفاظ کی مثالیں دیکھیں۔

حرم کا تذکرہ حرف و بیاں میں
حدیثیں بولتی ہیں داستان میں
حرا کی روشنی سے جگمگائے
ہیں جتنے زاویے میرے مکاں میں(۲۳۵)

ایک اور جگہ مثال دیکھیں:

روشنی کا پیام ہوتا ہے
اور محمدؐ کے نام ہوتا ہے
میں نے دیکھا ہے اُنؐ کے روضے پر
زندگی کا قیام ہوتا ہے (۲۳۶)

شکوہ الفاظ کے بارے میں حفیظ صدیقی اپنی ایک کتاب میں یوں لکھتے ہیں:

''صوتی آہنگ اور معنوی اعتبار سے بعض الفاظ میں خاص قسم کاآہنگ بنتا ہے جسے ''شکوہ الفاظ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔''(۲۳۷)

اختر ہوشیار پوری کے ہاں شکوہ الفاظ کی چند مثالیں اور دیکھیں:

درد کے ماروں کو اندازِ بیاں دیتی ہے
ارضِ طیبہ دل و دیدہ کو زبان دیتی ہے
میری آنکھوں میں مدینے کے دیے کی لو ہے
جو ستاروں کو تجلی کا نشاں دیتی ہے
اُنﷺ کا ذکر آئے تو لگتا ہے کوئی ذاتِ جمیل
شہر کی مرکزی مسجد میں اذاں دیتی ہے(۲۳۸)

سادگی اور سلاست

اختر ہوشیار پوری کے کلام میں دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کے نعتیہ کلام میں سادگی اور سلاست بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔زبان و بیان اور سادگی سلاست سے کلام میں حسن و تاثیر

پیدا ہوتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے کلام میں سادگی اور سلاست کو برتا ہے۔سادگی اور سلامت کی چند ایک مثالیں دیکھیں۔

حدِ کون و مکاں تک روشنی ہے
محمدؐ کی ثنا ہی زندگی ہے
یہ اُن کے نام کی پاکیزگی ہے
کہ دل میں اک خوشبو بس گئی ہے
یہ لمحہ کاش رک جائے یہیں پر
جبینِ شوق ہے اُنؐ کی گلی ہے (۲۳۹)

اختر ہوشیار پوری کی نعت سادگی و سلاست کا بہترین نمونہ ہیں۔انھوں نے مشکل الفاظ سے حد درجہ پر ہیز کیا ہے۔ان کے کلام کو سمجھنے اور پڑھنے میں کسی جگہ بھی قاری کو مشکل پیش نہیں آتی۔مثال دیکھیں:

مری دنیا میں تجھ سے روشنی ہے
کہ تُو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ عجم ماہِ عرب ہے
ترے ہی نامِ نامی کا سندیسہ
ہجومِ غم میں پیغامِ طرب ہے (۲۴۰)

نوشابہ سمیع اپنی کتاب ''رموزِ معروضیت اردو'' میں سادگی کی تعریف یوں کرتی ہیں۔

''سادگی سے مراد ہے کہ یہ خیال بلند سے بلند اور باریک سے باریک کیوں نہ اس میں پیچیدگی اور الجھاؤ نہ ہو''(۲۴۱)

اختر ہوشیارپوری کے ہاں خیال کی عمدگی پائی جاتی ہے اور باریک بینی بھی مگر ان کا خیال الجھاؤ کا شکار نہیں ہے بلکہ سادہ کلام ہے اور پیچیدگیوں سے پاک ہے۔اختر ہوشیار پوری کے کلام میں سادگی و سلامت کی چند مثالیں دیکھیں۔

شیشہ دکھا رہا ہے غبارِ سفر مجھے
یا رب عطا ہو اب تو مدینے میں گھر مجھے
شاہوں کو تیرے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در سے ملی زندگی کی بھیک

خاکِ شفا عطا ہو مرے چاہ گر مجھے (۲۴۲)

ایجاز و اختصار

نعت کا کمال یہ ہے کہ نعت کا ہر شعر اپنے اندر ایجاز و اختصار کے باجود وسیع معنی رکھتا ہے۔اختر ہوشیار پوری کی نعت کے ایک ایک شعر میں دنیا آباد ہے۔اختر کی نعتیں ایجاز اختصار کا دلکش نمونہ ہیں۔اختر ہوشیار پوری کو الفاظ کے استعمال اور اظہارِ بیان پر وہ قدرت حاصل ہے جس کی بدولت ان کے نعتیہ اشعار میں میں گھلاوٹ اور شیرینی کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار بھی ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں اس خوبی کی چند مثالیں دیکھیں۔

دنیا کو نیا رنگ ملا راہبری کا
اعجاز ہے یہ یہ میرے رسولِ عربی کا
میں نامِ محمد ﷺ پہ تصدق دل و جاں سے
یہ توشۂ عقبیٰ ہے مری دیدہ وری کا (۲۴۳)

رسالت مآب ﷺ میں مثال دیکھیں جو ایجاز و اختصار کا خوبصورت نمونہ پیش کرتی ہے۔

گوشہ گوشہ قمر دیکھو
نُور ہی نُور ہے جدھر دیکھو
کارواں والو میرے ساتھ آؤ
اور طیبہ کی راہگزر دیکھو
پھول ہی پھول ہر قدم پر ہیں
دُور و نزدیک برگِ تر دیکھو(۲۴۴)

اردو کے ناقدامین راحت چغتائی نے اختر ہوشیار پوری کی فنی پختگی اور خیالات کی ندرت کو مد نظر رکھتے ہوئے یوں اظہار کیا ہے۔

> اختر نئی غزل کی طرح نئی نعت کے بھی پیش رو شعرا میں شامل ہے...... اکثر مقامات پر خیال کی ندرت الفاظ کی جدت اور معنی کی لطافت نے ایسا سماں باندھا ہے کہ آنکھیں فرطِ عقیدت سے چھلکتی ہیں تو روح انوکھے کیف و سرورسے سر شار ہوتی ہے۔(۲۴۵)

اختر ہوشیار پوری نے اپنے کلام میں ایجاز و اختصار کے ساتھ ساتھ اپنے موضوعات میں کسی جگہ جھول نہیں پیدا ہونے دیا۔وہ ایجاز و اختصار میں مضمون کو پورا باندھنے میں ملکہ رکھتے تھے۔ ایجازو اختصار کی چند مثالیں دیکھیں۔

سرمایہ دار صدق و صفا اور کون ہے
کون و مکاں میں تیرے سوا اور کون ہے
ظلمت کدوں کو جس نے اجالے عطا کئے
وہ آفتابِ غار حرا اور کون ہے
گونگوں کو جس سے دولت گویائی مل گئی
وہ راز دار حرف و نوا اور کون ہے (۲۴۶)

مضمون آفرینی

اختر ہوشیار پوری نے بہت کم الفاظ استعمال کر کے بہت بڑے مضمون قلم بند کئے ہیں۔اختر کی نعتیہ شاعری میں مضمون آفرینی کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں یہ بات اس بات کی غماز ہے کہ اخترہوشیارپوری شعبہ و کالت سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب اور سیرت النبی ﷺ کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔اس لئے وہ اپنے اشعار میں مضمون باندھنے کے ''بادشاہ'' کہلاتے ہیں۔چند ایک مثالیں دیکھیں

خاک طیبہ میں تجلی کو ہویدا دیکھیں
آؤ ہر زرے میں خورشید کا جلوہ دیکھیں
زندگی ریگ ِ مدینہ سے نمو پاتی ہے
ہم اسی زندگیٔ تازہ کا رستہ دیکھیں (۲۴۷)

مضمون آفرینی کی اور مثال

حوالہ روشنی کا معتبر ہے
کہ شہرِ مصطفی خورشید اثر ہے
میں دیواروں سے قرآں سُن رہا ہوں
کہ طیبہ احمدِ مرسل ﷺ کا گھر ہے (۲۴۸)

اللہ تعالیٰ نے اختر ہوشیار پوری کو طاقت اور اعلیٰ علمی بصیرت سے نوازا ہے انھوں نے اپنے زمانے میں نعتیہ ادب پر راج کیا ان کی نعتیں بہت سی ادبی محفلوں میں پڑھی جاتی رہیں زبان کی لطافت، سوز و گداز اور مضمون آفرینی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ان کی کتاب''خاتم المرسلین'' میں مضمون آفرینی کی چند مثالیں دیکھیں۔

نئے انداز سے اسلوبِ کُہن پایا ہے
میں نے بطحا میں محبت کا چلن پایا ہے
اب یہی چاہتا ہوں شہر مدینہ میں رہوں
دشتِ غربت میں عجب رنگِ وطن پایا ہے
وقت اک عمر سے بیٹھا تھا لبوں کو سی کر
یہاں انسان نے مگر ذوقِ سخن پایا ہے(۲۴۹)

منظر نگاری

اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری میں ہمیں منظر نگاری کی بہت عمدہ اور دیدہ زیب مثالیں ملتی ہیں۔منظر نگاری کا مطلب یہ ہے کہ شاعر جس منظر یا نظارہ کو دیکھے اس کو الفاظ کے ذریعے اس طرح بیان کرے کہ قاری کے سامنے وہ منظر گھومنے لگے۔اردو نعتیہ شاعری میں منظر نگاری میں بہت سے شعرا کمال رکھتے ہیں جن میں ایک نام اختر ہوشیار پوری کا ہے۔اخترہوشیارپوری کے کلام میں منظر نگاری کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

آتے ہیں لے کے پھول درِ مصطفیٰ ﷺ سے ہم
کیا اور لطف مانگتے اپنے خدا سے ہم(۲۵۰)

''مجتبیٰ''میں منظرنگاری دیکھیں:

نام پاک انﷺ کا اور ترے وجدان میں
چاندنی جیسے سمٹی ہو، گل دان میں
آب زم زم کی چھاگل مدینے کے پھول
اور کیا چاہیے میرے سامان میں (۲۵۱)

بے ساختگی

کلام میں بے تکلفی کے انداز کو بے ساختگی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی جب کسی شعر میں کوئی بات بڑی آسانی سے کر دی جائے تو اس کا سارا کلام بے ساختگی کا سرچشمہ ہے تو اس میں

کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔اخترہوشیارپوری کی بے ساختگی اور سادگی میں بھی ایک لذت اور کیف و سرور ہے۔اخترہوشیارپوری حسن اور تعریف و توصیف کو بے ساختگی سے ایک لڑی میں پرونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری ''بے ساختگی'' کا وہ جرنیل ہے جس کے سامنے مشکل کے بڑے بڑے پہاڑ زیر ہو جاتے ہیں۔ان کے کلام میں بے ساختگی کی چند مثالیں دیکھیں:

یہ بھی اک نعتِ محمدﷺ کا قرینہ دیکھوں
تہ میں ہر لفظ کے معنی کا خزینہ دیکھوں
میرے آغاز میں شامل مرا انجام بھی ہے
میں پلٹ کر بھی جو دیکھوں تو مدینہ دیکھوں (۲۵۲)

مدینے کا خیال آئے تو چاہت ہو ہی جاتی ہے
نگاہیں کھل ہی جاتی ہیں محبت ہو ہی جاتی ہے(۲۵۳)

ان کی رحمت سے دیے جلتے ہیں
ان کی آمد سے سحر ہوتی ہے(۲۵۴)

موسیقیت اور غنایت

اختر ہوشیارپوری نے اپنی نعتیہ شاعری میں بے حد درجہ مترنم بحریں استعمال کی ہیں۔اس سے کلام میں موسیقیت اور غنایت پیدا ہو گئی ہے۔موسیقیت اور غنایت کسی بھی کلام کے حسن بیان کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری کی نعتوں میں ہمیں بہت سی جگہ پر موسیقیت، سوز اور سریلی نعتیں ملتی ہیں۔جن کو ترنم سے پڑھا جائے تو لوگوں پر سحر طاری کر دیں گی۔چند مثالیں درج ذیل ہیں:

دل منور ہو گیا ذکر رسول ﷺ پاک سے
جیسے روشن ہے زمانہ آیۂ لولاک سے
آفتاب طیبہ سے پرنور ہے بزم حیات
مجھ پہ یہ عقدہ کھلا ہے دیدۂ نمناک سے(۲۵۵)

تیرےﷺ در سے صحن حرم دیکھتے ہیں
یہی دولت بیش و کم دیکھتے ہیں
مدینے کی گلیاں درودوں کا عالم
کہ ہم تیرا ﷺ نقش قدم دیکھتے ہیں (۲۵۶)

چھوٹی بحر

اختر ہوشیار پوری نے چھوٹی بحر میں بہت عمدہ نعتیں کہیں ہیں۔چھوٹی بحر میں کوئی غزل یا نعت کہنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔مگر اخترہوشیارپوری نے چھوٹی بحر میں کمال درجے کی نعتیں لکھی ہیں۔ اختر نے چھوٹی بحر میں ایسے ایسے مضامین قلم بند کیے ہیں کہ دیگر شعرا کے ہاں ایسے نمونے دیکھنے کو بہت کم ملتے ہیں۔مگر اخترہوشیارپوری نے اپنی فنی مہارت سے چھوٹی بحر میں بہت اعلیٰ مقام کی نعتیں مرتب کی ہیں۔ان کی کتاب ''خیر البشر'' میں چند اشعار جو چھوٹی بحر کا عمدہ نمونہ ہیں۔

تو ﷺ حدیث مہر و ماہی
تو ﷺ کتاب صبح گاہی
تری ﷺ سیرت مقدس
تری ﷺ صدق کی گواہی
تو ﷺ چراغ عدل و احساں
تو ﷺ کمال خیر خواہی
ہے محیط ہر دو عالم
ترا ﷺ لطف بے پناہی(۲۵۷)

رسالت مآب میں چھوٹی بحر کی عمدہ نعت کے چند اشعار

چراغاں چراغاں پیام محمدﷺ
بہت مستند ہے کلام محمدﷺ
امیر و گدا میں نہیں فرق کوئی
زمانے میں یکساں نظام محمد ﷺ

عدالت، شجاعت، سخاوت، وفا میں
شہنشاہِ دوراں غلامِ محمد ﷺ(۲۵۸)

لمبی بحر

اختر ہوشیار پوری نے لمبی بحر میں بھی نبی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف کے پھول کھلائے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں لمبی بحر کی بہت سے نعتیں ملتی ہیں۔اختر کی کتاب ''مجتبیٰ''،لمبی بحر کی نعتوں کا ایک نایاب گلدستہ ہے۔چند مثالیں دیکھیں:

میں جب ان کے حضور آؤں گا اپنا سر جھکائے
وہ ساعت آنے والی ہے وہ ساعت کاش آئے
یہ ان کا فیض ہے برسا ہے پانی بدلیوں سے
بیابانوں پہ اترے چاندنی کے اجلے سائے(۲۵۹)

برگ سبز میں لمبی بحر کی ایک نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

تیری یاد دل میں بسی رہے تیرا نام ورد زباں رہے
یہ ہے آرزو کہ بہار گنبد سبز میرا نشاں رہے
میں کہیں بھی جاؤں نگاہ میں رہیں تیرے روضے کی جالیاں
میں کہیں رہوں مرے حال پر ترا لطف سایہ کناں
رہے(۲۶۰)

القابات کا استعمال

اختر ہوشیار پوری نے نبی کریم ﷺ کے القابات مبارک کو جس عشق اور لذت سے اپنی نعتیہ شاعری کا حصہ بنایا اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔جتنے پیارے القابات ہیں اتنے ہی پیار سے انہوں نے ان کو نگینوں کی طرح جڑا ہے۔؛ اختر کی نعتیہ شاعری میں خیر البشر، رسالت مآب، آقائے نامدار، خیر الوریٰ، شفیع المذنبین، سرور عالم اور محبوب خدا جیسے ڈھیروں القابات دیکھنے کو ملتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری کی رسول کریم ﷺ سے محبت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ ان کی

کتابوں کے نام بھی القابات مبارک کے نام سے ہیں۔مثلاً خاتم المرسلین، خیر البشر، مجتبیٰ اور رسالت مآب وغیرہ اسی حوالے سے چند نعتیہ اشعار دیکھیں:

ظہور احمد مرسل ﷺ مری زمیں کے لیے
نوید رحمت حق ہے دل حزیں کے لیے(۲۶۱)

رسالت مآب کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

شفیع امم بھی وہ ختم الرسل بھی
بہت ارفع اعلیٰ مقامِ محمد ﷺ(۲۶۲)

ہر حرف زندگی سے رسالت مآب ﷺ سے
نقش وجود جیسے ازل کی کتاب سے(۲۶۳)

اے شفیع المذنبین اے رحمت اللعالمین
تجھ سے دنیا بھی سہانی تجھ سے عقبیٰ بھی حسین(۲۶۴)

قافیہ و ردیف کی عمدہ بندش

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، محمد عربی، رسول، مدینہ طیبہ، مصطفی اور محمد جیسے عظیم اور بے مثال ردیف کی پر کشش بندش ہمیں اختر ہوشیارپوری کے ہاں واضح نظر آتی ہے۔ان کے ہاں یہ تمام ردیف آپ ﷺ سے عقیدت اور مدحت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔اس حوالے سے شعر ملاحظہ ہو:

محدود نہیں رحمت سرکار مدینہ
پھیلے ہیں افق پار بھی انوار مدینہ(۲۶۵)

جہاں پر ردیف کی پر کشش بندش ہے وہیں پر قافیہ کی بھی خوب آزمائی کی گئی ہے۔خوبصورت ردیف کے ساتھ عمدہ قافیہ کا استعمال کر کے نعت کی خوبصورتی دو بالا ہو جاتی ہے۔مثال کے طور پر اشعار ملاحظہ ہوں:

اترے ہیں مرے سینے میں انوار محمد ﷺ
مژدہ کہ چلا میں سوئے دربار محمد ﷺ

ہم خاک نشینوں کو زمانے سے غرض کیا
ہم لوگ ازل سے ہیں طلب گار محمدﷺ(۲۶۶)

برگ سبز میں ایک اور قافیہ کی مثال دیکھیں:

حاصل گیتی نازشِ آدم ﷺ
ختم رسل، سرمایہ عالم ﷺ(۲۶۷)

ایک جگہ ''محمد عربی''کو ردیف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جو کہ نعت میں کشش کا باعث بن رہا ہے۔

صفات ذات کا مظہر محمد عربیﷺ
جمال حق کا ہے محور محمد عربیﷺ
چراغ کعبہ و منبر محمد عربیﷺ
اذانِ حج کا پیکر محمد عربیﷺ(۲۶۸)

تکرارِ لفظی

اختر ہوشیار پوری کے نعتیہ کلام میں ہمیں تکرارِ لفظ کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔تکرار لفظی سے بھی اخترہوشیارپوری نے کلام کو مترنم اور موسیقیت سے مزّین کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔اختر کے ہاں بہت سارے ایسے اشعار ہیں جن میں لفظوں کی تکرار کا اظہار ایک شاہکار کی صورت میں سامنے آتا ہے۔تکرار لفظی کی مثالیں دیکھیں:

ان کی چوکھٹ پہ رکھ دے آنکھوں کو
یہ رسول خداﷺ کا روضہ ہے
روشنی روشنی حیات حیات
ہر قدم دل زدوں کا میلہ ہے(۲۶۹)

''برگ سبز'' میں تکرار لفظی کے دو بہت خوبصورت اشعار جن میں تکرار لفظی کی وجہ ترنم اپنے کمال کو پہنچ رہا ہے:

گیسو گیسو، گلشن گلشن، عارض عارض، محفل محفل
جلوہ جلو، عالم عالم، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اوّل و آخر، بندہ ہی بندہ، اوّل و آخر آقا ہی آقا
عہد مکمل سرور اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم(۲۷۰)

صنعتِ تضاد

صنعتِ تضاد استعمال کر کے کسی کلام کے حسن کو بڑھانا اور اس کی شان و شوکت میں اضافہ کرنا نہایت ہی مشکل فن ہے لیکن اس فن کو بخوبی استعمال کرنے میں اختر ہوشیارپوری بہت حد تک کامیاب و کامران دکھائی دیتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں بہت سی نعتوں میں ہمیں صنعتِ تضاد کی مثالیں ملتی ہیں۔اختر ہوشیار پوری کا انداز دیکھیں:

دیار شام محبت بھی ان ﷺ کا حلقہ بگوش
بہشت صبح تمنا بھی ان کی سرحد ہے(۲۷۱)

امیر و گدا میں نہیں فرق کوئی
زمانے میں یکساں نظام محمدﷺ(۲۷۲)

صنعتِ تضاد کی ایک مثال برگ سبز میں دیکھیں:

لوگ راتوں کے اندھیرے سے لرز اٹھتے ہیں
اپنے سینے میں مگر تجھ سے اجالا دیکھوں (۲۷۳)

تشبیہ و استعارہ

علمِ بیان سے کلام میں حلاوت اور شیرینی پیدا ہوتی ہے۔پڑھنے والے کا ذوق مطالعہ بڑھتا ہے۔دلچسپی بدرجہ اتم موجود رہتی ہے۔تشبیہ اور استعارہ شاعری کی جان ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری میں ہمیں بہت سی جگہ پر دلکش تشبیہات ملتی ہیں۔جو اپنی جگہ بڑی منفرد وار ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔علم بیان پر اختر ہوشیارپوری کو بھرپور دسترس ہے۔انھوں نے بہت ساری نعتوں میں تشبیہ و استعاروں کا سہارہ لے کر اپنے کلام میں رنگینی اور لطافت پیدا کی ہے۔
تشبیہ کی مثال دیکھیں:

شہر حبیب ﷺ گوشۂ جنت سے کم نہیں
میں کیوں نہ اپنی خاک شریک ارم کروں(۲۷۴)

استعارے کا ایک خوبصورت شعر دیکھیں:

تیری باتوں میں پھول کی خوشبو
تیرا لہجہ غور حق آثار(۲۷۵)

''حدیثِ حرف'' میں استعارہ کی ایک مثال

ان ﷺ کی باتیں حلاوت انگور
ان ﷺ کا سایہ فروغ وادی طور(۲۷۶)

اختر ہوشیارپوری کی نعتیہ شاعری فنی اعتبار سے بہت سی خوبیاں رکھتی ہے۔اس لیے ان کے فن اور پختگی کے حوالے سے عبیدہ رضوی اپنے مقالہ میں ایک جگہ یوں لکھتی ہیں:

''اختر کے نعتیہ کلام سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نعت میں ان کا رویہ یہ ہمیشہ محتاط رہا ہے۔نعت گوئی کے لیے جس فکری و شعری پختگی کی ضرورت ہے۔وہ اختر میں بدرجہ اتم موجود ہے۔انھوں نے مقدور بھر نعت کے آداب کو پیش نظر رکھا ہے۔''(۲۷۷)

محاکات نگاری

الفاظ کے ذریعے کسی منظر کی تصویر بنا دینا محاکات نگاری کے ضمرے میں آتا ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے تمام مجموعہ کلام میں لفظوں سے تصویریں بنانے میں جو مقام پیدا کیا ہے وہ کسی اور شاعر کے ہاں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔اخترہوشیارپوری نے سادہ اور آسان الفاظ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف کی ہے اور جس مہارت سے انھوں نے محاکات نگاری سے کام لیا ہے۔ان کو ''شہنشاہِ محاکات نگاری'' کہنا کوئی مبالغہ نہیں ہو گا۔محاکات نگاری کی مثالیں دیکھیں:

چڑھتا سورج مری آنکھیں ترا روضہ ہو گا
میں مدینہ میں جو پہنچوں گا سویرا ہو گا
یوں سجاتا ہوں میں سر پر تیری دہلیز کی خاک
جیسے میرا تری دہلیز میں حصہ ہو گا(۲۷۸)

انگلی کے اشارے سے کیے چاند کے ٹکڑے
یہ عرصۂ کونین میں اعجاز بدن ہے(۲۷۹)

مہکی ہے کائنات مدینے کے پھول سے
یہ بزم مشکبار ہے لطف رسول ﷺ سے(۲۸۰)

شاعرانہ تعلی

کبھی کبھی شاعر اپنے کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کے پیچھے خود نمائی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔کہیں کہیں اخترہوشیارپوری کے کلام میں شاعرانہ تعلی بھی پائی جاتی ہے۔گو کہ شاعرانہ تعلی غزل گو شعرا کے ہاں تو ٹھیک مگر نعت میں شاعرانہ تعلی عجز و انکسار کی نفی کرتی ہے مگر اخترہوشیارپوری نے تمام آداب کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس قسم کے نعتیہ اشعار کہے ہیں مگر ان میں فنی اور موضوعاتی اعتبار سے کسی جگہ جھول یاسقم محسوس نہیں ہوتا۔ایک مثال دیکھیں:

کیونکر میری سانسوں میں نہ طیبہ کی مہک ہو
شاید کے میرا نام ہے خدام ادب میں (۲۸۱)

ایک جگہ دیکھیں:

مجھ کو اخترؔ یقین کامل ہے
اپنا شافع ہے آمنہ کا لال ﷺ(۲۸۲)

رشید وارثی شاعرانہ تعلی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''جذبہ خود نمائی میں یہ خواہش مضمر ہوتی ہے کہ انسان اپنی اچھائیاں بیان کر کے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے بڑا دکھائے۔''(۲۸۳)

فارسی الفاظ کا استعمال

الفاظ انسانی جذبات و احساسات کے اظہار کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔اردو زبان ایسی زبان ہے جو عربی، فارسی اور پنجابی زبان کے الفاظ اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی اردو نعتوں میں فارسی زبان کے الفاظ اس تجربے اور ہنرمندی سے استعمال کیے

ہیں کہ پڑھنے والا کسی جگہ ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ روانی کے ساتھ پڑھتا ہوا بندش الفاظ اور ترنم کو محسوس کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تو چراغ بزم شہود ہے
کبھی سبت ہے کبھی نود ہے
تو کمال بوئے بہار جہان
تو حدیث عنبر و عود ہے
تو شمیم لالہ و نسترن
تو سراغ چرخ کبود ہے(۲۸۴)

یہ نور کا عالم ہے کہ تصویر کا عالم
جو ماہ عرب ہے وہی خورشید عجم ہے(۲۸۵)

اختر ہوشیارپوری کی نعتیں جس طرح موضوعاتی اور فکری حوالے سے اعلیٰ پائے کی ہیں اسی طرح فنی اعتبار سے بھی اختر ہوشیارپوری کی نعوت اپنی مثال آپ ہیں۔اردو کے نعتیہ ادب میں اگر اخترہوشیارپوری کی تمام نعتوں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو وہ پاکستان کے چند اہم اور اچھے نعت گو شعرا میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔نعتیہ ادب کے آسمان پر اختر ہوشیارپوری نے جو کہکشائیں بکھیریں ہیں وہ خوش رنگ بھی ہیں اور جاذب نظر بھی۔اختر ہوشیارپوری نے نعت کے گلستان میں ایسے ایسے گلاب پیدا کیے ہیں جو رہتی دنیا تک اس کائنات کو اپنی خوشبو سے معطر کرتے رہیں گے۔ان تمام خصوصیات کی بنا پر اگر اختر ہوشیار پوری کو اردو نعت کا ''بے تاج بادشاہ'' کہا جائے تو کوئی شک نہیں۔انہی خوبیوں کی وجہ سے نعتیہ ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔اختر ہوشیارپوری آج ہم میں موجود نہیں مگر ان کا نعتیہ سرمایہ اس قدر قابل فخر اور قابل ستائش ہے کہ ہم ان کو اپنے درمیان سمجھتے ہیں۔یہ نعوت اختر ہوشیارپوری کے لیے توشہء آخرت ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نور الحسن نیر، مولوی،''نور الغات''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۱۹۸۹ء، ص۱۵۲۵

۲۔ میر احمد دہلوی،''فرہنگ آصفیہ''، اردو سائنس بورڈ،لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۵۷۹

۳۔ قائم رضا نسیم،سید،''نسیم الغات''،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۷۹

۴۔ فیروز الدین، مولوی،''فیروز اللغات''، فیروز سنز،لاہور، ۲۰۰۵ء،ص۱۴۳۳

۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر،''اردو کی نعتیہ شاعری''،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۲ء، ص۲۱

۶۔ ریاض مجید ڈاکٹر،''اردومیں نعت گوئی''،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۱۲

۷۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، ''اصناف ِادب''، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۴ ء، ص۶۶۷

۸۔ محمد تقی عثمانی،مولانا،مضمون:''نعت اور ا س کے آداب''،مشمولہ:''پہچان نعتیں''،مولف:سعد اللہ شاہ،لائف کارڈ پرنٹرز، لاہور،س ن،ص ۲۴۳

۹۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی،ص ۲۷

۱۰۔ عاصی کرنالی،ڈاکٹر،''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر''،اقلیم نعت،کراچی،۲۰۰۰ء ص۳۷

۱۱۔ عبیدہ رضوی،''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''،مقالہ: ایم فل اردو،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص۵۹۱

۱۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱

۱۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۹ء،ص۱

۱۴۔ اختر ہوشیارپوری، ایک طرز احساس، مشمولہ: ''خاتم المرسلین''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء،ص ۹

۱۵۔ اختر ہوشیارپوری، حرف اوّل، ''خیر البشر''، الحمد پبلی کیشنز، راولپنڈی،۲۰۰۰ء،ص ۷

۱۶۔ عبیدہ رضوی، ''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''،ص۱۹۰

۱۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، جمال محمود پریس، لاہور،۱۹۸۷ء،ص۳۹

۱۸۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۷ء، ص۵۱

۱۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۲۳

۲۰۔ اختر ہوشیارپوری، رسالت مآب''، ص۳۵

۲۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۰۷

۲۲۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''، ص۵۸

۲۳۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''، ص۱۱۷

۲۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۳۷

۲۵۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''، ص ۱۱۱

۲۶۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''، ص۶۲

۲۷۔ اختر ہوشیارپوری، مجتبیٰ، ص۱۰۲

۲۸۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''، ص۱۲

۲۹۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''، ص۲۳

۳۰۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''، ص۵۹

۳۱۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''، ص۴۶

۳۲۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''، ص ص۷۶،۷۵

۳۳۔ اختر ہوشیارپوری،''مجتبیٰ''، ص۲۰

۳۴۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین''، ص ۱۷

۳۵۔ اختر ہوشیارپوری،''مجتبیٰ''، ص۴۵

۳۶۔ ایضاً، ص۲۷

۳۷۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۸۷

۳۸۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''، ص۲۱

۳۹۔ ایضاً، ص۳۲

۴۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۱۹

۴۱۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''، ص۱۹

۴۲۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۴۵

۴۳۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۴

۴۴۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۵۱

۴۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۲۰

۴۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۸۶

۴۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۱۳

۴۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۲۱

۴۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۲۳

۵۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۷

۵۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۶۱

۵۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۷

۵۳۔ ایضاً، ص۱۲

۵۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۱۹

۵۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۱۵۱

۵۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''ص۸۶

۵۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۱۰۳

۵۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۲۲

۵۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''ص۴۸

۶۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۲۴

۶۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۴

۶۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۴۲

۶۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۳۶

۶۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۰۷

۶۵۔ ایضاً، ص۱۲۷

۶۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۸۱

۶۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۲۲

۶۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۳۷

۶۹۔ ایضاً، ص۵۱

۷۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۶۹

۷۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۱۱۷

۷۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۶۴

۷۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۵۰

۷۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۳۲

۷۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۶۳

۷۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۵۸

۷۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۹۵

۷۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۴۷

۷۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۲۶

۸۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۵۱

۸۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۰۵

۸۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۱۴۶

۸۳۔ ایضاً، ص۴۷

۸۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۱۸

۸۵۔ اختر ہوشیارپوری، متاع فقیر، مشمولہ: ''مجتبیٰ''، ص ص۱۰،۹

۸۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۹۳

۸۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۱۲۲

۸۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۱۴۴

۸۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۳۹

۹۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۹۵

۹۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۵۴

۹۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۴۲

۹۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۱۰۵

۹۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۴۳

۹۵۔ ایضاً، ص۴۷

۹۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۳۲

۹۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۲۰

۹۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۲۵

۹۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص ص۷۸،۷۷

۱۰۰۔ ایضاً، ص۸۹

۱۰۱۔ ایضاً، ص۱۲۷

۱۰۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۲۶

۱۰۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۳۸

۱۰۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۶۸

۱۰۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۶۷

۱۰۶۔ ایضاً، ص۲۷

۱۰۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۰۴

۱۰۸۔ ایضاً، ص۳۹

۱۰۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۳۹

۱۱۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۹۷

۱۱۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۲۴

۱۱۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۷۵

۱۱۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۲۷

۱۱۴۔ قمر عینی، مضمون: ''رسالت مآب پر''، مشمولہ: نیرنگ خیال، مدیر: سلطان رشک، جلد۸۱، شمارہ ۷، راولپنڈی، ص۴۴۳

۱۱۵۔ مقبول حسین، سید، کرنل(ر)، ''اختر ہوشیارپوری ......آراء اور تاثرات''، مشمولہ: ماہنامہ وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص۳

۱۱۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۳۳

۱۱۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۱۴

۱۱۸۔ ایضاً، ص۱۵

۱۱۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۳۰

۱۲۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۱۴۸

۱۲۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۴۴

۱۲۲۔ ایضاً، ص۴۷

۱۲۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۷

۱۲۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۵۷

۱۲۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۱۵۰

۱۲۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۴۷

۱۲۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۸۴

۱۲۸۔ ایضاً، ص۱۵۳

۱۲۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۲۱

۱۳۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۴۵

۱۳۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۶۱

۱۳۲۔ ایضاً، ص۸۷

۱۳۳۔ ایضاً، ص۵۶

۱۳۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۸۶

۱۳۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۶۶،۶۵

۱۳۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۳۷

۱۳۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۹۳

۱۳۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۴۴

۱۳۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۴۰

۱۴۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۷۸

۱۴۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۱۰۸

۱۴۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۲۶

۱۴۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۲

۱۴۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۷

۱۴۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۱۲

۱۴۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۳۹

۱۴۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۱۷

۱۴۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۳۷

۱۴۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۲۷

۱۵۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۶۷

۱۵۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۱۰۲

۱۵۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۴۷

۱۵۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۳۷

۱۵۴۔ ایضاً، ص۵۹

۱۵۵۔ امتیاز حسین شاہ کاظمی، سید، مضمون ''نعت گوئی کے افق پر چمکتا ستارہ''، مشمولہ: ''حدیث حرف''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۷ء، ص۹

۱۵۶۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، ص ۵۵

۱۵۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۳۴

۱۵۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص ص۱۱۵، ۱۱۴

۱۵۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۲۶

۱۶۰۔ ایضاً، ص۱۲۱

۱۶۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۳۹

۱۶۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۰۴

۱۶۳۔ ایضاً، ص۸۹

۱۶۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۹۵

۱۶۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۷۹

۱۶۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۱۷

۱۶۷۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''،ص۹۵

۱۶۸۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۵۹

۱۶۹۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۱۲۰

۱۷۰۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۳۵

۱۷۱۔ طارق عزیز،''ناصر حسین چشتی نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ''،مقالہ:ایم فل اردو،اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۱۳ء، ص۸۷

۱۷۲۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۳۸

۱۷۳۔ طارق عزیز، ''ناصر حسین چشتی کا نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ''،ص۸۷

۱۷۴۔ شمیم حیدر ترمذی،ڈاکٹر، ''ریاض نعت اور نوال مصطفی''،مشمولہ:ذکر شہ والا از سید ریاض حسین زیدی، الاشراق پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۱۰ء،ص۳۵

۱۷۵۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۱۱۱

۱۷۶۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۲۳

۱۷۷۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۵۶

۱۷۸۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۹

۱۷۹۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین''،ص۶۹

۱۸۰۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۹۷

۱۸۱۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۵۴

۱۸۲۔ اختر ہوشیارپوری،حرف اول،''خیرالبشر''،ص۷

۱۸۳۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۶۳

۱۸۴۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین''،ص۸۳

۱۸۵۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۹۲

۱۸۶۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۵۷

۱۸۷۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۱۲۰

۱۸۸۔ ایضاً، ص۸۵

۱۸۹۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۳۰

۱۹۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۳۷

۱۹۱۔ ایضاً، ص۳۴

۱۹۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۴۰

۱۹۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۹۹

۱۹۴۔ ایضاً،۱۱۹

۱۹۵۔ ایضاً،۱۲۰

۱۹۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۹۴

۱۹۷۔ ایضاً، ص۱۱۲

۱۹۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۲۸

۱۹۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص ص۶۸،۶۷

۲۰۰۔ ایضاً، ص۱۳۳

۱۰۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۲۶

۲۰۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۳۵

۲۰۳۔ ایضاً، ص۱۳۹

۲۰۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۲۰

۲۰۵۔ ایضاً، ص۱۱۳

۲۰۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۴۷

۲۰۷۔ ایضاً، ص۱۳۲

۲۰۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۹۷

۲۰۹۔ ایضاً، ص۱۰۸

۲۱۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص ص۹۱،۹۰

۲۱۱۔ ایضاً، ص۴۱

۲۱۲۔ اختر ہوشیارپوری، حرف اوّل، ''خیر البشر''، ص۸

۲۱۳۔ ایضاً، ص۱۳

۲۱۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۳۶

۲۱۵۔ ایضاً،ص۷٦

۲۱٦۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۹۹

۲۱۷۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۳۷

۲۱۸۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص٦۵

۲۱۹۔ عائشہ سلام،''جناب اختر ہوشیارپوری (حیات و خدمات)''،ص۸۵

۲۲۰۔ رشید نثار،''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اور فن)''،ص۱۱۴

۲۲۱۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیثِ حرف''، ص ص٦۷،٦٦

۲۲۲۔ اختر ہوشیارپوری،''مجتبیٰ''،ص۵۰

۲۲۳۔ ایضاً،ص۸۰

۲۲۴۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین''،ص٦۸

۲۲۵۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''،ص۸۳

۲۲٦۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۴٦

۲۲۷۔ رشید نثار،''اختر ہوشیارپوری شخصیت و فن''،ص۱۲۸

۲۲۸۔ اختر ہوشیارپوری،''مجتبیٰ''،ص۲۲

۲۲۹۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''،ص۲۵

۲۳۰۔ ابو الخیر کشفی، ڈاکٹر، ''نعت اور تنقید نعت''، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی،۲۰۰۹ء،ص۷

۲۳۱۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۵۷

۲۳۲۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''،ص۴۷

۲۳۳۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین''،ص۴۲

۲۳۴۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۱۰۰

۲۳۵۔ اختر ہوشیارپوری،''مجتبیٰ''،ص۱۰۰

۲۳٦۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۱۱۵

۲۳۷۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ''تفہیم و تحسین شعر''، سنگت پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰٦ء،ص ۸۸

۲۳۸۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۱۲٦

۲۳۹۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۳۷

۲۴۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۹۳

۲۴۱۔ نوشابہ سمیع، ''رموز معروضیت اردو''، فاروق سنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۶۹

۲۴۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۶۳

۲۴۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۸

۲۴۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۸۳

۲۴۵۔ امین راحت چغتائی، مضمون: ''اختر کی نعت''، مشمولہ: رسالت مآب، ص ص ۱۲،۱۳

۲۴۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۹۵

۲۴۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۹۶

۲۴۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۵۱

۲۴۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۱۲۷

۲۵۰۔ ایضاً، ص۱۳۴

۲۵۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۸۱

۲۵۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۱۱۶

۲۵۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۱۱۰

۲۵۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۰۲

۲۵۵۔ اختر ہوشیارپوری، ''حدیث حرف''، ص۸۴

۲۵۶۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۴۹

۲۵۷۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۹۷

۲۵۸۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۰۵

۲۵۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۶۴

۲۶۰۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ص۱۱۸

۲۶۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''خیر البشر''، ص۱۳۸

۲۶۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''رسالت مآب''، ص۱۰۶

۲۶۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''خاتم المرسلین''، ص۲۷

۲۶۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''مجتبیٰ''، ص۳۱

۲۶۵۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''،ص۱۲۵
۲۶۶۔ اختر ہوشیارپوری،''مجتبیٰ''،ص۵۰
۲۶۷۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۷۸
۲۶۸۔ ایضاً،ص۹۹
۲۶۹۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۹۶
۲۷۰۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۷۹
۲۷۱۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۱۰۹
۲۷۲۔ اختر ہوشیارپوری،''رسالت مآب''،ص۱۰۵
۲۷۳۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۳۵
۲۷۴۔ ایضاً،ص۲۱
۲۷۵۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''،ص۶۹
۲۷۶۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۲۶
۲۷۷۔ عبیدہ رضوی، ''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''،ص۲۱۷
۲۷۸۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۳۸
۲۷۹۔ اختر ہوشیارپوری،''حدیث حرف''،ص۲۷
۲۸۰۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین''،ص۶۲
۲۸۱۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۴۵
۲۸۲۔ اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین''،ص۵۹
۲۸۳۔ رشید وارثی،''اردو نعت اور شاعرانہ تعلی''، نعت رنگ، کراچی، ۱۹۹۷ء،ص۱۷
۲۸۴۔ اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''،ص ص۶۴،۶۳
۲۸۵۔ اختر ہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۳۳

باب چہارم

اختر ہوشیار پوری کی دیگر ادبی خدمات

(نظم،ہائیکو، مرثیہ)

باب چہارم

اختر ہوشیار پوری کی دیگر ادبی خدمات

(نظم،ہائیکو، مرثیہ)

اُردو نظم کا آغاز و ارتقاء

شاعری دراصل انسانی، جذبات اور احساسات کا نام ہے۔ایک شاعر معاشرے میں پیدا ہونے والے مختلف واقعات، کو اپنے خیال کے مطابق لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔شاعر اصل میں معاشرے کا عکاس ہوتا ہے۔وہ معاشرے کا عکس کبھی نثر میں کرتا ہے او رکبھی نظم میں۔پھر ان کی مختلف صورتیں ہیں۔کبھی غزل کو اپنے خیالات کا آئینہ بنایا گیا تو کبھی نظم کو لیکن بہت سارے شعراء او رناقدین نے ''نظم'' کو اپنے جذبات کے اظہار کے لیے بہتر قرار دیا ہے۔نظم نگاری کا باقاعدہ آغاز تو انیسویں صدی کے آغاز میں ہوا لیکن اس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا اپنی کتاب ''اردو شاعری کا مزاج'' میں نظم کی ابتداء کے لیے یوں لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ دکنی دور میں نظم پہلے وجود میں آئی اور غزل بعد میں۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دکن میں شاعری کو آغاز میں مذہبی اور تبلیغی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا جس کے لیے غزل کے بجائے نظم زیادہ کار آمد تھی۔''(۱)

ابتدا ء میں نظم جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مذہبی پر چار کے لیے لکھی گئی۔اس وقت نظم کو ئی خاص مشکل نہیں تھی بلکہ مرثیہ،قصیدہ او رمثنوی کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد اٹھارویں صدی کی ابتداء میں اردو غزل کو بہت پذیرائی ملی اور ہر طرف غزل کا بول بالا ہوا لیکن اردو غزل کی بے پناہ تربیت کے باوجود بھی اردو نظم نے کسی نہ کسی صورت میں اپنا سفر جاری رکھا یعنی نظم نے بھی غزل کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس برابر رکھا۔اردو نظم کی سب سے پرکشش اور دلکش آواز نظیر اکبر آبادی نے اٹھائی۔اس سلسلے کی سب سے پہلی اور باقاعدہ آواز نظیر اکبر آبادی ہیں۔نظم نگاری کے حوالے سے نظیر اکبرآبادی کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا یوں لکھتے ہیں:

''اردو نظم میں میں نظیر کی سب سے بڑی عطایہ ہے کہ اس نے شعر کو آسمان سے اترنے او رزمین کی باس سونگھنے کی طرف متوجہ کیا او ریوں اپنے وطن کی دھرتی اور اس کی اشیا ہی کو نہیں بلکہ اس کی روایات تلمیحات او رثقافتی مظاہر سے بھی گہری وابستگی کا ثبوت بہم پہنچایا۔''(۲)

نظیر اکبر آبادی سے باقاعدہ اردو نظم کا آغاز ہوا۔اس سلسلے میں نظیرؔ نے جو موضوعات نظم میں سموئے وہ زبان زد عام ہوگئے او رنظم بھی اردو غزل کی طرح لوگوں میں پسند کی جانے لگی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سید طلعت حسین نقوی ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''نظیرؔ نے اپنی نظم نگاری کے لیے جو موضوعات منتخب کیے وہ ہندوستان کی عوامی زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ان میں میلے ٹھیلے بھی ہیں، تہوار بھی، کھیل تماشے بھی اور ایسے موضوعات بھی ہیں جو اگرچہ فلسفیانہ ہیں لیکن نظیرؔ کے انداز بیان نے ان کو فلسفے کی خشکی سے بچا لیا ہے۔مثلاً آدمی نامہ، بنجارہ نامہ، اور روٹی نامہ وغیرہ۔''(۳)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے حکومت سنبھالی۔برصغیر میں انگریزی زبان کا راج ہوگیا۔ہماری تہذیب و ثقافت، معاشرت، طرزِ زندگی اور نظام معیشت میں تبدیلیاں آگئیں۔ اُردو شاعری نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا۔پرانے موضوعات کی جگہ نئے موضوعات اور الفاظ کا چناؤ بھی عمدہ کیا جانے لگا۔پرانے الفاظ، فرسودہ خیالات میں تبدیلی آنا شروع ہوگئی۔حسن و عشق، پیار و محبت کی داستانیں ختم ہونے لگی اور معاشرے کی ترقی او راصلاح کا احساس شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا جانے لگا۔یوں نظم چلتی ہوئی محمد حسین آزادؔ اور حالیؔ کے گھر تک پہنچی۔
اردو نظم کے حوالے سے آل احمد سرور ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''نظم کی دنیا، اردو شاعری میں غزل سے ہٹی نہیں۔''(۴)

مولانا محمد حسین آزادؔ او رحالیؔ کے بعد اُردو نظم کی ترقی اور ترویج میں اسماعیل میرٹھی، شبلیؔ اور اکبر الہ آبادی کے نام آتے ہیں۔انھوں نے نظم کو نئے نئے موضوعات سے متعارف کروایا۔ یو ں نظم کا میدان مزید وسیع ہوتا گیا۔اس سلسلے میں پروفیسر محمد حیات سیال اپنی کتاب میں اسماعیل میرٹھی کی نظموں کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

''آسان او رسہل زبان میں چھوٹی چھوٹی نظمیں اس انداز سے لکھیں کہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے دونوں متاثر ہونے لگے۔ان نظموں میں بلا کی حسن کاری سادگی اور تعلیمی خصوصیات موجود ہیں۔ان کے موضوعات روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔''(۵)

اس کے بعد علامہ اقبال نے نظم میں رنگینی او ردلکشی پیدا کی اور اس کے کینوس کو بہت وسیع کیا۔انھوں نے نظم کو قومی، ملی اخلاقی او رفلسفیانہ موضوعات سے روشناس کیا۔یوں اُردو نظم کا میدان تاحد نظر وسیع ہوگیا۔اقبالؒ نے نظم میں عالمگیریت پیدا کی۔اقبالؒ کے حوالے سے محمد حسن اپنی کتاب میں یوں لکھتے ہیں:

''اقبال کی نظموں نے اردو نظم نگاری کو نئی عظمتوں سے آشنا کیا۔اسے پہلی بار اعلیٰ سنجیدگی او رباوقار متانت کی سند نصیب ہوئی اور فنی بلوغت اور پختگی کی اس منزل تک رسائی ہوئی جس تک غزل کو غالب نے پہنچایا تھا۔''(۶)

علامہ اقبال کے بعد اردو نظم کے میدان میں اختر شیرانی، عظمت اللہ، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری اور احسان دانش اُترے۔انھوں نے اپنی شاعری بالخصوص اردو نظم کے حوالے سے اس گلستان میں ایسے ایسے پھول کھلائے جو آنے والے لوگوں کے لیے خوش رنگ اور خوش نما تھے۔انھوں نے اردو نظم کے میدان کو ہموار کیا اور اس کے لہجے میں حلاوت او رمٹھاس پیدا کی اور سوز و گداز پیدا کیا جس کی مثالیں نہیں ملتیں۔حفیظ کی نظموں کے حوالے سے ایک جگہ محمد حیات سیال یوں لکھتے ہیں:

''حفیظ کا کمال یہ کہ وہ بحر، وزن یا تشبیہ و استعارہ ہی سے نہیں بلکہ نظم کے ایک ایک لفظ سے منظر کی تصویر کھینچ دیتا ہے اور وہی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو خود اس کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔''(۷)

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔اس دور میں جن لوگوں نے نظم نگاری میں اپنا قدم رکھا۔ان میں فیض احمد فیض، سردار جعفری، احمد ندیم قاسمی او ران کے علاوہ اور بہت سے شعرا تھے۔انھوں نے اپنی نظم میں رومانویت کے ساتھ انقلاب کی بھی بات کی اور انھوں نے نظم کو بامِ عروج بخشا۔ان تمام لوگوں نے اس بات کو سمجھا کہ اردو نظم غزل کی نسبت زبان و بیان میں

کشادہ ہے او روسیع میدان رکھتی ہے۔اس سلسلے میں فیضؔ کے بارے میں عبیدہ رضوی اپنے مقالے میں یوں لکھتی ہیں:

> ''فیض احمد فیض رومانیت سے حقیقت کی طرف سفر کرتے ہیں۔وہ عرفانِ ذات کی حدوں کو عرفانِ کائنات کی حدوں سے ملاتے ہیں۔انھوں نے اپنی نظموں میں ایک نیا لب و لہجہ پیدا کیا ہے۔وہ مشرقی روایت سے زیادہ مغربی شاعری کے اسلوب سے متاثر نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی نظموں میں نئی تشبیہات اور نئے استعاروں کا ایک جہاں پیدا کیا ہے۔''(۸)

اردو نظم کی روایت میں مزیدمعتبر نام یہ ہیں میرا جی، ن۔م راشد، حمید احمد او رتصدق حسین وغیرہ۔ان لوگوں نے نظم کی خارجیت کے علاوہ داخلیت پر زیادہ زور دیا اور اُردو نظم کو فنی او رفکری حوالوں سے مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔اس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا اپنی کتاب اردو شاعری کا مزاج میں یوں کہتے ہیں:

> ''میرا جی اردو نظم میں داخلیت کا علمبردار ہے لیکن اس ضمن میں تصد ق حسین خالد او رن۔م راشد کی عطا کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں۔''(۹)

اس کے بعد اردو نظم کی روایت کو آگے بڑھانے میں بہت سے شعرا کے نام آتے ہیں۔ جن میں یوسف ظفر، قیوم نظر، مختار صدیقی، منیب الرحمن، اختر الایمان، سید ضیا جالندھری، ظہور نظر، عارف عبدالمتین، منیر نیازی، شہزاد احمد، صفدر میر او راخترہوشیارپوری بہت اہم ہیں۔جنھوں نے نظم کی ہیئت، اسلوب، زبان و بیان اور فنی مہارتوں میں نت نئی تبدیلیاں کیں اور نظم کو ہر حوالے سے سنوارنے او رنکھارنے کی عمدہ کوششیں کرتے رہے۔اختر ہو شیار پوری کی اردو نظم میں آمد کو امین راحت چغتائی ان الفاظ میں خوش آمدید کہتے ہیں:

> ''نئی اردو نظم ۱۹۳۰ ء کی دہائی میں دریافت ہوئی۔اصل میں یہ وہ زمانہ ہے جب انگریزی نظم نیا روپ دھار رہی تھی او رہمارا ادب براہ راست انگریزی شعر و ادب سے نئے رجحانات قبول کر رہا تھا۔اسے بڑا بابرکت عہد کہنا چاہیے کہ اس میں جس شاعر و ادیب نے بھی قلم اٹھایا اس کے

درجات بلند ہوتے گئے۔انہیں بلند درجات شعرا میں ایک بزرگ نام اختر ہو

شیار پوری کا بھی ہے۔"(۱۰)

اختر ہوشیارپوری کی نظم نگاری

اختر ہوشیارپوری نے اپنا شعری سفر نظم گوئی سے شروع کیا۔مگر بہت جلد وہ غزل کے میدان میں آگئے۔ان کی نظموں کا مجموعہ ایک ہی ہے جس کا نام انہوں نے "شب گزراں" رکھا ہے۔اگرچہ اختر ہوشیارپوری نے نظم گوئی کا ساتھ بہت کم دیا مگر انہوں نے جتنی بھی نظمیں کہی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ہر ایک نظم اپنے اندر بہت اعلیٰ مضمون سموئے ہوئے ہے۔اختر ہوشیارپوری کی نظمیں انسانی زندگی کے ہر زاویے کے گرد گھومتی ہیں اور زندگی کی حقیقت سے آشنا کرتی ہے۔

اختر ہو شیار پوری کی نظموں میں ہمیں، رومانیت، انقلاب، حسن، عشق، غنایت، معاشرے کی عکاسی، نیز بہت کچھ ملتا ہے۔اُردو غزل کی طرح اُردو نظم میں بھی اختر ہو شیار پوری نے اپنی نظموں میں بہت سارے موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ان کی ایک نظم"۱۸۵۷ء کے شہداء کے نام" انقلاب کا بہت عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔

اس نظم میں اختر ہو شیارپوری نے ۱۸۵۷ء کے شہدا کو سلام اور عقیدت کے پھول پیش کیے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کہہ رہے ہیں کہ آپ کی قربانیوں او رشہادتوں کی وجہ سے آج ہم سکون او راطمینان کی زندگی گزار رہے ہیں۔وہ شہدا کو کہہ رہے ہیں کہ آپ کا خون بہا ہے تو پھولوں پر رنگ او رونق اتری ہے۔آپ تختۂ دار پر لٹکے ہیں تو ہمارے گلشن میں بہار آئی ہے۔اگر آپ قربانی نہ دیتے، آپ سولیوں پر نہ لٹکتے تو ہم پتہ نہیں کہاں بھٹک رہے ہوتے۔اس نظم میں انھوں نے اپنے الفاظ سے بڑا عمدہ خیال پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔یہ الفاظ عام اور سادہ دکھائی دیتے ہیں جیسے لہو، پھول، بہار، شعلہ، موت اور وفا مگر ان الفاظ کو شعری پیرائے میں اُردو نظم جیسی خوبصورت ہیئت میں ڈھال کر اختر ہو شیار پوری نے ایسا سماں باندھا ہے کہ قاری مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، نظم کے چند اشعار دیکھیں۔

ہمیں خبر ہے جو ان منزلوں سے گزرے ہیں
کہ زیست موت کی راہوں میں مسکراتی ہے
لہو بہے تو تمنا کے پھول کھلتے ہیں

کٹیں جو سر تو جنوں پر بہار آتی ہے
جو تم نہ دار پہ کھنچتے تو ہم زمانے میں
ابھی کچھ اور پریشان و خستہ جاں ہوتے
غمِ وفا کو تب وتاب بخشنے والو
جو تم نہ ہوتے تو ہم لوگ پھر کہاں ہوتے (۱۱)

اللہ تعالٰی نے اختر ہو شیارپوری کو بڑی لطیف او رعمدہ کی شاعرانہ طبیعت سے نوازا تھا۔بہت چھوٹی عمر میں ہی اُن کو شاعری کا شوق ہو گیا تھا۔ بہت جلد انھوں نے اپنی نظموں میں بڑے بڑے موضوعات سموئے اور جلد ہی ان کی شاعری فنی پختگی سے ہمکنار ہوئی۔رجائیت، امید، مناظرِ فطرت کی عکاسی، حب الوطنی او رانسانی ہمدردی ان کے اہم موضوعات ہیں۔ وہ اپنی ایک نظم "ایک احساس'' میں کس طرح مناظر فطرت کی عکاسی کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ڈھک گئے برف سے سب پست و بلند
برف ہی برف بچھی ہے ہر سُو
چاندنی رہ گئی جم کر ہر سمت
یا گرے برگِ سمن بے خوشبو
سیم بر کوہ چٹا نیں پتھر
جیسے پھونکا ہو کسی نے جادو(۱۲)

اختر ہوشیارپوری کی نظمیں جاندار اور توانا ہیں۔یہ اپنے اندر موضوع کے اعتبار سے وسعت رکھتی ہیں۔ان کا رنگ، ڈھنگ او رآہنگ بڑا منفرد اور اہمیت کا حامل ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر رشید نثار اپنی کتاب''اختر ہوشیارپوری ...... شخصیت و فن'' میں لکھتے ہیں:

اختر کی نظمیں قابلِ فہم توانائی او رایک متوازی حجم اور وسعت سے تعلق رکھتی ہیں۔''(۱۳)

اختر ہو شیار پوری کی بہت سی نظمیں زندگی کے ارد گرد گھومتی ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی نظموں زندگی کو مختلف روپ میں پیش کیاہے۔انہوں نے زندگی میں آنے والے تمام عروج و زوال، پستی و بلند ی اور اتار چڑھاؤ کو بڑے قرینے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ بتاتے ہیں

کہ زندگی نہ تو ساغرومینا کا نام ہے او رنہ ہی لالہ و گل کا۔بلکہ زندگی نام ہے دوسرے لوگوں کے کام آنے کا۔زندگی نام ہے کائنات میں محبت او رپیار کا اور زندگی نام ہے تلوار کی جھنکار کا۔وہ اپنی نظم "زندگی"میں اس بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

یوں بھی ہر چند تمنائیں بہل جاتی ہیں
زندگی ساغر و مینا کا مگر نام نہیں
تجھ کو کیا علم کہ کیا چیز ہے رس پھولوں کا
پھول کے دل کا لہو بادۂ گلفام نہیں
تُو سمجھتا ہے کہ سب کچھ ہیں وہ بہکی نظریں
گردشِ جام مگر گردِش ایام نہیں(۱۴)

اختر ہو شیار پوری کو اپنے وطن او راپنی مٹی سے بے پناہ محبت تھی۔وہ اس خاک کو اپنے آبا کا گہوارہ سمجھتے تھے۔اس خاک کو اپنی زندگی کی قیمتی متاع سمجھتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ میری عزت، حرمت او رعظمت اسی خاک کی وجہ سے ہے۔اپنی نظم ’’پہچان‘‘ میں اختر ہو شیار پوری نے اپنی ذات او رخاک کو کس منفرد او رخوبصورت انداز سے قاری کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔خاک سے مرا د دراصل وطنِ عزیز پاکستان ہے وہ پاکستان کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اگر پاکستان زندہ ہے تو میں زندہ ہوں۔اختر ہو شیار پوری نے اس موضوع کو نہایت دلکش انداز میں اپنی نظم ’’پہچان‘‘ میں قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ان کی نظم ’’پہچان‘‘ کے چند اشعار دیکھیں:

میں نے اس خاک کو کب زیست کا حاصل نہ کہا
آج بھی میری حیات اس کا ہی سرمایہ ہے
کل بھی اس نے یہی چاہا تو مجھے عذرنہیں
میری عزت مری حُرمت مری عظمت ہے یہ خاک
کہ یہی خاک ہے گہوارہ مری نسلوں کا
کہ اسی خاک میں آسودہ مرے آبا ہیں
یہ حسیں خاک مرا دیس ہے پہچان مری
وطنِ پاک کی مٹی ہے نگہبان مری

میری تہذیب کی ضامن اسی مٹی کا سہاگ
اسی مٹی کی جوانی مرے کھیتوں کے ہیں راگ (۱۵)

اختر ہو شیار پوری کی شاعری کے حوالے سے او ربالخصوص اردو نظم کے حوالے سے سلطان رشک ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''اختر ہو شیار پوری کی شاعری امید، اثبات، روشنی او رروشن مستقبل کی نویددیتی ہے۔ان کے فکر و فن کے پاؤں اپنی زمین پر ہیں۔وہ امکانات او رممکنات کے شاعر ہیں۔ان کے در و بست میں غور کیا جائے تو کئی کہانیاں نظر آتی ہیں۔''(۱۶)

اختر ہو شیار پوری کی نظمیں رومان اور انقلاب کا حسین امتزاج ہیں۔وہ انقلابی باتیں الفاظ کے پردوں میں کرتے ہیں۔وہ اندھیروں کے چھٹنے کی بات کرتے ہیں۔وہ شعور کی بات کرتے ہیں۔ وہ غلامی سے نجات کی بات کرتے ہیں۔وہ علم او رفہم فراست کی بات کرتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں امن کا بول بالا ہو اور کسی جگہ کوئی شخص اندھیرے میں گھٹ گھٹ کر اپنی زندگی موت کے حوالے نہ کرے۔وہ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ پر مساوات او رخوشحالی کی فضا قائم ہو۔وہ علم اور روشنی کی شمع جلانے کے قائل ہیں۔اس حوالے سے انھوں نے ایک نظم ''استقلال'' لکھی ہے جو انقلاب کا عمدہ نمو نہ ہے:

زمانہ اُلجھتا ہے ہم سے تو اُلجھے
ہمیں تو کوئی کد نہیں ہے کسی سے
اگر اہل عالم (یہ ظلمت کے رسیا)
دھندلکے ہی چاہیں تو چاہیں مگر ہم
بہ ہر گام شمعیں جلاتے رہیں گے
کہ ہم اس اندھیرے سے اکتاگئے ہیں
اندھیرا، جو جالے ہی بنتا رہا ہے
اندھیرا، جو ذہنوں کو گہنا گیا ہے
مگر زیست اب کروٹیں لے چکی ہے

یہ سیلابِ ضو یہ تجلی کا طوفان
جو لہرا کے اٹھا ہے شمعوں کی لو سے
افق تا افق اب اجالا کرے گا
نہ اب یہ پہاڑوں سے بھی رک سکے گا
کہ اب وقت او رفاصلہ کچھ نہیں ہے(۱۷)

اختر ہو شیار پوری کی نظموں میں رومانیت کا رنگ بھی بہت گہرا ہے۔ان کی اکثر نظموں میں فیضؔ کی نظموں کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے یعنی فیضؔ اور اخترؔ کی نظموں میں ایک طرح کی فکر اور خیال کا عکس نظر آتا ہے۔اخترہوشیارپوری کی ایک نظم ''دلیلِ راہ'' میں رومانوی رنگ دیکھیں:

آپ اس درجہ پریشان نہ ہوں
آپ سے ملنے نہیں آیاہوں
میری منزل تو ہے اُس پار کہیں
جس کے باغوں کی سہانی خوشبو
آپ کی زلفوں میں لہراتی ہے
جس کے نوخیز شگوفوں کی بہار
آپ کے گالوں میں لو دیتی ہے
جس کی شاداب فضاؤں کا طلسم
آپ کے ہونٹوں پہ رقصندہ ہے
اور نہ جانے مجھے ان آنکھوں پر
کیوں کٹوروں کا گماں ہوتا ہے (۱۸)

اس حوالے سے ان کی نظم ''قیام'' کے چند اشعار دیکھیں۔جن سے رومانیت چھلک رہی ہے۔

مٹا ہوا تھا مجھے تُو نے زندگی دے دی
ترے کرم نے اٹھایا ہے اپنے دامن میں
وہ دل کے پھول کا جس پر گمان مشکل تھا
تری نظر سے جلا ہے مری نظر کا چراغ

تری شگفتہ لبی سے ملا سراغِ سحر
ترے مہکتے ہوئے گیسوؤں کی لہروں سے
پنپ رہی ہے مری آرزو ئے نغمہ گری
قریب آ کہ ترے دم قدم سے پیدا ہیں
وہ گیت جو مرے اشکوں سے اب ہویدا ہیں (۱۹)

عبیدہ رضوی اختر کی رومانوی نظموں کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھتی ہیں کہ

''اختر کی رومانوی نظموں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ وہ محبت کے نازک جذبات کو محض محسوس کرتے ہیں کہ یہ ان کی ذاتی زندگی کا تجربہ ہے۔''(۲۰)

خاور اعجاز، اخترہوشیارپوری کی رومانیت سے یوں نقاب کشائی کرتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ:

''اختر صاحب کی نظموں میں جو رومانیت ہے وہ ایک مخصوص دور کی تہذیب کا آئینہ ہے''(۲۱)

اختر ہو شیار پوری کی شاعری میں رومانیت او راُمید کا پہلو بہت واضح ہے۔وہ جگہ جگہ اپنی نظموں میں امید کا علم اٹھاتے ہمیں نظر آتے ہیں۔ان کی امید میں ان کی ایک قلبی کیفیت پائی جاتی ہے۔اُمید زندگی کا بہت بڑا سہارا اور روشن مستقبل کی علامت ہے۔یہ احساس امید ہی دلاتی ہے کہ زندگی خوش رنگ بھی ہے اور پُرمسرت بھی مگر ہمت نہ ہاریں اور دل برداشتہ نہ ہوں۔اختر ہوشیارپوری اپنی نظم ''نقوش'' میں یوں لکھتے ہیں:

اور اس یاد کی حرارت سے
میں نے پایا ہے دل کو جلتا ہوا
صبحدم جیسے شعلۂ خاور
چشمۂ زندگی اُبلتا ہوا
وادیٔ شب کی سرد ظلمت سے(۲۲)

امین راحت چغتائی ایک جگہ اختر ہوشیارپوری کی نظم ''نقوش'' کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

''وہ اپنی نظم ''نقوش'' میں محبوب کی یاد سے دل میں امید و رجا کی حرارت یوں محسوس کرتا ہے جیسے صبحدم شعلہ خاور سے زندگی کا چشمہ ابل رہا ہو۔''(۲۳)

اختر ہو شیارپوری نے ۱۹۴۲ء تک جتنی نظمیں لکھیں اُن پر رومانیت کا رنگ غالب ہے۔مگر فیض ؔ کی طرح اخترہوشیارپوری نے بہت جلد اپنا رخ تبدیل کرلیا او رغم جاناں سے غم دوراں کی طرف پلٹے۔دنیا او رمحبوب کی رنگینی کے پیچھے انہیں سسکتے اور بلکتے ہوئے بچے نظر آئے او رسڑکوں پر ہاتھوں میں بیلچے اٹھائے مزدور۔گویا انھوں نے اپنی شاعری میں انقلاب کی بات شروع کی اختر ہوشیارپوری اپنی ایک نظم ''نیا موڑ'' میں یوں لکھتے ہیں:

آخرش قافلۂ عمر رواں آپہنچا
آج امید کی راہوں پہ نئے موڑ کے پاس
جہاں ارمانوں کی ملتی ہے نئی تاب و تواں
آندھیوں میں جہاں چلتا ہے چراغِ احساس
ابھر آتے ہیں کئی ماضی وفرداکے نقوش
جن کی خوشبو سے مہکتا ہے دل درد شناس
جہاں افسانے حقائق میں بدل جاتے ہیں
وہ فسانے جو ہیں پندارِ محبت کی اساس(۲۴)

اخترہوشیارپوری کا رومان دائروں میں نہیں گھومتا بلکہ انہیں آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے اور وہ بہت جلد ذات سے کائنات کی پہچان پیدا کر لیتے ہیں۔یہی پہچان اختر ہوشیارپوری کو ذاتی غم سے نکال کر کائناتی غم میں مبتلا کر دیتی ہے اور نظم کا دائرہ وسیع تر ہو تا جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں رومانیت انقلابی سوچ کو جنم دیتی ہے۔یوں اختر ہوشیارپوری انقلابی رومانیت کے دور میں داخل ہو جاتے ہیں۔

تقسیمِ پاکستان اور ۱۹۴۵ء کی جنگ عظیم کے واقعات نے اخترہوشیارپوری کی شاعری پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔خون کی ہولی کھیلی گئی۔انسانی زندگیوں کی پامالی کی گئی۔بوڑھوں او ربچوں کو بے دردی سے مارا گیا۔عورتوں کے سامنے ان کے بچوں کو ذبح کیا گیا۔اس طرح کے حالات دیکھنے کے بعد اختر کی شاعری میں تبدیلی آئی۔بدلتے ہوئے حالات نے اخترہوشیارپوری کی شاعری کو

بہت متاثر کیا۔محبوب کی محبت کے ساتھ انسانی دکھ اور ہمدردی میں بھی اختر ہوشیارپوری نے دلچسپی لی۔یوں وہ اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں:

عرصۂ دہر کے انگاروں کا اک سلسلہ ہے
جلنے والوں کے لیے اس سے مفر کوئی نہیں
مے کی بوندوں سے بھی دُھلتا نہیں چہرے کا غبار
گرد ہی گرد ہے ہر سمت ڈگر کوئی نہیں
آرزو شعلہ و شبنم کا ہیولی ہے تمام
دلِ سادہ کو مگر اس کی خبر کوئی نہیں
یونہی گرتے رہے کٹ کٹ کے کنارے اکثر
اور طوفانوں کا ساحل پر اثر کوئی نہیں (۲۵)

پر وفیسر جمیل آذر،اختر ہوشیارپوری کی شاعری کے بارے میں اپنے ایک مضمون ''اختر ہوشیارپوری.....مثبت سوچ کی مثال'' میں یو ں لکھتے ہیں:

''وہ اگرچہ فکر مند ہے کہ اس کے آس پاس ٹوٹ پھوٹ کا عمل پوری شدت سے جاری ہے۔لیکن پھر بھی وہ مایوس نہیں ہے کیونکہ وہ فکری طور پر اس کائنات میں معنی کی تلاش کرتا ہے۔وہ دانش ور شاعر ہے او رتمام عمر اپنی دانش کی قندیل روشن کرتا رہا۔ لہٰذا وہ رجائیت پسند شاعر ہے۔''(۲۶)

اختر ہو شیار پوری اپنے زمانے کے حالات سے بہت پریشان او رافسردہ ہیں۔جب وہ معاشرے کی طرف بغور دیکھتے ہیں تو ان کو ہر جگہ پریشان حال لوگ او رغربت سے پسی ہوئی عوام کے چہرے نظر آتے ہیں۔بھوک، پیاس اور غربت کی وجہ سے ان کے لبوں پر پپڑیاں جمی ہوتی ہیں۔وہ نڈھال اور مفلوک الحال ہیں۔اخترہوشیارپوری کا دل ان کو دیکھ کر عجیب کیفیت سے دو چار ہو جاتا ہے۔اس کیفیت کو وہ اپنی ایک نظم ''ماحول'' میں یوں رقم کرتے ہیں:

فضا میں گہرے دھند لکے ہوا غبار آلود
نگاہ کیف سے محروم دل اُداس اُداس
لبوں پہ پپڑیاں اور ذہن فکر سے عاری

حیات سر بہ گریباں نہ کوئی آس نہ پاس
امنگ ایک کہانی ہے ان کہی وہ بھی
امید نغمہ فشانی ہے اَن سُنی وہ بھی (۲۷)

اختر ہو شیار پوری کی نظموں میں رنگا رنگ موضوعات بکھرے ہوئے ہیں جو اپنے عنوانات میں بڑے منفرد اور اچھوتے ہیں۔ان تمام موضوعات کے اندر اخترہوشیارپوری کی فکری گہرائی موجود ہے۔انھوں نے بہت سارے نادر اور انوکھے موضوعات کا احاطہ بڑی ہنر مندی سے کیا ہے۔ان کی نظموں کے عنوان درج ذیل ہیں ''نقوش'، نئ کرن، زنجیریں، ففتھ کالم میں ہو تم، نو روز، دسمبر کی آخری رات، زندگی، ماحول، صلح، عکس،، ایٹم بم، تمثیل، سفر کا عذاب، محرومی، شکست، آئین۱۴/۱۴اگست ۱۹۴۷ء کے بعد، خیر مقدم، قائد اعظم کی وفات پر، اوّل شب کے راہی، دلیل راہ، انجام، مر گ تمنا، پہچان، شام ڈھلے، میں پھر نظمیں کہنے لگا ہوں اور قائد اعظم او رپاکستان وغیرہ۔قائد اعظم سے اختر ہو شیار پوری کو دِلی محبت اور لگاؤ تھا۔انھوں نے اپنی ایک نظم''قائداعظم اور پاکستان'' میں قائد اعظم کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا جو اپنی جگہ نیا اور منفرد موضوع ہے نظم کے چند شعر دیکھیں:

اک ستارہ کہ اندھیروں سے رہا گرمِ ستیز
اک تجلی کہ چمکتی رہی غم خانوں میں
اک مسافر کہ منازل کی خبر رکھتا تھا
ایک قندیل کہ جلتی رہی طوفانوں میں
کشورِ پاک مرے قائد اعظم کی عطا
ایک آوازِ اذاں کفر کے ایوانوں میں
پائے ساقی پہ بھی جُھک نہ سکی جس کی جبیں
مے چھلکتی رہی پیمانوں سے پیمانوں میں (۲۸)

ایک اور جگہ اختر ہوشیارپوری نے اپنی نظم ''قائد اعظم کی وفات پر'' میں بھی اپنے محسن(قائداعظم) کی تعریف یوں کی ہے۔نظم کے چند اشعار دیکھیں۔

خاک اُڑتی ہوئی دھندلائی ہوئی پھیلی فضا
کہیں ملتا تھا نہ منزل کا ہمیں کوئی سراغ

دُور تک ایک گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا تمام
کوئی رہبر تھا نہ رستہ نہ ستارہ نہ چراغ
دفعتاً ایسے میں ایک پیرِ جواں فکر اٹھا
مشعلِ راہ بنی جس کی جبیں بے داغ
تلخیٔ دردِ گراں بار کا افسوں ٹوٹا
اور مہکنے لگے ہر سمت بیاباں ہو کے راغ
کیا ہوا آج اگر قائد اعظم نہ رہے
بڑھ کے ان تیرہ فضاؤں میں اجالا کر دو
آرزو آہوں سے اشکوں سے نہیں ہے مربوط
اپنے پرچم کو ستاروں سے بھی اونچا کر دو (۲۹)

اختر ہوشیارپوری کا قائد اعظمؒ سے اس دلی لگاؤ، پیار، محبت اور عقیدت کا اظہار ڈاکٹر رشید نثار نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اختر ہوشیار پوری نے بھی ذہنی کشمکش کا نقشہ کھینچتے ہوئے جہاں کرب و نشاط کے نئے منطقے آباد کیے ہیں وہاں وابستگی کا بھی انکشاف کیا ہے کہ اُسے قائد اعظم، وطن او راپنی ذات سے بے حد محبت ہے کہ " اپنی ذات "انسان کی ذات کے مترادف ہے اور اسی حوالے سے زندگی سے شدید محبت شعر کو حسن او رفکر کو گرم جوشی مہیا کرتی ہے۔"(۳۰)

قائداعظم کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد اختر ہوشیارپوری اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ اگر چہ قائداعظم آج ہم میں نہیں رہے ہیں لیکن ان کی امانت کو بھی سرنگوں نہ ہونے دیا جائے اختر ہوشیارپوری اس کشور پاک کو قائداعظم کی عطا قرار دیتے ہوئے اسے کفرکے ایوانوں میں آوازِ اذاں قرار دیتے ہیں۔

اختر ہو شیار پوری کی نظموں میں دو رنگ بہت نمایاں ہیں "رومانیت او رانقلاب"۔ان کی ابتدائی شاعری کا محور مرکز رومانویت ہے۔اس میں وہ اپنے مجازی محبوب لب و رخسار آنکھیں او رزلفوں کے پیچ و خم کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔وہ اپنے محبوب کے رنگ و رخسار میں تغیر و

تبدل کو ایک نظم ''تغیرّ'' میں پیش کرتے ہیں۔اس نظم میں اختر ہو شیار پوری نے موضوع کے اعتبار سے لفظوں کا خوبصورت چناؤ کیا ہے نظم ملاحظہ ہو:

یہ ابھی بات ہے کل کی میں یہاں آیا تھا
اور تجھے دیکھ کے محسوس کیا تھا میں نے
کسی ان دیکھے جزیرے کی تُو شہزادی ہے
جس کی آغوش ہے آغوشِ بہاراں کی طرح
جس کے ہونٹوں کی مَے ناب قسم کھاتی ہے
جس کے گالوں سے سحر پھول چُنا کرتی ہے
اور زلفوں کے خم و پیچ یہ دیتے ہیں پتہ
کارواں کیسے بدل دیتے ہیں راہیں اپنی(۳۱)

ایک اور نظم "اعجاز " میں رومانویت کا گہر ا رنگ دیکھیں:

وہی آنکھیں وہی آنکھوں کی بہار
وہی اَبرو وہی ابرو کی کٹار
وہی ہونٹوں پہ شفق کی سرخی
وہی رخساروں میں بے تاب چنار
وہی پُر نور دمکتا ماتھا
جیسے مہتاب سے کرنوں کی پھوار
وہی کچھ نیند سے بوجھل پلکیں
وہی زلفوں کے بہاریں اسرار
وہی کچھ جسم کے موزوں سے خطوط
وہی سینے پہ سحر کے آثار (۳۲)

اس حوالے سے امین راحت چغتائی ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''یہ نظمیں اپنے دور کے بتدریج بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت رومان، انقلابی رومانیت او رحقیقت پسندی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔'' (۳۳)

اختر ہو شیار پوری نے اپنی کتاب ''شب گزراں'' میں بہت سارے عنوانات کے تحت نظمیں لکھی ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے ''کشمیر'' کے حوالے سے بھی ایک نظم لکھی۔وہ کشمیر کو اپنی اور اپنے آبا کی میراث سمجھتے ہیں۔اس کے ندی نالوں، کہساروں، وادیوں اور چناروں کا ذکر بہت خوبصورتی سے کرتے ہیں۔اس کے چھن جانے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کشمیر کو کل بھی اپنے آباؤ اجداد کی وراثت سمجھتے تھے او رآج بھی وہ کشمیر کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں اور اس کی آزادی کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے لیے تیار ہیں۔ان کی نظم ''کشمیر''ملاحظہ فرمائیں:

اپنے اجداد کی میراث تھا یہ خطۂ خُلد
اس کے کہساروں پر اڑتا تھا پھریرا اپنا
اس کی جھیلیں بھی ہماری تھیں فضا بھی اپنی
اجنبی ہاتھوں نے لیکن بڑی عیاری سے
دیکھتے دیکھتے غیروں کو اسے سونپ دیا
اور ہم مہر بہ لب محوِ تماشا ہی رہے
یہ مگر علم نہ تھا زیست کے بازاروں میں
جنس کے ساتھ تماشائی بھی بک جاتے ہیں
رنگ کے ساتھ دل و دیدہ بھی لُٹ جاتے ہیں
اپنے اجداد کی میراث تھا یہ خطۂ خُلد
اپنے اجداد کی میراث ہے یہ خطۂ خُلد
اور اجداد کی میراث کے وارث ہم ہیں (۳۴)

اختر ہوشیارپوری کی نظموں میں داخلیت بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔نظم ''سجّادہ نشیں'' میں اختر ہو شیار پوری نے اپنے آپ کو درویش کہا ہے او رلوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ آؤ میرے پاس اور مجھ سے دعائیں لے جاؤ اگر آج آپ نے فائدہ نہ اٹھایا تو یہ وقت پھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔وہ کہتے ہیں اب جو کیفیت ہے میری شاید وہ بعد میں نہ ہو۔اگر تم نے یہ وقت ہاتھ سے گنوا دیا تو تم عمر بھر پچھتاؤ گے اور پھر یہ پچھتاوا کسی کام کا نہیں ہوگا۔گویا اس نظم میں اختر ہوشیارپوری کی فکر اور احساس اپنے عروج پر ہے۔''سجّادہ نشین'' نظم کے پہلے دو اشعار دیکھیں:

ہم تو درویش ہیں لوگوں کو دعا دیتے ہیں
اور دعاؤں سے زمانے کا بھلاکرتے ہیں
تم بھی آجاؤ یہاں اور دعائیں لے لو
کہ یہ لمحے کبھی واپس نہیں آیا کرتے(۳۵)

سید ضیا جالندھری، اخترہوشیارپوری کی شعری ساخت، نفسِ مضمون اور سادگی کے حوالے سے یوں بات کرتے ہیں:

''اختر ہو شیارپوری کے اشعار کی زبان، مصرعوں کی ساخت او رنفسِ مضمون سادہ اور واضح ہے۔اس کی نظم اور غزل کے اظہار اس کے اپنے ہی افکار او راحساسات کے مظہر ہیں لیکن اس کے دل کی باتوں میں ماحول کا کلچر او روسیع امکانات بولتے ہیں۔''(۳۶)

اختر ہوشیار پوری کی شاعری او رموضوعات کے حوالے سے افتخار عارف ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''اختر نے زندگی کے آغا ز میں ہی اپنا لوہا منوالیا تھا۔زبان و بیان کی سب سطحوں پر ان کی دسترس رشک او رمثالی حیثیت رکھتی ہے۔موضوعات کا ایسا تنوع ہے کہ جس سے فکر و خیال کی نئ پرتیں کھلتی ہیں۔''(۳۷)

اخترہوشیارپوری نے بہت ساری نظموں میں ''حُسن'' او ر''محبت'' کے پھول کھلائے ہیں۔وہ کائنات کے حسن کو اللہ تعالٰی کی طرف سے ایک انعام سمجھتے ہیں اور وہ اس حسن کو لوگوں کو دکھانا چاہتے ہیں او راس کا اظہار وہ اپنی نظموں میں کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری محبت کے نازک او رلطیف جذبے کو ہلکا ہلکا اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔وہ اپنی نظم ''تاج محل'' میں حسن او رمحبت کا ایسا امتزاج کرتے ہیں کہ ان کے ایک ایک لفظ سے رومانیت یوں چھلکتی ہے جیسے نئ نویلی دلہن کا روپ لشکارے مارتا ہے۔''تاج محل'' میں اخترہوشیارپوری کی رومانویت پورے عروج پر ہے۔''تاج محل'' کے چند ایک اشعار دیکھیں:

یہ تخیل کا فسوں ہے کہ نگاہوں کا طلسم
پھوٹ نکلی گل و غنچہ کی رگوں سے تنویر
اک تجلی کہ سمٹتی ہی چلی آتی ہے

اک تمنا کہ ہوئی آپ ہی اپنی تفسیر
عشق کی آنکھ سے ڈھلکا ہوا اشکِ فرقت
دل ِبے تاب کے ارمانوں کی زندہ تصویر
شہ جہان نے اسے دیکھا تھا کہ دیکھا میں نے
کیا خبر کس کے ہے یہ خوابِ وفا کی تعبیر
عشق اور عشق کی معصوم نگاہی توبہ
حسن کو ایک توجہ میں ملی عمرِ دوام
خود تو جاوید ہی تھا حُسن بھی جاوید ہوا
کوئی دیکھے تو محبت کی نظر کا انجام(۳۸)

اختر ہو شیارپوری کی نظم ''تاج محل'' کے بارے میں جمیل آذر ایک جگہ یوں لکھتے ہیں۔

''اختر ہو شیارپوری حسن و محبت او راخلاقی اقدار کے شاعر تھے۔وہ کلاسیکل شعراء کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے ہاں زیادہ تر توجہ معانی کی طرف ہوتی ہے جب کہ جدید شعرا عام طور پر لفظوں کی بازی گری کی طرف توجہ دیتے ہیں۔اختر نے اپنی نظم تاج محل میں حسن او رمحبت کو ہی موضوع بنایا ہے۔تاج محل میں جو حسن ہے وہ اس کے خالق کی محبت کا عکس ہے۔''(۳۹)

اخترہوشیارپوری کی نظموں میں موضوع کا ایک گلستان ہے۔رنگا رنگ الفاظ میں بے شمار موضوعات نظموں کی صورت میں اختر ہوشیارپوری کے دل پر اتر آتے ہیں۔جن کو انھوں نے بڑی ندرت او رنفاست سے کاغذوں پر اتار دیا ہے۔۵۴۹۱ء میں جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرایا گیا جس کی وجہ سے بے گناہ شہروں کا قتلِ عام ہوا۔معصوم بچے موت کی گھاٹ اتارے گئے۔پوری دنیا نے اس کو محسوس کیا۔اس وقت کے ادیبوں نے اس پر بہت کچھ لکھا اخترہوشیارپوری بھی اس کے اثرات سے نہ بچ سکے انہوں نے بھی اس وقت کی صورت حال کو مدنظر رکھ کر ایک نظم ''ایٹم بم'' میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔چند اشعار دیکھیں:

''کس نے پھونکا ہے سرافیل کا صور
پھٹ پڑے کوہ فضا تھرائی
کانپ اٹھا ہے شبستانِ وجود
کوئی دیکھے تو خرد کا اعجاز
ایک ذرے سے ہراساں ہے حیات
دیکھتے دیکھتے ڈوبی آواز
کس قدر سُست تھی بنیادِ ثبات
اب نظر میں نہ کوئی ہست نہ بود
اب نہ شمعیں نہ پتنگے باقی
میرے اللہ یہ انجامِ شعور!''(۴۰)

امین راحت چغتائی ''ایٹم بم'' پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

''مؤخرالذکر نظم کے شعور کو ایک جھٹکا بھی دیتی ہے ہیرو شیما او رناگاساکی پر ایٹم بم گرایا جا چکا ہے۔انسان کا وہ عالم جو اخلاق سے مشروط نہ ہو جب نکتہ عروج پر پہنچتا ہے تو انسان ہی کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے اور اختر چیخ اٹھتا ہے

ع میرے اللہ یہ انجامِ شعور!''(۴۱)

اختر ہو شیار پوری کی نظم ''زنجیریں'' بھی عالمی جنگ کے حالات و واقعات کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔موضوع کے اعتبار سے یہ نظم بھی ایٹم بم سے ملتی جلتی ہے۔وہ اس نظم میں لوگوں کے شعور کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں او راپنے کہنہ اور فرسودہ نظام کے اوپر تنقید کرتے ہیں کہ کوئی تو اس نظام کو بدلے۔وہ کہتے ہیں کہ انسان ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکا ہے۔اسے چاہیے کہ وہ روشن راستے پر سفر کرتا ہوا وروشن مستقبل کی تلاش کرے۔وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بے کار بیٹھنے کو بھی انسانیت کے لیے مایوسی کی علامت سمجھتا ہے۔وہ حرکت میں برکت کا پرستار ہے۔اختر کی نظم ''زنجیریں'' کے چند اشعار دیکھیں۔

بجھے ہوئے ہیں نگاہوں کے ولولے کب سے
یہ آڑے ترچھے عقیدے یہ اُلٹے سیدھے نظام
بکھر گئے ہیں ہواؤں میں زیست کے گیسو
یہ کرم خوردہ زمانے کی کُہنہ تصویریں
کوئی تو اُٹھ کے نظام کہن بدل ڈالے
بھٹکتے پھرتے ہیں ظلمت میں دل جلے کب سے
پڑے ہیں عالم برزخ میں کب سے صبح و شام
یہ کس نے دامِ سیاست بچھائے ہیں ہر سو
بہت کڑی ہیں شعور ونظر پہ زنجیریں
سسک رہے ہیں امیدوں کے حوصلے کب سے
نظر غلام طبیعت غلام ذہن غلام (۴۲)

اختر ہوشیار پوری کی دو بیٹیاں تھیں اور ان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔وہ اپنی بیٹیوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔انھوں نے اپنے جیتے جی ان کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کی۔بیٹی ذات کے حوالے سے اختر ہوشیارپوری کا ایک بہت مشہور شعرجو کہ ان کی مثبت سوچ کا پتہ دیتا ہے۔شعر ملاحظہ کیجیے:

کسی خاکے میں یہ منظر کوئی محفوظ کر لے
میری بیٹی میری انگلی پکڑ کر چل رہی ہے(۴۳)

اسی طرح اختر ہوشیارپوری اپنے نواسے او رنواسیوں سے بھی حد درجہ محبت کرتے تھے اس محبت کاثبوت اختر ہوشیار پوری کی ا س نظم کا عنوان ہے۔"اپنی پیاری نواسی سارہ کے لیے دو شعر دعائیہ رنگ لیے ہوئے۔اشعار دیکھیں:

سارہ! میری یہ دُعا ہے کہ خداوندِ کریم
میرے حصے کی مسرت ترا حصہ کر دے
میں نہ جو دیکھ سکا مجھ کو جو حاصل نہ ہوئیں
اُن سبھی روشنیوں سے تری جھولی بھر دے(۴۴)

اختر ہو شیار پوری نے اپنے چھوٹے بھائی کی وفات کو بھی اپنی ایک نظم کا موضوع بنایا ہے۔اس نظم میں انھوں نے بھائی کی وفات پہ گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے بھائی اکرام قمر کی وفات جوانی میں ہی ہوگئی تھی۔اس لیے انھوں نے اس نظم کا عنوان ''اولِ شب کے راہی'' رکھا۔اس نظم میں صرف اخترہوشیارپوری کا دکھ ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کا دکھ ہے۔جب بھی اس نظم کو کوئی پڑھتا ہے تو اس کے اندر جو کیفیات او راحساسات ہیں اس کو ہر کوئی اپنا دکھ سمجھتا ہے۔نظم کے چند اشعار دیکھیں:

میرے چکنا چور بدن کو کوئی نہ یوں سہلائے
جس کا بازو ٹوٹا ہو وہ مجھ سے ہاتھ ملائے
لوگ سفر پر جاتے ہیں جب نُور کا تڑکا ہووے
اولِ شب کے رہی تجھ کو کون اصول بتائے
لوگوں کے گھر شام ڈھلے ہی دیپک جل جل جائیں
لیکن میرے اندر باہر رات کے گہرے سائے
اب جو ملے تو جا ں میں چُھپا کر رکھ لوں اس کو اختر
وہ ماں جایا جانے والا کاش پلٹ کر آئے''(۴۵)

اختر ہوشیار پوری نے اپنی بیوی کی وفات پر بھی ایک نظم لکھی۔اس نظم کا عنوان ''مرگِ تمنا''ہے۔اس نظم میں شاعر نے اپنی بیوی کی جدائی اور اس کی قبر کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے وہ اپنی بیوی سے اس قدر محبت کرتے تھے۔اختر ہوشیارپوری لوگوں کوکہہ رہے ہیں کہ اس کی قبر کے نزدیک سے دبے پاؤں بھی نہ گزریں کہ کہیں ان کے آرام میں کوئی خلل نہ پڑ جائے یعنی اختر ہوشیارپوری اپنی بیوی کی موت کو نیند سے تشبیہ دی ہے۔یہ اختر ہوشیار پوری کی آزاد نظموں میں سے ایک بہت عمدہ نمونہ ہے۔نظم ملا حظہ ہو۔

''میری آرزؤں امیدوں کا مدفن
یہ مٹی کا ڈھیر
میری عمرِ رفتہ کا نقش قدم ہے
ادھر سے کوئی جانے والوں سے کہہ دے
کہ آہستہ آہستہ گزریں

دبے پاؤں آئیں
وہ باتیں بھی سرگوشیوں میں کریں
کہ اک پیکر نازاک جانِ ارماں
(بہت نیند ہلکی ہے جس کی)
یہاں سو رہی ہے
یہاں سو رہی ہے''(۴۶)

اختر ہو شیارپوری نے نہ صرف اپنے بھائی اور اپنی بیوی کی وفات پر لکھ کر اپنی نظموں میں تصویری پیکر بنائے ہیں بلکہ اپنی زندگی میں اپنی ذات کے حوالے سے بھی لکھا۔انہوں نے ایک نظم ''اپنا کتبہ''لکھا جس میں انہوں نے بڑے اچھوتے انداز میں بتایا ہے کہ میں اپنی جبیں پر نقش مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجا کے سورہا ہوں۔اب مرا یہی گھر ہے اور قیامت والے دن میں ادھر سے ہی اٹھوں گا۔اس نظم میں اختر ہوشیارپوری کی ایمانی قوت پہاڑوں کو بھی چاک کر دیتی ہے۔اس قدر اللہ کی رحمت پر بھروسہ اور امید ہے کہ ان کو موت کے بعد کی زندگی میں مکمل اطمینان نظر آتا ہے۔اس نظم میں ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھرپور انداز میں ملتی ہے اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت پر پورا ایمان نظر آتا ہے۔نظم کے چند اشعار دیکھیں۔

''جبیں پہ نقش رہِ مصطفی ﷺ سجائے ہوئے
میں سو رہا ہوں یہاں اُن سے لو لگائے ہوئے
یہ میرا گھر ہے یہیں سے اٹھوں گا حشر کے دن
میں اپنی فردِ عمل ہاتھ میں اٹھا ئے ہوئے
شفیع ﷺ حشر کے پیچھے چلوں گا گام بہ گام
میں دوستوں کے قدم سے قدم ملا ئے ہوئے
مگر بہارو! مرے شہر سے اگر گزرو
یہ دوستوں سے کہو آئیں ہاتھ اٹھائے ہوئے''(۴۷)

اختر ہوشیارپوری نے پابند نظم کے ساتھ ساتھ آزاد نظم بھی لکھنے کی کوشش کی ہے۔اس تجربے میں بھی انہوں نے کامیاب اور پر اثر آزاد نظمیں لکھی ہیں۔انہوں نے ایک آزاد نظم ''مصروفیت''لکھی ہے۔جس میں انہوں نے اپنے پیشے کے متعلق بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔آزاد

نظم لکھنے میں بھی اختر ہوشیارپوری نے اس کے ناپ تول کو پورا رکھا ہے۔کسی جگہ بھی ہمیں خیال یا موضوع کے اعتبار سے ہمیں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا۔اس نظم میں انہوں نے اپنی مصروفیت کا بہت عمدہ نقشہ کھینچا ہے۔نظم دیکھیں۔

''مجھے تو روز جا نا ہے
یہ سڑکیں پا ر کرنی ہیں
یہ کچی پکی اُجلی گندی سڑکیں پار کرنی ہیں
مجھے تو روز جانا ہے
وکالت روز کرنی ہے
کچہری روز جا نا ہے
گواہوں کے نئے چہرے کو تک تک کر ہنر کو آزمانا ہے
مجھے اپنا موقف پیش کرنا ہے
عدالت کی روا اورنارو ابا تیں بھی سننا ہیں
کبھی ریڈرسے مل کر اپنی معذوری پہ تاریخیں بھی لینا ہیں
دیانت اور ذہانت سے دلائل پیش کرکے
رستے زخموں پر مجھے پرمرہم بھی رکھنا ہے
چراغِ عدل روشن ہو
مجھے اس کیلئے اپنا لہو بھی صرف کرنا ہے''(۴۸)

اخترہوشیارپوری نے اس نظم میں اپنی وکالت کے ساتھ ساتھ ایک اور بہت خوبصورت بات کی ہے وہ یہ کہ مجھے عدل و انصاف کے لئے اپنا خون بھی بہانا پڑے تو میں دریغ نہیں کروں گا۔موضوعاتی اعتبار سے اخترہوشیارپوری کی نظمیں اپنی جگہ شاہکار نظمیں ہیں کیونکہ انہوں نے کا ئنات اور ہمارے معاشرے میں جنم لینے والے نت نئے موضوعات کو اپنی نظموں میں سمونے کی بھر پور کوشش کی ہے۔گو کہ ان کی ابتدائی شاعری نظموں پر مشتمل ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا رُخ غزل کی طرف موڑ لیا مگر پھر بھی ان کی تمام نظمیں اپنی جگہ مثالی اور عمدہ خیالا ت کا پیکر ہیں۔فنی اعتبار سے بھی اختر ہوشیارپوری کی نظموں میں وہ تمام لوازمات موجو د ہیں جو ایک اچھی شاعری یا نظم میں ہو نے چاہییں۔

زبان کی شیرینی اور حلاوت

زبان کی مٹھاس اور حلاوت کسی بھی فن پارے کی جان ہوتی ہے کیونکہ یہ دلچسپی کا باعث بنتی ہیں اور قاری فن پارے کی شیرینی میں کھو جاتا ہے۔اس طرح کوئی فن پارہ اس وقت تک قاری پر سحر طاری نہیں کر سکتا جب تک اس میں حلاوت اور شیرینی نہ ہو۔اخترہوشیارپوری کے ہاں بدرجہ اتم موجود ہے۔ان کی ایک نظم ''ہوس'' زبان و بیان کی حلاوت اور شائستگی کی عمدہ مثال ہے۔

''سمندر سے اک جل پری کھیتیوں میں
نہا دھو کر اُتری کہ زلفیں سکھائے
مگرچُھپ چُھپا کر نہ جانے کہاں سے
اسے دیکھنے آفتاب آگیا ہے''(۴۹)

منظر نگاری

اختر ہوشیار پوری کی نظموں میں بہت عمدہ شاعرانہ منظر نگاری کی گئی ہے۔وہ مناظر کی ایسی تصویر بناتے ہیں گویا تصویر بولنے لگتی ہے۔وہ منظروں میں ایسے رنگ بھرتے ہیں کہ منظر نگاری دیدہ زیب بھی لگتی ہے اور پر کشش بھی۔اُردو ادب میں منظر نگاری میر حسن کے دور سے شروع ہوتی ہے۔اختر ہو شیار پوری نے اپنی نظموں میں ایک خاص رنگ بھر دیا ہے جس سے شاعری کی شان و شوکت میں اضافہ ہو گیا ہے۔اختر ہو شیارپوری کی ایک نظم ''آخری خواہش''منظر نگاری کی بہت عمدہ مثال ہے۔

''اے مرے ہاتھ سے جاتے ہوئے لمحو ٹھہرو
مرے نزدیک آؤ
آخری بار میں سینے سے لگا لوں تم کو
آخری بار تمہارے لب و رخسار پہ بوسہ دے لوں
پھر کہاں یہ شرر آمیز کتابی چہرہ
یہ شرابی نظریں
یہ سمن رنگ گلابی پیکر

کہ مری آنکھوں میں بُجھ جانے کو ہے دیپ کی لو
سرد ہو جانے کوہیں حرف کے جلتے شعلے
نظراک نقطے پہ رک جائے گی جم جائے گی
اور جنبشِ لب ....
کوئی ماضی کا فسانہ ہوگی"(۵۰)

غنایت اور مو سیقیت

غزل ہو نعت ہو یا نظم اختر ہو شیار پوری کے ہا ں غنایت اور مو سیقیت بھر پور انداز میں ملتی ہے۔ان کا لب و لہجہ بڑا آسا ن ہے۔انہوں نے اپنی زیادہ تر نظمیں مترنم بحروں میں کہی ہیں۔ ان کے ہا ں قافیہ اور ردیف کی بندش بڑی اچھوتی ہے۔اس وجہ سے ان کے ہاں غنایت اور موسیقیت اس قدر پیدا ہو گئی ہے کہ قاری سر دھنتا ہو انظر آتا ہے۔ان کی ایک نظم "قریہ وصل"کے چند اشعار دیکھیں۔

"دشتِ ہجرت مری پہچان کہاں ہے تجھ سے
قریۂ وصل! مرا نام ونشاں ہے تجھ سے
لوگ تو چہروں کو رنگوں سے سجا رکھتے ہیں
میرے چہرے میں بھی اک عکس نہاں ہے تجھ سے
شام ڈھلتے ہی کئی قمقمے جل اٹھتے ہیں
مجھ کو ان ذروں پہ تاروں کا گماں ہے تجھ سے
تو مری ذات پہ اترا ہے صحیفے کی طرح
اور اب تابہ ابد رشتۂ جاں ہے تجھ سے"(۵۱)

حقیقت پسندی

کسی بھی فن پارے میں حقیقت پسندی کا عنصر اس فن پارے کی قدروحیثیت کا باعث بنتا ہے۔اختر ہو شیار پوری خیالی دنیا کی بات بہت کم کرتے ہیں بلکہ حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ہر چیز کو بہتر سے بہتر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اخترہوشیارپوری اپنے اردگرد اور معاشرے میں پیدا ہونے والی کج رویوں اور بے اعتدالیوں کو بڑے غور سے دیکھتے ہیں۔اپنے تجربے اور

مشاہدے کی بنا پر اس کو حل کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری حقیقت پسند تھے اور حقیقت پسندی کو پسند کرتے تھے۔اختر ہوشیار پوری کی بہت ساری نظموں میں حقیقت پسندی کی واضح جھلک نظرآ تی ہے ان کی ایک نظم ''خوابوں پہ کسی کا اجارہ نہیں'' دیکھیں۔

''اندھوں پر بھی خوابوں کے دروازے کُھلے ہیں
وہ سپنے دیکھتے ہیں بتلاتے ہیں
خواب ان کے اپنے ہوتے ہیں
وہ قرض کسی سے لیتے نہیں
وہ زیست کی پہلی رُت میں بھی خوابوں کو لہراتے دیکھتے ہیں
اڑتے پتوں کو چھو لیتے ہیں
دامن میں مہک بھر لیتے ہیں''(۵۲)

اختر ہوشیار پوری نے اپنے شعری سفر میں بہت سی تکالیف اٹھائیں اور کٹھن اور دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا مگر انہوں نے اپنی فکری جہتوں میں نئی نئی منزلیں تلا ش کیں ان کا یہ سفر کوئی آدھی صدی پر محیط ہے مگر اس سفر میں انہوں نے علم و ادب کے جو پھول کھلائے وہ ہمیشہ یا د رکھے جائیں گے۔جمیل آزر ان کے اس رویہ کو دیکھ کر ان کی شخصیت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

''اختر ہوشیار پوری کا فنی سفر نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔اس تخلیقی سفر میں انہیں جگہ جگہ ''تیشہ گروں'' سے واسطہ پڑتارہا۔اس طویل مسافت میں انہوں نے راستوں کا عذاب بھی سہا اور چیختی چلاتی ہواؤں کا مقابلہ بھی کیا ان تمام کھٹن مراحل سے گزرتے ہوئے انہوں نے اپنے آپ کو دریافت کیا اور اپنی فکری جہتیں تلاش کیں''(۵۳)

اختر ہوشیارپوری کا کلام خاص طور پر ان کی پا بند نظمیں اور آزاد نظمیں بہت سارے اوصاف سے مزّین ہیں۔ان کے کلا م میں سادگی و شگفتگی، الفاظ کا چناؤ، قافیہ ردیف کی بندش، ترنم لب و لہجہ، غنایت، سوزوگداز، محاکا ت نگاری، منظری نگاری، تکرار لفظی، تشبیہ واستعارہ اور صنعت

تضاد جیسی خوبیوں نے اخترہوشیارپوری کے کلام کے اندر ایک مٹھاس اور کشش پیدا کردی ہے۔ان تمام وجوہات کی بنا پر اختر ہوشیارپوری دوسرے شعرا سے ممتاز اور منفرد ہیں۔

ہائیکو نگاری

ہائیکو نگاری بہت مقبول جاپانی صنف سخن ہے۔جس میں بڑے بڑے جا پانی شاعروں نے لکھنے کی کوشش کی ہے۔ہائیکو بھی ایک طر ح کی چھوٹی یعنی تین مصرعوں پر مشتمل ایک نظم ہے۔ جو کسی ایک موضوع کا مکمل احاطہ کرتی ہے۔ہائیکو ایک ایسا پھول ہے جو دیکھنے میں بہت چھوٹا مگر موضوع کے اعتبار سے بہت بڑا ہوتاہے۔ہا ئیکو دراصل خارجیت سے داخلیت کی طرف کا ایک معتبر سفر ہے جس میں انسان مکمل طور پر سکون حاصل کرتا ہے۔ہائیکو کیا ہے؟ اور اس کا آغا ز کیسے ہوا؟ اس تفصیل پر ایک طائر انہ نظر ڈالتے ہیں۔

کلیم الدین احمد ہائیکو کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ''ٹنکا ایک چھوٹی موٹی نظم تھی مگر جاپانی شا عر کواس سے بھی چھوٹی نظم کی ضرورت تھی جس میں صرف تین سطریں ہوتی ہیں اس کو ''ہوکا'' یا''ہائے کا''کہتے ہیں اس میں سترہ ارکان ہوتے ہیں۔ ان کی ترتیب ۵۔۷۔۵یعنی ٹنکا کی پہلی ۳سطریں۔''(۵۴)

انور جما ل اپنی کتاب ''ادبی اصطلاحا ت''میں ہائیکو کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں۔

> ''ہائیکو تین مصرعوں کی ایک نظم ہوتی ہے جس میں سترہ مقطعا ت ہوتے ہیں اور اس کا آہنگ ۵۔۷۔۵ہوتا ہے''(۵۵)

ڈاکٹر رشید نثا ر ہائیکو کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''ہا ئیکو کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اپنی ایک دنیا ہے جو ارتقا اور جدیدیت کے سنگم پر رہ کر بھی دوسری اصاف سخن سے بالکل الگ ہے۔''(۵۶)

ڈاکٹر اشفا ق ورک اپنی کتاب ''کلید اُردو''میں ہائیکو کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

''ہائیکو جاپانی صنف نظم ہے اور جاپان میں خاصی مقبول ہیئت ہے یہ پنجابی میں ٹپا نوعیت کی صنف ہے۔پنجابی ٹپا تین مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے اور پہلا اور تیسرا مصرعہ ہم قافیہ ہوتے ہیں جیسے پنجابی کا مشہور ٹپا ہے۔

''چٹا ککڑ بنیرے تے

کاسنی دوپٹے والیے

منڈا عاشق تیرے تے''(۵۷)

قراۃ العین طاہرہ کے خیال میں ہا ئیکو کی تعریف یہ ہے

''ہائیکو مظاہر فطرت کی باریکیوں کا بیان ہے۔''(۵۸)

خاور اعجاز اُردو ہائیکو کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

''ہائیکو کا ایک وصف پہلے، دوسرے اور تیسرے مصرعے کے درمیان سوچ کے لئے ایک ایسا خلا چھوڑ دینا ہے جسے قاری اپنی استطاعت فکر اور وسعتِ خیال سے خود پُر کرتا ہے۔''(۵۹)

حفیظ صدیقی ابو الاعجاز نے اپنی کتاب ''ادبی اصطلاحات کا تعارف''میں ہائیکو کی وضاحت یوں کی ہے۔

''ہائیکو تین مصرعوں کی نظم ہوتی ہے پہلا اور تیسرا مصرعہ چھوٹا (پانچ ہجائیوں پر مشتمل ہوتا ہے)اور دوسرا مصرعہ بڑا (سات ہجائیوں کا ہوتا ہے)''(۶۰)

ہائیکو نظم دنیا بھر میں سب سے چھوٹی نظم ہے۔اس میں الفاظ کی بھر مار نہیں ہوتی۔یہ نظم سترہ ارکان کے تین مصرعوں پر ختم ہو جاتی ہے لیکن قاری کے لئے بین السطور تخیل کا ایک دفتر پنہاں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر پرویزپر وازی اردو ہائیکو کے با رے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔

''ابتدا میں ہائیکو بنیادی طور پر ہائیکاتی صنف سخن سے متعلق تھا ہائیکاتی ایک طویل نظم ہوتی تھی جسے بہت سے شاعرمل کے لکھتے تھے۔اس کے ۳۶،۵۰یا ۱۰۰ شعر ہوتے تھے اس کے مطلع کو ''ہوکو'' کہتے تھے بعد کو

جب ہائیکو نے ہائکاتی سے رہائی حاصل کرکے ہائیکو کی ہیئت قائم کی تب
بھی اس کے لئے ۵۔۷۔۵ارکان کی پابندی لازمی ٹھہری اور موسم کی
تخصیص بھی''(۶۱)

ہائیکو کی بنیاد کیسے ہوئی،کس طرح ہوئی؟ اس سلسلے میں مختلف نظریا ت بیان کئے گئے ہیں۔
جاپان کی قدیم شاعری میں ''کا تا اوتا'' کے نام سے ایک صنف شاعری ہے۔جو تین مصرعوں پر
مشتمل ہوتی ہے۔جس کے ارکان کی ترتیب ۵۔۷۔۵ہائیکو اس کی ایک شکل ہے۔بعض کے خیال میں
جا پان کی نظموں کے پہلے بند کو ''ہوکو'' کہتے ہیں۔
ہائیکو نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی نے بہت سارے مضامین مختلف رسائل میں لکھے ہیں
اور اس حوالے سے انہوں نے بہت سارا کام کیا ہے وہ ہائیکو کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

''جا پا نی شا عری میں آج سے تقریبا سو سال پہلے ہائیکو ایک صنف سخن
کی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔یہ اس طویل نظم کا ابتدائی حصہ تھا جسے جاپانی
شاعری میں ہاتی کاتی کہتے ہیں اس لئے اس کو ''ہوک کو'' کہتے ہیں یعنی
''ہاتی کاتی''کا ابتدائی حصہ اس ابتدائی حصے کی یہ اہمیت تھی کہ اس طویل
نظم کا مزاج اور اس کی جہت متعین ہو جاتی تھی جیسے عربی شا عری میں
غزل قصیدے کی تشبیب کا حصہ تھی اور بعد میں ایک الگ صنف سخن بن
گئی اس طرح ہائیکو بھی انیسویں صدی کے اواخر میں کاما سا کاشکی کے زیر
اثر ۱۸۹۰میں ہا ئے کائی سے الگ ہوکر ایک علیحدہ صنف سخن کے طور پر
ابھری اور تیزی سے مقبول ہوگئی۔''(۶۲)

ہائیکو کے حوالے سے مختلف آراء پیش کی گئیں ہیں۔ڈاکٹر ضیا ء الحسن اپنی کتاب ''جدید اردو نظم، آغا
ز و ارتقا''میں ہائیکو کی ہیئت اور خصوصیت کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں۔

''ہائیکو مخصوص جاپانی اوزان میں پا نچ سات پانچ کی عروضی ترتیب سے
لکھی جانے والی ایک ایسی ہیئت ہے جو تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور
تمثالوں کے ذریعے باطنی کیفیات کی عکاسی کرتی ہے۔اردو میں نہ تو جاپانی

عروض منتقل ہوسکتا ہے اور نہ امیجری کے ذریعے باطنی کیفیات کی عکاسی
کی پابندی کی گئی ہے بلکہ اسے پانچ سات پانچ کی عروضی ترتیب سے ایک
سہ مصرعی نظم سمجھ کر متنوع موضوعات کا اظہار کیا گیا ہے۔"(۶۳)

سحر انصاری یوں لکھتے ہیں:

"ہائیکو کا آغاز دراصل مزاحیہ اور تفریحی صنف ہایئکائی سے ہوا یہ سولھویں
صدی کی ایک مقبول صنف شاعری تھی عموماً اس میں ۳۶،۵۰یا ۱۰۰ اشعار
ہوا کرتے تھے۔"(۶۴)

ہائیکو کا آغاز و ارتقا

وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔زمانہ جدید سے جدید تر ہوتا جا رہا ہے۔جغرافیائی اور نظریاتی تبدیلی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔اسی طرح اردو ادب میں بھی نظم اور نثر کے دو بڑے گروہ اترے پھر شاعری میں جو پزیرائی غزل کو ملی وہ کسی اور صنف کے حصے میں نہ آئی مگر وقت کے ساتھ ساتھ معاشی اور معاشرتی تبدیلیوں نے شاعری پر اپنے اثرات مرتب کئے اور اس طرح نظم قصیدہ، مثنوی، مرثیہ،سلام،نظم آزاد،نظم معرا اور ہائیکو جیسی اصناف معرض وجود میں آئیں۔ہائیکو جو پچھلے تیس چالیس برس سے اُردو ادب میں آئی اور خاصی مشہور ہوئی لیکن اس کا باقاعدہ آغاز تقریباً ساڑھے ۴۰۰ سال پہلے ہوا۔"سوکاں"کو ہائیکو کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے۔اس کے بعد "باتسو" نے اس صنف میں طبع آزمائی کی اور اس صنف کی مقبولیت میں خوب اضافہ کیا۔ اٹھارویں صدی میں "بوسو"اور "ایسا" نے ہائیکو نگاری کے میدان میں قدم رکھا اور اس کے میدان میں انہوں نے ایسے پودے اگائے جو آج تناور درخت بن چکے ہیں۔اس کے بعد انیسویں صدی میں "سوسکی"اورسنیکی" نے ہائیکو پر روشنی ڈالی اور بہت شہرت پائی لیکن اب ہائیکو صرف جاپان تک نہیں رہی بلکہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہائیکو لکھی اور پڑھی جا رہی ہے۔ہائیکو موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے کچھ شرائط کی پابند ہے۔اس نظم کے تین مصرعے ہوتے ہیں مگر ہر مصرعہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔پہلے مصرعے میں شاعر کسی خاص بات یا موضوع کی طرف اشارہ کرتا ہے دوسرے مصرعے میں بات تبدیل کرتا ہے مگر تیسرے مصرعے میں بات مکمل ہو جاتی ہے

اور ایک بالکل نیا پہلو سامنے آجا تا ہے۔ہائیکو کی اس خاصیت کے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی ایک جگہ یوں لکھتے ہیں۔

''دونوں حصوں کے موضو عات بظاہر الگ الگ ہوں لیکن تخیلی سطح پر ان میں ربط موجود ہو اور دونوں حصوں میں تخیلی فاصلہ نہ اتنا زیادہ ہو کہ بات مبہم ہوجائے اور نہ اتنا واضح ہو کہ بات سپاٹ ہو جائے اور لطفِ سخن جاتا رہے ایک حصے سے ایک امیج ابھرے اور دوسرے حصے دوسرا امیج ابھرے اور دونوں تخیلی سطح پر اس طرح مربوط و پیوستہ ہوں کہ ایک حصے سے دوسرے حصے کی تفہیم پیدا ہو پہلا حصہ دوسرے کی اور دوسرا حصہ پہلے کی اہمیت بڑھائے۔''(۶۵)

ہائیکو کی مقبولیت کا سبب اس ہیئت کا اختصار اور موضوع ہے۔اس تین مصرعہ کی نظم میں بڑے بڑے موضوع سمائے ہوئے ہیں۔جاپا نی بہت محنتی اور ایماندار قوم ہے ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ بیٹھ کر لمبی لمبی نظمیں اور کہانیاں پڑ ھیں اسی کے سبب انہوں نے ہائیکو کی ایجاد کو مفید سمجھا۔پھر وہ لوگ مناظر فطرت کو بہت قریب سے دیکھتے ہیں اور بڑے لطف اندوز ہوتے ہیں۔زندگی کے جمالیاتی پہلو سے بہت تعلق رکھتے ہیں۔وہ لوگ خوش رہتے ہیں اور دوسروں کو خوش رکھتے ہیں اس لئے وہ اپنے دل کے موسموں کا ذکر ہائیکو میں ضرور کرتے ہیں۔ہائیکو کے اندر موضوعات کا ایک وسیع سمندر سما سکتا ہے۔اس حوالے سے ایک اور جگہ ڈاکٹر جمیل جالبی ہائیکو کے موضوعات اور بیان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''مو ضوع کے اعتبار سے ان تجربات، مشا ہدات اور خیالات کا اظہار کرتی ہے جن سے عام زندگی کا ایک نیا پہلو، کسی خیال کا نیا رخ اور کسی بات کی نئی جہت سامنے آتی ہے۔عام تجربے کے اسی نئے پن کی وجہ سے ہائیکو پڑھ کر یا سن کر استعجاب کے ساتھ لطف، مسرت حاصل ہوتے ہیں۔اختصار ہائیکو کا حسن ہے۔کنا یہ اس کا جوہر اور اظہار کی جامعیت اس کا فن۔''(۶۶)

اردو ادب میں ہائیکو کی عمر اگرچہ بہت کم ہے مگر جس تیزی سے اس نے اُردو ادب اور اُردو شعراء کی توجہ کا مرکز بنی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ کسی بھی صنفِ سخن کو اپنے اندر بڑی جلدی سے سمو لیتی ہے۔دیگر اضاف سخن کے علاوہ نظم معرا،نظم آزاد، سانیٹ، مختصر نظم،ترا تیلے،لمرک اور ہائیکو اردو زبان و ادب کا کچھ اسطرح حصہ بنے ہیں کہ اب ان سے جدا ہونا ناممکن ہے۔اس طرح جدید شعرا نے ان پر بہت خوبصورت انداز میں طبع آزمائی کی ہے اور وہ اس میدان میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔پاکستان میں بہت سے شعرا نے اس میدان میں قدم رکھا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔جن میں عبد العزیز خالد، ڈاکٹر پرویز پروازی، شان الحق حقی، ادا جعفری، عبدالعزیز، قاسم پیر زادہ، تابش دہلوی، محمد امین،اختر شمار سحر انصاری، حسن اکبر کمال، فاطمہ حسن، محسن بھوپالی، اقبال حیدر، سید حیدر گردیزی،سرشار صدیقی اوراختر ہوشیار پوری بے شمار شعرا شامل ہیں۔جاپانی اور اردو کا صوتی نظام بالکل مختلف ہے مگر پھر بھی اردو شعرا نے ہائیکو کے ہیتی اور موضوعاتی نظام پر پورا اترنے کی پوری کوشش کی ہے۔اس کے بحر و وزن کی مکمل پابندی اردو میں نبھانا زیادہ آسان نہیں ہے لیکن پھر بھی ہائیکو لکھنے والے شعرا نے اس پر پورا اترنے کی ہر ممکن سعی کی ہے اور وہ اس تجربے میں خاصے کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنی کتاب میں یوں لکھتے ہیں۔

> ''وجہ یہ ہے کہ جاپانی نظام کا صوتی نظام اردو سے بالکل مختلف ہے اتنا مختلف کہ جاپانی زبان کا اُردو کے عروضی نظام پر کسی بھی طرح منطبق نہیں ہو سکتا۔اگر اس سلسلے میں کھینچ تان کر کچھ کیا بھی جائے تو ہائیکو کے صوتی آہنگ کا نظام اردو میں بحر متقارب کے ارکان کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔
>
> فعلن۔فعلن۔فع ۵
> فعلن۔فعلن۔فعلن۔فع ۷
> فعلن۔فعلن۔فمع ۵''(۶۷)

اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو

اختر ہو شیار پوری نے اردو ادب کی دیگر اضاف کے ساتھ ساتھ ''ہائیکو''میں بھی طبع آزمائی کی۔ ابتدا میں انہوں نے نظم جیسے وسیع میدان میں قدم رکھا۔ اس کے بعد،غزل،مرثیہ،نعت اورمنقبت بھی لکھی۔اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو کی دوکتب یکے بعد دیگرے شا ئع ہوچکی ہیں۔ برگِ گل ۱۹۹۸ء اور سرسوں کے پھول ۱۹۹۹ء۔اختر ہو شیا ر پوری نے جو بھی لکھا وہ مو ضوعاتی اورفنی اعتبار سے بہت پختہ اور اسلوب میں بہت نمایاں ہے۔دلکشی اور شگفتگی ان کی تحریر کا اہم عنصر ہیں۔ وہ ہائیکو کے باغ میں کیسے اترے اور کس طرح رنگا رنگ پھول کھلائے اس حوالے سے وہ خود لکھتے ہیں۔

> ''یہ میری دلی آرزو تھی کہ غزل کے علاوہ کسی اور صنف سخن کے ساتھ میرا رابطہ بڑھے اور میں غزل کے سفر میں کسی پڑاؤ پر دم لے سکوں حالانکہ میں نے نظمیں بھی ابتد امیں کہیں چنا نچہ ابھی اتنا عرصہ نہیں ہوا تھا کہ پاکستان میں ہائیکو تحریک کا آغاز ہوا۔مجھے بھی اس تحریک نے متاثر کیا اور میں بھی اپنی عمر کا وہ حصہ اس صنف سخن کے ساتھ گزارنے کے لئے تیار ہوا۔جب انسان مختصر بات کرتا ہے۔کبھی کبھی اشاروں کنایوں میں اپنے مافی الضمیر کو متعارف کرواتا ہے''(۶۸)

اختر ہو شیار پوری نے جب ہائیکو لکھنا شروع کی اس وقت تک اردو ادب میں کافی لوگ ہائیکو میں طبع آزمائی کرچکے تھے۔اخترہوشیارپوری کا اپنا ایک اندا ز تھا۔انہوں نے ہائیکو کی ہیئت کی تو پابندی کی مگر موضوعات کے اعتبار سے اختر نے دیگر لوگوں سے زیادہ موضوعات کو ہائیکو میں جگہ دی اور اس کے کینوس کو پھیلانے کی کوشش کی۔وہ صرف ہائیکو کو جاپانی اوصاف سے متعارف نہیں کراتے بلکہ ہمارے معاشرے میں پید ا ہو تے نئے نئے مسائل اور محبت و عشق جیسے مو ضوعات کو بھی ہائیکو میں سمونے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔وہ ''برگِ گل'' میں لکھتے ہیں۔

> ''میرے لئے ہائیکو ایک خوش آئند سفر ہے جس میں میر ی شمولیت صرف ا س بات پر ہے کہ انسان کے پاس کچھ کہنے کو ہو تو اسے کسی ایک ہیئت

تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ وسعت اختیار کرتے ہوئے بلا تعصب اظہا ر
کو لامحدود کردینا چاہیے میں نے بھی یہی کچھ کیا ہے‘‘(٦٩)

اختر ہوشیا ر پوری کے اندر کا شا عر صرف ایک صنف پر طبع آزمائی کرنے سے مطمئن نہ ہوا بلکہ انہوں نے ہر صنف میں لکھنے کی عمدہ اور بے مثا ل کوشش کی۔انہوں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ مردانہ وار مشکلا ت کا مقابلہ کرتے ہوتے ہر میدان میں کامیاب ہوئے۔ان کے اندر کا انسا ن جامد نہیں تھا بلکہ اس قدر نفیس اور لطیف تھا کہ وہ بہت جلد ادھر ادھر مڑجاتا تھا۔انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول سے بہت کچھ سیکھا ہے پھر اس کو آگے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اخترہوشیارپوری کی اس انفرادیت کے متعلق ڈاکٹر وزیر آغا یوں لکھتے ہیں۔

’’اختر ہو شیار پوری ان شعرا میں سے نہیں جو کسی ایک صنفِ شعر سے چپک کر رہ جاتے ہیں۔ اختر ہوشیار پوری کے اندر تو کوئی ایسی پگھلی ہوئی کیفیت ہے جو کسی ایک پیمانے میں سما نہیں سکتی بلکہ چھلک چھلک جاتی ہے۔ غالب کی طرح وہ بھی وسعت بیان کے لئے نئے سے نئے پیمانوں کے متلاشی نظر آتے ہیں۔اس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ نظم میں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے اور غزل میں اپنی انفرادیت کا بھرپور احساس دلانے کے بعد وہ اب عہد پیری میں ایک نئی صنفِ شعر یعنی ہائیکو کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور اس میں بھی انہوں نے کمال فن کا بھر پور مظاہرہ کیا ہے۔‘‘(٧٠)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی عمر کے آخری حصے میں جا کر ہائیکو کی طرف متوجہ ہوئے۔اس حوالے سے انکا علم اور تجربہ بڑا وسیع ہو چکا تھا۔وہ نئے نئے وا قعات اور معاملا ت کو شعری اسلوب میں ڈھالنا چاہتے تھے اور اس صنف کے علاوہ ان کے پاس کوئی نئی صنف موجود نہ تھی۔ اختر ہوشیارپوری ہائیکو کی طرف رجحان کیوں ہوا اس سلسلے میں خا ور اعجاز یوں لکھتے ہیں۔

’’میرے خیال میں تو نئے نئے استعاراتی اظہار کی تلاش نے ہی ان کو ہائیکو کی طرف مائل کیا ہوگا جس میں ان کے جذبے نے روایتی اور پیش پا افتادہ

فضا سے نکل کر عہد حاضر کی علامتی فضا میں سانس لینے کی خواہش نے مہمیز لگائی ہے۔"(۷۱)

اردو ہائیکو میں اخترہوشیارپوری کے پیش نظر صرف ایک بات تھی کہ ہائیکو میں نئے نئے موضوعات شامل کئے جائیں۔اس لئے اخترہوشیارپوری کے ہاں ہمیں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔و ہ چیزوں کو بار بار دہرانے کے قائل نہیں ہیں۔وہ سادگی، ترنم اور نئ نئ دنیاؤں میں جانا چاہتے ہیں۔ وہ تین مصرعوں میں ایک جہان آباد کرنا چاہتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اپنی کتاب ''سرسوں کے پھول''میں لکھتے ہیں:

''ادب کے تاریخی عمل کو جاری رکھتے ہوئے ہائیکو کے دامن میں کچھ نئے پھول کھلادیئے جائیں۔تاہم ایک اہم ضرورت ہائیکو کی کشادگی کی ہے اگر ہائیکو کو صرف چند موضوعات اور مخصوص موسموں تک رکھا جائے گا توجس طرح ماہیا اپنے تخلیقی عہد میں نظرانداز ہوگیا تھا اسی طر ح ہائیکو کی تحریک مدہم پڑ سکتی ہے۔"(۷۲)

اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو عام زندگی کی بھرپور عکاسی کر تی ہے۔وہ زندگی کی تہوں کو ایک ایک کرکے کھولتی ہے اور ہر تہہ میں ایک انوکھا اور دلکش رنگ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اخترہوشیارپوری کے دونوں مجموعے اس بات کے غماز ہیں کہ اختر نے اس کہکشاں میں جتنے بھی تارے بکھیرے ہیں وہ سارے کے سارے چمکدار،روشن اور تابندہ ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو داخلی بھی ہے اور خارجی بھی۔وہ اسی دھرتی سے پھوٹی ہے اس لئے اس میں جاپانی اثرات بہت کم ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو سے پاکستان کی دھرتی، پھولوں، کلیوں اور موسموں کی خوشبو آتی ہے۔ اس حوالے سے اختر ہوشیار پوری نے خود لکھا ہے کہ

''پاکستان کی فضامیں کچھ اور جہتیں بھی ہیں جنہیں موضوع سخن بنایا جا سکتا ہے۔چونکہ ہائیکو کے ساتھ محبت بھراسلوک روا رکھا گیا ہے اس لئے میری تمنا ہے کہ ہائیکو صنف سخن کو صرف جاپانی صفات اور اس کے تقا ضوں کا پابند نہ کیا جا ئے بلکہ پاکستانی فضا کو بھی اس کے اظہار کا وصف بنایا جا ئے تا کہ پتہ چلے کہ یہ پاکستانی ہائیکو ہیں۔" (۷۳)

اختر ہوشیار پوری نے اپنی ہائیکو کا آغا ز بھی حمدیہ اور نعتیہ رنگ میں کیا ہے۔وہ کہناچاہتے ہیں کہ سب سے پہلے خدا رب العزت کی تعریف ہے اور اسی کے نام سے ہر کام کا آغاز ہے، جو ہمیشہ قائم و دائم ہے، جو دلوں کے بھید جانتا ہے، جو حاضرو ناظر ہے، جو اول و آخر ہے، جو ظاہر و باطن ہے۔اسی طرح اختر ہوشیارپوری اللہ کے ذکر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اور آپﷺ کے روضے کو تمام جہانوں کے لئے الطاف عنایات کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں ا ور آپﷺ کی وجہ سے نگاہ و دل خوش اورشا داب ہیں۔ہائیکو میں اس طرح کے موضوعات کو متعارف کروانا اخترہوشیار پوری کا ایک بڑا اور انوکھا کام ہے۔ہائیکو دیکھیں:

''حمد خدائے کریم
اس کے نام سے ہر آغاز
دائم اس کی پناہ

ہائیکو میں نعتیہ رنگ دیکھیں:

روضۂ احمد پاک
بارگہِ الطاف و کرم
دیدہ و دل شاداب''(۷۴)

ایک اور جگہ پراختر ہوشیارپوری کی خوبصورت ہائیکو دیکھیں، جس میں شبِ معراج کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور اس رات میں رحمتوں کا نزول ہونا بتایا گیا ہے:

''معراج کی ہے رات
سجدے کرو دامن پھیلاؤ
رحمت اترے گی''(۷۵)

اختر ہو شیارپوری دنیاوی کا موں کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں بھی بہت غوروفکر کرتے تھے۔وہ ایک مکمل مذہبی انسان تھے۔آخری عمر میں اللہ تعالٰی نے ان کی ذات پر بڑا کرم کیا اور انہوں نے حج کا فرئضہ بھی سر انجام دیا۔ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا چھٹکارہ اسی میں ہے کہ ہم دنیا وی کاموں کے ساتھ ساتھ دینی کاموں پر بھی توجہ دیں اور ان پر عمل پیرا ہوکر اپنے اللہ اورحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرلیں۔اس حوالے سے انہوں نے حج، مسجد،اذان،نور، شب قدر،

اللہ،رحمن اور نوافل جیسے الفاظ کو ہائیکو میں استعمال کرکے ایک نئے اور اچھوتے موضوع کو ہائیکو میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔اس حوالے سے چند ایک ہائیکو دیکھیں۔

"حج کی پروازیں
بعد میں پہنچا کرتی ہیں
دل کے جذبوں سے

نور کے تڑکے ہی
مسجد مسجد گونجے اذاں
طاہر ہم آواز"(۷۶)

یہ قدر کی ہے رات
کچھ نفل نوافل پڑھ لو
اللہ دیکھتا ہے

واعظ کی تقریر
مسجد جاتے ڈرتا ہوں
اللہ ہے رحمن"(۷۷)

مظاہرِ فطرت اخترہوشیارپوری کی ہائیکو کا ایک اہم موضوع ہے۔اختر ہوشیارپوری فطرت سے محبت کرنے والے انسان تھے۔وہ کھلی آنکھوں سے تمام مناظر کو دیکھتے تھے اور پھر ان مناظر کے اندر اتر کر لطف اندوز ہوتے تھے۔وہ ان تمام مناظر میں اپنے قارئین کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ان کی ہائیکو میں پاکستان کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔اس کی فضا، اس کے موسم اور اس کے درختوں کا ذکر دل کھول کر کیا گیا ہے،اختر ہوشیارپوری نے سادہ اور عام لفظوں کو بھی بڑی کاریگری سے استعمال کیا ہے۔وہ چند ایک لفظوں میں بہت بڑا مو ضوع بیان کر جاتے ہیں۔مظاہرِ فطرت کے حوالے سے چند ایک ہائیکو دیکھیں۔

کوئل چہکی ہے
باغوں میں آموں کے پیڑ
خوشبو سانسوں میں"(۸۷)

''شہر سے دُور نہر بہتی ہے
لوگ کھیتوں سے لوٹ آئے ہیں
بانسری کی صدا نہیں تھمتی''(۷۹)

اس حوالے سے عبیدہ رضوی اپنے مقالے میں یوں لکھتی ہیں

''ہا ئیکو کا سب سے اہم نمایا ں اوراہم موضوع ''مظاہر فطرت''کا بیان ہے
اختر کی ہائیکو میں بھی حسین مناظر کا ایک جہاں آبادہے۔'' (۸۰)

مظاہر فطرت کے ساتھ ساتھ اخترہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں جو منظر نگاری کی ہے وہ اپنی مثا ل آپ ہے۔ان کی ہائیکو ایک نئی نویلی دلہن کی طرح سجی ہوئی ہے۔اخترہوشیارپوری کو منظر نگاری میں جو ملکہ حاصل ہے وہ بہت کم شعر ا کو نصیب ہوا ہے۔اختر ہوشیار پوری اپنی ہائیکو میں یوں منظر نگاری کرتے ہیں کہ پڑھنے والا واقعی ان مناظر میں کھو کر نئی دنیا کی سیر کر آتا ہے۔اختر ہو شیارپوری نے نہایت ہی شگفتگی اورشائستگی سے مختلف موضوعات کو پوری ادبی چاشنی کے ساتھ یوں مختلف مناظر میں ڈھالا ہے کہ منظر خود بولنے لگتا ہے۔اس حوالے سے ان کی لکھی ہوئی چند ہائیکو ملاحظہ ہوں۔

''بُور آموں پہ آ گیا ہوگا
پیڑ جامن کے لہلہاتے ہیں
اپنے آنگن میں پینگ ہی جھولیں''(۸۱)

''ایسی بے موسموں کی بارش ہے
کشتیاں رک گئی ہیں ساحل پر
پھول نرگس کے پھر بھی کھلتے ہیں''(۸۲)

اخترہوشیارپوری نے غربت افلاس بے روز گاری مہنگائی اور تنگ دستی جیسے موضو عا ت کو بھی اپنی ہائیکو کا موضوع بنایا ہے۔وہ اصل میں زیادہ سے زیا دہ موضوعات کو ہائیکو کا حصہ بناکر معاشرے کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا معاشرہ کس طرح کے مسائل سے دو چار ہے اور اس معاشرے میں بسنے والے لوگ کس قدر مفلوک الحال اور تنگ دستی میں پریشانی کی زندگی گزار

رہے ہیں کہ ان کو جینا بھی عذاب لگتا ہے۔حالانکہ زندگی ایک بہت بڑی نعمت ہے مگر وہ معاشرہ کیسا ہوگا جہاں لوگ جینے کو عذاب سمجھتے ہیں اور مرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ایک مثال دیکھیں:

"اتنی مہنگائی
لے نہیں سکتے کوئی دوا
جینا ایک عذاب"(۸۳)

بہت سے ادیبوں نے اپنی تحریروں اور شاعری میں وادیٔ کشمیر کا ذکر کیا ہے۔کشمیر کے دل کش نظارے حسین وادیاں پھلوں کی کیاریاں رنگ موسم کی دلکشی اور سبزے سے ڈھکے پہاڑوں کے مناظر کو شاعروں نے اپنے اشعار میں انتہائی خوبصورتی سے پیش کیا۔کشمیر کو شاعروں نے ارضی جنت کہا ہے اس لئے اس کا ذکر کئے بغیر اخترہوشیارپوری بھی نہ رہ سکے۔انہوں نے اپنی ایک ہائیکو میں کشمیر کا ذکر یوں کیا ہے۔

"کشمیر کی وادی
خونِ شہیداں رنگِ شفق
وقت صدائیں دے"(۸۴)

اسی طرح انہوں نے وادیٔ کشمیر کے ساتھ ساتھ وادیٔ گلگت کا ذکر بھی کیا ہے۔وادیٔ گلگت بھی اپنی خوبصورتی میں اپنی جگہ ایک مثال ہے۔لہذا وادیٔ گلگت کو بھی اخترہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو کا موضوع بنا یا ہے۔

"اے وادیٔ گلگت
برف زیادہ یخ تو نہیں
بوڑھے جذبوں سے"(۸۵)

درخت، پھول اور پرندے زمین کے حسن کو بڑھاتے اور نکھارتے ہیں۔کائنات کے اندر جتنی بھی رنگینی ہے وہ انہی کے دم سے ہے۔ہرے بھرے درخت، خوشنما پھول اور چہچہاتے پرندے ماحول کو خوشگوار بنا دیتے ہیں۔اخترہوشیارپوری کو قدرتی مناظر سے بہت محبت ہے۔ان اشیاء کا ذکروہ باربار اپنی شاعری میں کرتے ہیں۔انہوں نے اپنی ہائیکو کے اندر باقاعدہ پرندوں کے ناموں کا ذکر

کیا ہے۔جو اُن کا پرندوں کے ساتھ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اخترہوشیار پوری نے فاختہ، کبوتر، کوا، مرغابی، چڑیوں اور بطخوں کا ذکر نہایت خوبصورت انداز میں کیا ہے۔
چند ہائیکو کو بطور مثال دیکھیں۔

''دھوپ منڈیروں پر
آتا نہیں ہے کبوتر بھی
خواب ہوئے پیغام''(۸۶)

''ریت میں پھول اُگے
گھر کی منڈیروں پر کوّا
مہمان آئے گا''(۸۷)

بطخیں کھیلتی ہیں
پتوں، گھاس کے ریشوں سے
نہر سرما میں''(۸۸)

''ندی بہتی ہے
اور مرغابی پانی کا
ہر دکھ سہتی ہے''(۸۹)

اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو چند مخصوص موضوعات کے گرد نہیں گھومتی بلکہ انسانی زندگی سے متعلق ہر موضوع کو اس میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔اختر ہوشیار پوری نے الیکٹرک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کو بھی اپنی ہائیکو کا موضوع بنایا ہے۔پیشے کے لحاظ سے وہ ایک بہت اچھے وکیل تھے۔ اس لئے میڈیا کے ساتھ بھی ان کا گہرا تعلق تھا۔اسی وجہ سے ہمارے ملک میں چھپنے والے مختلف اخبارات کا ذکر بڑے طنزیہ انداز میں کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں جو کچھ اخبارات میں آج کل چھپ رہا ہے وہ لوگوں کی معلومات اور دلچسپی کا سبب نہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی ایک ہائیکو میں اخبارکو یوں طنزکا نشانہ بنایا ہے۔

"اخبار میں کیا ہے
پیسے ضائع کرنے ہیں
ٹی وی سُن لیں گے"(۹۰)

ایک اور جگہ دیکھیں:

"اخبار کی خبریں
ماہِ دسمبر آگ ہی آگ
جون کے دن کیا تھے"(۹۱)

قوس قزح بھی کا رخانۂ قدرت کا ایک عظیم شاہکا ر ہے۔قوسِ قزح کے سات رنگ پوری کائنات کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔اس کی خوبصورتی اور حسن کا ذکر اخترہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں بار بار کیا ہے۔قوس قزح کے لفظ کو اخترہوشیارپوری نے بڑی ہنر مندی سے اپنی شا عری میں استعمال کیا ہے۔ایک جگہ پر ان کا انداز دیکھیں۔

"دلہن کے ہمراہ
قوسِ قزح کیا اتری ہے
منظر اترا ہے"(۹۲)

ایک اور جگہ پر "قوس قزح" کا استعمال دیکھیں

"قوسِ قزح پھیلی
بارش ہونے سے پہلے
انہونی باتیں"(۹۳)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں صنعتِ تضاد کا بھی استعمال کیا ہے۔صنعتِ تضاد کو استعمال کرنے کا فن اخترہوشیارپوری کے ہاں بڑا پختہ اور مناسب ہے۔صنعتِ تضاد کے استعمال سے ان کی شاعری میں ایک خاص قسم کا حسن اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔اس حوالے سے اختر ہوشیارپوری کی مثا لیں دیکھیں۔

"دشت میں گلشن میں
پھول اور کانٹے دونوں ہیں

اپنے اپنے بھاگ''(۹۴)

صنعتِ تضا د کے حوالے سے ایک اور ہائیکو دیکھیں:

''آنسوؤں میں جلن ہے جذبے کی
ہر بُنِ مو سے اٹھ رہا ہے دھواں
آگ پانی کا کھیل ہے سارا''(۹۵)

اختر ہوشیار پوری کی بعض ہائیکو میں ہمیں فلسفیانہ خیالات بھی ملتے ہیں مگر وہ اس انداز سے اپنے خیالات پیش کرتے ہیں کہ قاری کسی جگہ بھی اختر ہوشیارپوری کے خیالا ت میں الجھ کر نہیں رہ جاتا بلکہ بڑی روانی اور نفاست سے گزرتا چلا جاتا ہے اور بہتر سے بہتر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔انہوں نے اپنی ہائیکو میں مختلف موضوعات کو بیان کرنے کے لئے مشکل اورثقیل الفاظ کا سہارا نہیں لیا بلکہ سادہ اور مو زوں الفاظ کے ذریعے اپنے خیا لات کو بیان کرنے کی سعی کی ہے اور اس تجربے میں اختر ہوشیار پوری کافی حد تک کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ان کا اندازہ دیکھیں۔

''مجھ کو سونے دو
ساری عمر ہی جاگا ہوں
یہ کیسی آواز''(۹۶)

''مالک کوئی نہیں
قبرستانوں کی مٹی
سب کی ہے میراث''(۹۷)

''دھوپ اُتری دہک اٹھے رستے
کس ستم گر نے یہ کہا مجھ سے
آسمان کا زمیں سے ربط نہیں''(۹۸)

اختر ہو شیار پوری کی ہائیکو میں متنوع موضوعا ت کا ایک میلہ لگا ہوا ہے۔جس میں ہمیں سرسوں کے پھول بھی لہلہاتے ہوئے ملتے ہیں اورچڑیوں کا شور بھی، بہتی ہوئی نہریں بھی ملتی ہیں اور ٹیلے کی اوٹ سے نکلتا چاند بھی،آموں پہ لگا بور بھی اور بانسری کی صدا بھی،عید کے میلے بھی

اور بارش کی آواز بھی،بچوں کا شور بھی اور نئ نویلی دلہن کی جھانجر بھی، گلاب چہرے بھی اور لمبی زلفیں بھی، پائل کی چھن چھن بھی اور چاندنی راتوں کا ذکر بھی، شب بھر جاگتی آنکھیں اور دل سے نکلی باتیں بھی یہ سب کچھ ہمیں اختر کی ہائیکو میں بیک وقت ملتا ہے۔اس حوالے سے اختر کی چند ہائیکو دیکھیں۔

''گیت کے میٹھے بول
پائل بھی چھن چھن چھنکے
اور گوری شرمائے''(۹۹)

''پیپل اور برگد
سب کے اپنے موسم ہیں
ہم چلتے راہی''(۱۰۰)

''پھول سرسوں کے لہلہاتے تھے
چاند ٹیلے کی اوٹ سے نکلا
آنکھ کو کچھ سجھائی دیتا نہیں''(۱۰۱)

''پھول شبنم ہری بھری شاخیں
موسمِ گل میں کیا نہیں ہوتا
اک امر بیل بھی تو ہوتی ہے''(۱۰۲)

بارش بھی قدرت کا ایک حسین اور انمول عطیہ ہے۔بارش آنے سے ہر طرف بہار اور رونق لوٹ آتی ہے اس رحمت کا تعلق بھی مناظر فطرت سے ہے۔چرند پرند،درخت اور پھول ہر طرف مہک اٹھتے ہیں۔بارش سے بنجر اور ویران زمین میں بھی تازگی لوٹ آتی ہے۔بارش کو بھی اختر ہوشیار پوری نے اپنی ہائیکو کا موضوع بنایا ہے۔ہائیکو ملاحظہ ہو۔

''بارش کب ہوگی
سُوکھی دھرتی چیخ اٹھی
لے آنسو پی لے''(۱۰۳)

ایک اور جگہ پر بارش کے لفظ کو انہوں نے کس طرح ذو معنی انداز میں استعمال کیا ہے۔

''بارش کا امکاں
اندر سونا بہتر ہے
موسم کی خبریں''(۱۰۴)

تکرار لفظی سے اختر ہوشیارپوری نے اپنی شا عری اور بالخصوص اردوہائیکو میں رنگ برنگ پھول بکھیر ے ہیں۔ تکرار لفظی سے اختر ہوشیارپوری نے ہائیکو کے اندر ایک نئ روح پھونک دی ہے۔ تکرار لفظی کا استعمال اختر کے ہاں بڑے اچھوتے انداز سے ملتا ہے۔ تکرار لفظی سے ضروری نہیں کہ ہر جگہ کلام میں حسن پیدا ہو مگر اختر ہوشیارپوری کے ہاں تکرار لفظی کا عمدہ نمونہ ملتا ہے جس سے کلام میں قباحت نہیں پائی جاتی بلکہ قاری تکرار لفظی سے خط محسوس کرتا ہے۔

''چاول کی فصلیں
ٹھہرے ٹھہرے پانی پر
خوشبو اُڑتی جائے''(۱۰۵)

''رات بھی گہری نہیں
لوگ بھی اب تک جاگتے ہیں
دھیرے دھیرے بول''(۱۰۶)

''میری تصویر اتارنے والے
تیری تصویر اتار لوں پہلے
جانے پھر کب دوبارہ ملنا ہو''(۱۰۷)

''میں نے کب زندگی گزاری ہے
زندگی نے مجھے گزارا ہے
اور سانسوں کی سرحدیں معلوم''(۱۰۸)

اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو میں پھولوں، پودوں، پھلوں، پرندوں، جانوروں، موسم، اشیا ء، حشرات، تتلی، چمن، باغ، پہاڑ، بارش، قوس قزح اور آسمان جیسے الفاظ اور موضوعات پائے جاتے

ہیں۔ہائیکو میں انہی موضوعات کی مناسبت کے بارے میں ڈاکٹر انور سدیداپنے خیالات کا اظہا ر کچھ یوں کرتے ہیں:

''ہائیکو کی بُنت میں فطرت کے مختلف روپ اور اشیاء مثلاً موسم، فضا، دریا، چمن، پہاڑ، پھول،پودے، پھل اور پرندوں کی شمولیت نہ صرف ضروری ہے بلکہ اس سے ایک وجہ آورد پیدا کرنا بھی معراجِ فن تصور کیا جاتا ہے۔''(۱۰۹)

ہائیکو خوبصورتی کا دوسرا نام ہے لہذا اس طرح کے الفاظ سے ہی ہائیکو کے حسن میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔اس لئے ہائیکو لکھنے والے جتنے شعرا ہیں ان کے ہاں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو خوبصورتی کا باعث بنتے ہیں۔رانامسعود یوسف اپنے مقالے میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں۔

''موسم فطرت کا سب سے طاقتور مظہر ہے۔اسی لئے موسموں کا ذکر ہائیکو میں سب سے زیادہ دکھائی دیتا ہے۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مناظر فطرت موسموں کے ہی زیر اثر متغیّر و متبدل ہوتے ہیں اور ان کا تغیر و تبدل ہی دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔''(۱۱۰)

اختر ہو شیار پوری کے زمانے میں موبائل فون نہیں تھے۔لہذا پیغامات کا سہارا صرف خط ہوا کرتے تھے۔خط کو لوگ ویسے بھی آدھی ملاقات کہتے ہیں۔خط،دوستی اور رشتے داری کا ایک سہارا ہوتے ہیں۔اس زمانے میں لوگ زیادہ تر خطوں کے ذریعے ایک دوسرے سے حال احوال اور محبت بانٹتے تھے۔دکھ اور درد کا اظہاربھی خطوں کے ذریعے ہی کئے جاتا تھا۔اس موضوع پر بھی اختر ہو شیار پوری نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔اپنی اس ہائیکو میں انہوں نے بیرنگ، لفافہ، ڈاکیہ اور خواب جیسے الفاظ استعمال کرکے چند الفاظ میں ایک بہت بڑا خوبصورت موضوع قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ہائیکو دیکھیں۔

''بیرنگ لفافہ

ڈاکیہ لے کر آیا ہے

بھولا بِسرا خواب''(۱۱۱)

''پہلی عمر کے خط
رات کو اٹھ کر پڑھتا ہوں
پچھلی عمر کا روگ''(۱۱۲)

گو تصویریں بولتی نہیں ہیں مگر عاشق اور محبوب کے درمیان تصویروں کا تبادلہ پیارومحبت کی ایک اہم نشانی سمجھا جاتا تھا اور اسی تصویروں کی امید پر عا شق لوگ برسوں گزار دیتے تھے۔ دکھ، تکلیف اور تنہائی میں یہ تصویریں جینے کا سہارا دیتی ہیں۔لہذا اخترہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں تصویروں کا ذکر بھی دلچسپ انداز میں کیا ہے۔مثال دیکھیں

''اب تصویروں سے
دل کی باتیں ہوتی ہیں
دکھ تنہائی کا''(۱۱۳)

ایک اور مثال دیکھیں۔

''جلتے بجھتے چراغ کو لو میں
ایک تصویر دیکھتا ہوں میں
زندگی! تو ذرا ٹھہر جانا''(۱۱۴)

اخترہوشیارپوری کی ہائیکو میں منظر نگاری اور محاکات نگاری کے بہت عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ محاکات نگاری اور منظر نگاری پر اخترہوشیارپوری کو ملکہ حاصل ہے۔وہ بہت تھوڑے لفظوں میں بہت بڑا منظر بیان کرنے کا فن جانتے ہیں اور ان کی یہ کوشش ہر صنف میں بھر پور دکھائی دیتی ہے۔ وہ منظر کشی کے دوران ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ اپنے علاقے، اپنے وسیب،اپنے وطن،اپنے معاشرے اور اپنے شہروں کے ساتھ تعلق استوار رہے۔ان کی چند ایک ہائیکو میں محاکا ت نگاری دیکھیں۔

''شہر سے دُور نہر بہتی ہے
لوگ کھیتوں سے لوٹ آئے ہیں
بانسری کی صدا نہیں تھمتی''(۱۱۵)

"آخری رات ہے دسمبر کی
کتنی شدت ہے برف باری میں
ٹھنڈے چولہے میں سانس جلتی ہے"(۱۱۶)

"بھینی بھینی مہک
پھیل گئی ہے گھر گھر میں
سرسوں کے ہیں پھول"(۱۱۷)

اس حوالے سے اختر ہوشیارپوری خود اپنی ہائیکو کے بارے میں اپنی کتاب "برگ گل" میں یوں لکھتے ہیں:

"میری ہائیکو تمام تر پاکستانی ہیں اور میری ذات کا حصہ ہیں۔میں نے غزل میں بھی کہیں خود کو الگ نہیں ہونے دیا بلکہ پاکستانیت کو کہیں نہ کہیں استوار رکھا ہے۔اسی طرح ہائیکو میں بھی میں نے اپنی ذات، کائنات اور واردات کو ملحوظ رکھا ہے۔"(۱۱۸)

کراچی میں جو خون کی ہولی کھیلی گئی نوجوان لڑکوں،لڑکیوں اور بچوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔گھروں سے نکلنے والے انسان جو اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے نکلتے تھے محفوظ نہیں تھے۔ ہر طرف سے گولیوں کی آوازیں آتی تھیں۔کراچی شہر بارود کی بو میں ڈوب چکا تھا۔لوگ پریشان تھے۔مائیں اپنے بچوں کے غم میں نڈھال ہوچکی تھیں۔بوڑھے بزرگوں کے سہارے چھن چکے تھے۔ اختر ہوشیار پوری نے جب ان حالا ت کو دیکھا تو وہ ان اثرات سے کنارہ کشی نہ برت سکے بلکہ اس کیفیت کو انہوں نے اپنی ہائیکو کا موضوع بنایا۔ذرا دیکھیں۔

"گولی چلتی ہے
شہر کراچی کی ہر صبح
رات میں ڈھلتی ہے"(۱۱۹)

ساون اور بارش کا ذکر آپس میں لازم و ملزوم ہو جا تا ہے۔ساون کا ذکر ہو تو بارش کا ذکر ذہن میں خود بخود آجا تا ہے۔اس موسم میں پھولوں پر بہار آجاتی ہے اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ

دکھائی دیتا ہے۔عاشق اور محبوب کے لئے یہ موسم بہت دل پسند ہوتا ہے۔اخترہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں ساون کے مہینے کا ذکر باربار کیا ہے۔وہ ساون کو محبت کی علامت اور استعارہ سمجھتے ہیں۔ ان کی چند ہائیکو میں ''ساون''کا ذکر دیکھیں۔

''چھتری پیڑوں کی
ساون میں آوازیں ہیں
گرتی بوندوں کی''(۱۲۰)

''گیت گاتی ہوئی بدن کی دھنک
سُرخ ہونٹوں سے بارشِ الہام
اور فضا میں پھوار ساون کی''(۱۲۱)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں مختلف انگریزی مہینوں کا بھی ذکر کیا ہے نہ صرف دسمبر اور اکتوبر کا ذکر کیا ہے بلکہ پنجابی کے مہینوں،جیٹھ اور ہاڑ کا بھی ذکر کیا ہے۔یعنی انہوں نے اردو ہائیکو میں پنجابی زبان کے الفاظ اس ہنر مندی اور مہارت سے استعمال کئے ہیں۔گویا ان میں کوئی غیر مانوسیت اورکھرد راپن نہیں ملتا۔اس حوالے سے اخترہوشیارپوری کی ہائیکو دیکھیں۔

''دھوپ کنارے بیٹھ
سردی ہونے والی ہے
اکتوبر کی شام''(۱۲۲)

''ہاڑ کی راتوں میں
اپنے پسینے میں بھیگیں
میں بھی کمرہ بھی''(۱۲۳)

''جنوری کی اداس شاموں میں
شہر در شہر برف اور ہوا
ایک دوجے کی راہ تکتے ہیں''(۱۲۴)

بچپن کے دوست اور بچپن کی یادیں بہت پیاری ہوتی ہیں۔بڑھاپے میں جاکر انسان ان کو یاد کرکے اپنا دل پرچاتا ہے۔وہ کاغذی کشتی وہ بارش میں نہانا، گلیوں میں کھیلنا، وہ ننھی ننھی

شرارتیں، وہ لوگوں کے اوپر پانی پھنکنا یہ سب یادیں ہیں جن کو اختر ہوشیار پوری نے اپنی ہائیکو نظموں میں موضوع بنایا ہے اور ان کا ذکر باربار نہایت خوبصورت پیرائے میں کیا ہے۔ اخترہوشیارپوری جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے ہیں اس کی تہہ تک چلے جاتے ہیں اور اس کو اپنے ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ لفظوں کے انتخاب میں اور ان کی ادائیگی میں بہت محنت کرتے ہیں۔ بچپن کے حوالے سے کچھ یادیں انہوں نے یوں قلم بند کی ہیں۔

''شور مچاتے ہیں
بچے ہنستے کھیلتے ہیں
خوشیاں بانٹتے ہیں''(۱۲۵)

''بچوں کی ٹولی
بارش میں نہانے نکلی
شہر کی گلیوں میں''(۱۲۶)

''چڑیاں کھیلتی ہیں
پھولوں جیسی شاخوں سے
بچوں کے ہمراہ''(۱۲۷)

بحیثیت مسلمان اختر ہوشیارپوری کشمیر اور بابری مسجد سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اپنی شاعری میں کشمیر کے ساتھ بابری مسجد کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جب ہندوستان نے بابری مسجد کو گرانے کی کوشش کی تو کون سا ایسا مسلمان تھا جس کا خون نہیں کھولا تھااورایسی کیفیت کا ہونا مضبوط ایمان کی نشانی ہے۔ رات کو خوابوں میں بھی بابری مسجد کے گرانے کی تصویریں گھومتی تھیں۔اس کیفیت کو اختر ہوشیار پوری نے اپنی ایک ہائیکو میں اس طرح بیان کیا ہے۔

''خوابوں سے چونکائے
اک بابری مسجد ہی نہیں
کشمیر کا خوں بھی''(۱۲۸)

اختر ہو شیار پوری نے اپنی ہائیکو میں خوبصورت او ردلکش تراکیب کااستعمال بھی بڑی نفاست او رہنرمندی سے استعمال کیا ہے جو ان کی ہائیکو کی شان کو چار چاند لگا دیتی ہیں۔ اخترہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں عالم ِرنگین، قوسِ قزح، روحِ آوارہ، طلسمِ سکوت، زخم ِتنہائی، چشمِ

طلب، حرفِ دعا، صحنِ گلستان، پسِ دیوار اور رنگِ شفق جیسی تراکیب استعمال کی ہیں جو کلام میں ایک اچھا تاثر پیدا کرتی ہیں۔تراکیب کا استعمال دیکھیں:

جب نگاہیں ملیں نگاہوں سے
لفظ ایجاد ہوگئے کتنے
اور طلسمِ سکوت ٹوٹ گیا(۱۲۹)

ایک اورجگہ تراکیب کا استعمال دیکھیں:

سرِ دیوار شور چڑیوں کا
پسِ دیوار گہری خاموشی
اور آنگن میں چاپ قدموں کی(۱۳۰)

اردو شاعری میں مظاہر فطرت کا بیان بہت اہمیت کا حامل ہے جو کہ ہماری شاعری کے تجربوں میں ناپید ہو چکا ہے۔ہائیکو نے بہت حد تک اس رویے کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔یہی رویہ ہائیکو کی اردو شاعری میں آمد کا جواز بنتا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا ہائیکو کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ایک جگہ پر یوں کرتے ہیں:

"ضرورت اس بات کی ہے کہ ہائیکو کے خراج کو سمجھا جائے اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اسے اردو کی اصناف شعر میں شامل کر لیا جائے۔ ہمارے ہاں غزل، دوہا، سہ حرفی یا ماہیا وغیرہ پہلے سے رائج ہیں مگر ہائیکو کا دائرہ کار ان سب سے مختلف ہے۔ایک یہی بات کہ ہائیکو نے مظاہر فطرت کو تجربے کے دائرے میں سمیٹ لیا ہے۔اس کو اردو میں رائج کرنے کی اہم وجہٗ جواز بنتی ہے کیوں کہ ہماری شاعری نے مجموعی طور پر مظاہر فطرت سے افسوسناک حد تک بے اعتنائی برتی ہے۔" (۱۳۱)

اختر ہوشیارپوری نے اپنی ہائیکو میں پورے جہان کو سمیٹنے کی سعی کی ہے۔انسانی زندگی سے متعلقہ ہر ایک پہلو کو اپنی ہائیکو میں لانے کا تجربہ کیا ہے۔سہ مصرعہ نظم میں پورا موضوع سمجھانے کی کوشش کی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے جاپانی ہائیکو کو پاکستانی رنگ میں ڈھال کر ہائیکو نگاری میں وسعت پیدا کر دی ہے۔گویا اختر ہوشیارپوری کو پاکستانی ہائیکو کا مؤجد کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔

اختر ہوشیارپوری نے اردو ہائیکو میں مظاہر فطرت کی جس طرح عکاسی کی ہے وہ قابل تعریف بھی ہے اور قابل تحسین بھی۔اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو میں ہمیں اونچے پیڑ بھی دکھائی دیتے ہیں او رچڑیوں کے گھونسلے بھی، نگاہوں کا جادو بھی دکھائی دیتا ہے او رزینہ زینہ اترتا چاند بھی، برف سے ڈھکے پہاڑ بھی دکھائی دیتے ہیں او رسبزے سے لہلہاتے ہو ئے کھیت بھی، سرسوں کے پھول بھی نظر آتے ہیں او رآموں کولگا بور بھی، فضا میں اڑتی فاختائیں بھی اور آبِ رواں میں تیرتی مچھلیاں بھی، بارش میں نہاتے بچے بھی او رگلی میں کھیلتی لڑکیاں بھی، صحرا کی تپتی ہوئی ریت بھی او رپھولوں سے بھرا گلستان بھی، جیٹھ او رہاڑ کی دھوپ بھی او ردسمبر کی اُداس شامیں بھی، گھروں کے منڈیروں پر بولتے کوّے بھی اور چہچہاتی چڑیاں بھی، باغوں میں بولتی کوئلیں بھی اور قوس قزح کے پھیلتے رنگ بھی، ساون کی برستی بارش بھی او رملاحوں کے گیت بھی، حسیناؤں کی بجتی پائلیں بھی اور روزن سے جھانکتی آنکھیں بھی، یہ سب کچھ اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو میں نظر آتا ہے مگرا س کے ساتھ منظر کشی، موسیقیت، روانی تسلسل، خوب صورت تشبیہ او راستعارے کا استعمال، عمدہ تراکیب اور محاکات نگاری نے اختر کی ہائیکو میں جو رنگینی او ردلکشی پیدا کی ہے اس کی مثال اردو ہائیکو میں بہت کم شعرا کے ہاں ملتی ہے۔انہی خوبیوں کی وجہ سے اختر ہو شیار پوری کا نام اردو ہائیکو نگاری میں ایک معتبر حوالے کے طو رپر جانا جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی دونوں کتب ''برگ گل'' او ر''سرسوں کے پھول'' ہائیکو نگاری میں ایک خوبصورت اضافہ ہیں۔انہی کی بدولت ''ہائیکو نگاری میں اختر ہو شیار پوری ہمیشہ زندہ و جاوید رہیں گے۔

مرثیہ نگاری

مرثیہ کیا ہے؟

مرثیہ کا لفظ ''رثا'' سے نکلا ہے او ر''رثا'' عربی زبان کا لفظ ہے۔جس کا مطلب ہے مرنے والے کی تعریف و توصیف۔مرثیہ ایسی شعری صنف سخن ہے جس میں دنیا سے چلے جانے والے لوگوں کی تعریف یا ذکر رنج و غم کے ساتھ کیا جائے۔مختلف مفکرین نے ''مرثیہ'' کی مختلف تعریفات کی ہیں۔جن میں چند ایک یہ ہیں۔

ابوالاعجا زحفیظ صدیقی نے اپنی کتاب میں مرثیہ کی یوں تعریف کی ہے:

''مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر کسی شخص کے دنیا سے اٹھ جانے پر اپنے جذبات پر غم کا اظہار کرتا ہے او رمرحوم کی خوبیوں کو بیان کرکے اسے خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔''(۱۳۲)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اپنی کتاب ''اصناف ادب'' میں مرثیہ کی تعریف یوں کی ہے:

''مرثیہ عربی لفظ ''رثا'' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں مرنے والے کی تعریف و توصیف۔''(۱۳۳)

پروفیسر انور جمال نے مرثیہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔

''ایک بات لائق توجہ ہے کہ مرثیہ کسی بھی عزیز، دوست، ہیرو یا رشتے دار کے مرنے پر اظہارِ غم یا بیانِ تعریف کے لیے مخصوص ہے لیکن انیس و دبیر کی مرثیہ نگاری کے بعد یہ صنف واقعہ کربلا کے لیے مخصوص ہوگئی ہے۔''(۱۳۴)

سید عابد علی عابد نے مرثیہ کے بارے میں یہ رائے دی ہے۔

''مرثیہ اردو میں تمام اصناف ادب کی خوبیوں کا جامع ہے''(۱۳۵)

ہیئت کے اعتبار سے مرثیہ کی کوئی اپنی شکل موجود نہ تھی۔کبھی غزل میں غم کا اظہار کیا جاتااور کبھی مثلث، مربع، مسدس او رمخمس میں یعنی ہر شکل میں مرثیہ لکھا گیا۔آہستہ آہستہ مرثیہ کی باقی تمام ہیئت متروک ہوگئیں او رمرثیہ صرف ''مسدس'' ہیئت میں لکھا جانے لگا۔مرثیہ کے ایک بند میں کل چھ مصرعے ہوتے ہیں۔پہلے چار مصرعوں میں کسی بات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے او رآخری دو مصرعوں میں کوئی نتیجہ نکالا جاتا ہے۔

اصطلاحاً مرثیہ شاعری کی ایک ایسی نظم کا نام ہے جس میں شعرا غم کی اس حالت کو بیان کرتے ہیں جوان کے کسی عزیز کی وفات پر ان کے دل پر طاری ہوتی ہے۔غم اور دکھ کی یہ کیفیت مرثیے میں مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے۔

پر وفیسر سید افتخار حسین بخاری نے اپنی ایک کتاب ''قصیدہ، مرثیہ، رباعی، قطعہ و دیگر اصناف'' میں مرثیہ کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

> ''مرثیہ وہ صنف سخن ہے جس میں کسی مرنے والے کی تعریف و توصیف حسرت و اندوہ، رنج و غم کے ساتھ بیان کی جائے اور اس کی وفات پر اظہارِ ماتم کیا جائے۔یوں تو مرثیہ ہر ایک مصیبت اور تباہی پر کہا جا سکتا ہے۔صرف اشخاص و افراد کے لیے ہی نہیں بلکہ قوم وملک کی خستہ حالی و تباہی پر کیا جاتا ہے اور اکثر شعراء نے کہا بھی ہے لیکن اردو شاعری میں مرثیہ کا اطلاق زیادہ تر واقعاتِ کربلا پر ہوتا ہے۔اس لیے مرثیہ کے اصطلاحی معنی یہی رہ گئے ہیں کہ واقعات کربلا یعنی حضرت امام حسینؓ اور دیگر شہدائے کربلا کی شہادت اور اس سلسلہ میں ان پر جو مصائب پڑے جس طریقہ سے انھوں نے مقابلہ کیا ان سب کا ذکر کیا جائے گویا مرثیہ او رواقعاتِ کربلا لازم و ملزوم ہوگئے ہیں۔''(۱۳۶)

اُردو مرثیہ قدیم اصنافِ سخن میں شمار ہوتا ہے۔مرثیہ ہر دور میں کسی نہ کسی ہئیت میں زندہ رہا اور ہر دور میں اس پر بہت کچھ لکھا گیا۔ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں مرثیہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''مرثیہ اسم مذکر بمعنی درد و رحم، مردے کا وہ بیان جس سے رحم اور درد پیدا ہو۔وہ نظم یا اشعار جس سے کسی شخص کی وفات یا شہادت کا حال اور اس کے رنج و غم کا بیان درج ہو۔''(۱۳۷)

مرثیہ میں فوت شدہ لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ان میں دوست احباب کا ذکر بھی آتا ہے اور مشہور شخصیات کا نام بھی۔گویا مرثیہ ایسی صنف سخن ہے جس میں مرنے والے کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔

مرثیہ کا آغاز و ارتقا

مرثیہ کی ابتدا اور آغاز کے حوالے سے تاریخ کے اوراق اگر پلٹے جائیں تو اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔مرثیہ کی ابتداء زمانہ جاہلیت میں ہی ہو چکی تھی یعنی عرب میں اسلام سے پہلے ہی مرثیہ لکھا جانے لگا تھا۔اس حوالے سے مولانا شبلی نعمانی ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''عرب میں جو فارسی اور اردو شاعری کا سر چشمہ ہے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی اور یہی ہونا چاہیے تھا۔ عرب میں شاعری کی ابتداء بالکل فطرت کے اصول سے ہوئی یعنی جو جذبات دلوں میں پیدا ہوتے ہیں وہی اشعار میں ادا کر دیئے جاتے ہیں۔جذبات میں درد و غم کا جذبہ جذبات سے قوّی تر ہے۔''(۱۳۸)

زمانہ جاہلیت میں مرثیہ بڑے زور و شور سے لکھا جانے لگا۔بہت سے شعراء اِس میدان میں اتر آئے اور ہر شاعر نے اپنے اپنے جذبات کو مرثیہ کی شکل میں ڈھالا۔اسی طرح ٦٠ ہجری تک بہت سے شعرا ء نے مرثیے کہے۔اس دور کے چند اہم اور معروف مرثیہ نگاروں کے نام غلام یاسین نے اپنے مقالہ میں یوں تحریر کیے ہیں:

''٦٠ ہجری سے پہلے مرثیہ لکھنے والوں کے نام یہ ہیں۔خنسا،متمم بن نویرہ، ورلیل بن الصمد، ابو زویب، ابولمتاہیہ، متنبی، کعب بن سعد اورلمنحنوی شامل ہیں۔''(۱۳۹)

۱۰محرم، ٦١ ہجری کو واقعہ کربلا کا قیامت خیز منظر سامنے آیا۔حضرت امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں نے اسلام کی خاطر جو قربانیاں دیں ان کو مسلمان اور ہماری تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے تڑپتے لاشے عزت مآب او رپاک دامن خواتین کی بے حرمتی کو ہم کبھی نہیں بھلا سکتے۔اس واقعہ نے پورے عر ب کو ہلا کر رکھ دیا۔یوں مرثیہ نگاری کی روایت تو موجود تھی مگر حکومت وقت کے خوف سے شعرا نے کھل کر اشعار کی صورت میں ماتم نہ کیا۔ پھرکئی صدیوں کے بعد محتشم کاشی نے شاہ ایرانی طہماسپ کی خواہش کے مطابق آٹھ دس بندوں کا مرثیہ کہا جو درد و غم کی عمدہ مثال ہے۔جس کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر نے یوں کہا ہے:

''یہی وہ مرثیہ ہے جسے شہادت امام حسینؓ سے وابستہ مراثی کا نقطۂ آغاز قرا ر دینا چاہیے۔''(۱۴۰)

اردو مرثیہ کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں اسد ادیب یوں لکھتے ہیں:

''اردو میں سب سے پہلی اور باقاعدہ صنف سخن جس کا دبستان قائم کیا جا سکتا ہے مرثیہ ہے۔اس کی محفل، سر زمین دکن میں جمتی ہے۔''(۱۴۱)

دکن کے بہت سے شعرا نے مرثیہ کے بڑے بڑے محل تعمیر کیے۔جن سے ان کی محبت اور عقیدت کے واضح رنگ ابھرتے نظر آتے ہیں۔دکن میں مرثیہ لکھنے والوں میں چند ایک نام بہت اہم ہیں۔شاہ نصرتی، ملاوجہی، قلی قطب شاہ، مرزا بیجا پوری، علی عادل شاہ، بیدل، عبداللہ قطب شاہ، غلام علی ذوق، سراج او ردرگاہ قلی خان بہت اہم ہیں۔

حامد حسن قادری ایک جگہ مرثیہ کی ابتدا او رآغاز کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> ''محمد قلی قطب شاہ غالباً سب سے پہلے مرثیہ گو بھی ہیں۔اس کی غزلیات، قصائد و مثنویات میں مرثیے بھی شامل ہیں اس کی تقلید میں شعرائے بیجا پور نے بھی شاہانِ بیجا پور ابراہیم، عادل شاہ ثانی اور محمد عادل کے زمانے میں مرثیے لکھے۔''(۱۴۲)

مرثیہ کی روایت بڑی مضبوطی او رخوش طبعی سے آگے بڑھتی رہی۔کچھ عرصہ گزرنے کے بعد کاظم علی کاظم کا زمانہ آیا جو لگنڈہ کا رہنے والا تھا۔اس کے زمانے میں مرثیہ کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا۔مرثیہ لکھنے والے شعرا کی بڑی حوصلہ افزائی کی گئی۔لوگوں کا رجحان مرثیہ کی طرف ہوگیا او راچھے مرثیے لکھے گئے۔اسی زمانے میں ولی دکنی جو اُردو شاعری کے باوا آدم کہلائے اس نے بھی مرثیے لکھے۔اس کے علاوہ نظر، امامی، قائم، قادر، رضی اور روحی نے بھی مرثیہ کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس طرح سترہویں صدی تک دکن میں بہت سا رثائیہ ادب جمع ہو چکا تھا۔اس کے بعد اٹھارہویں صدی عیسوی میں مرثیہ گوئی اپنے عروج پر پہنچ گئی او رباقاعدہ ایک تحریک کی صورت اپنالی۔اٹھارہویں صدی کے شعراء میں غلام ہمدانی مکیں، گدا سکندر، نظیر اکبر آبادی، حیدر بخش حیدری، قائم چاند پوری، میر ضاحک، راسخ عظیم آبادی کے نام بہت اہم ہیں۔اس حوالے سے غلام یاسین اپنے مقالے میں یوں لکھتے ہیں:

> ''اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں اردو زبان نکھر کر نہایت صاف اور واضح ہو چکی تھی جب میر، سودا، مصحفی، اور درد جیسے اساتذہ نے مرثیے کہے۔جس شاعر نے مرثیہ گوئی کو بحیثیت فن بڑی ترقی دی وہ مرزا محمد رفیع سودا ہیں۔''(۱۴۳)

یوں لکھنو کے ماحول، حالات اور مراسم عزاداری کی شاہانہ سرپرستی کی وجہ سے مرثیہ کی صنف مزید ترقی کرتی چلی گئی۔آہستہ آہستہ مرثیہ ایک صنف سخن بن گیا جس پر تقریباً ہر شاعر نے اپنا قلم اٹھایا اور اپنے من کی پیاس بجھائی او ر حضرت امام حسینؑ اور اہل بیت کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا۔اس زمانے کے مشہور شعرا میں ضمیر، خلیق او رر فیع کے نام بہت اہم ہیں۔

انیسویں صدی کے آغاز میں ان کے شاگردوں کا زمانہ آیا۔جس میں مرزا انیس او ردبیر نے مرثیہ کو وہ شان و شوکت بخشی جو آج تک کم نہ ہو سکی۔انھوں نے مرثیہ میں وہ سو ز و گداز او رفطرت نگاری پیدا کی کہ مرثیہ آج تک اپنے پورے لب و لہجے کے ساتھ زندہ ہے۔یوں اگر ہم دیکھیں تو قلی قطب شاہ سے لے کر ''ساقی نامہ'' تک مرثیہ نگاروں کی ایک پوری جماعت ملتی ہے۔جنھوں نے اس صنف سخن کی روایت کو آگے بڑھایا اور اس صنف سخن کو پذیرائی بخشی۔

اس کے بعد تاریخ بدلی وقت او رزمانہ چلتا رہا۔ایک نئے درد کا آغاز ہوا۔جنگ عظیم اول او ردوم نے زمانے کے حالات بدل کر رکھ دیئے۔نئے مسائل سامنے آئے لوگوں کی فکر اور سوچ کے دھارے بدلے مگر مرثیہ کی روایت نہ بدلی اوراُردو ادب میں مرثیہ اسی طرح لکھا جاتا رہا۔اس زمانے میں نئے شعرا کے ہاں بھی مرثیہ کی روایت ہمیں بھرپور انداز ملتی ہے۔ڈاکٹر اسد ادیب نے اپنی کتاب ''اردو مرثیے کی سرگزشت'' میں مرثیہ کی روایت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔

> ''مرثیہ اردو کی ایک زندہ او رمتحرک صنف سخن ہے۔قدیم دکنی مرثیے سے لے کر اب جدید مرثیے کی منزل تک اس شعری تجربے نے کئی کروٹیں بدلی ہیں۔ہر عہد کے داناؤں نے اپنی تخلیقی قوت کا زو رصرف کر کے اس کے فنی قدوقامت او رادبی خدوخال کو زیادہ سے زیادہ روشن کیا ہے۔''(۱۴۴)

اس کے بعد اردو مرثیے کا تقریباً چھٹا دور شروع ہوا۔جس میں مرثیہ حصول ثواب کی خاطر واقعہ کربلا تک محدود نہ رہا بلکہ اس میں قومی، ملی او رشخصی مرثیے بھی لکھے جا نے لگے۔یوں کسی نے حالات وواقعات سے مجبور ہو کر مرثیہ لکھا تو کسی نے قومی تباہی پر آنسو بہائے۔اسی طرح مرثیہ مسدس کی ہیئت سے نکل کر قطعہ، غزل، ترکیب بند او رنظم کی صورت میں لکھا جانے لگا۔

اس دور میں نظم طباطبائی، منشی نوبت رائے، نظیر، چکبست، سرور جہاں آبادی، جوش ملیح آبادی، اقبال، حفیظ جالندھری، نجم آفندی، باقر امانت خانی، او رعتیق کے نام اہم ہیں۔

اختر ہوشیارپوری کی مرثیہ نگاری

اسی کارواں کے ایک اور اہم رکن ا ختر ہو شیار پوری جنھوں نے مرثیے کے حوالے سے ایک کتاب ''لہو رنگ شام'' لکھ کر اس کی روایت کو آگے بڑھایا او رمرثیے کو جدت بخشی۔اختر ہوشیارپوری نے باقی تمام اصناف کی طرح مرثیہ گوئی میں بھی کمال مہارت دکھائی ہے۔ اختر ہوشیارپوری کی تمام شاعری اصلاح پر مبنی ہے۔بالکل اس طرح مرثیہ شاعری میں بھی اصلاح کے کئی پہلو نکلتے ہیں۔خصوصاً حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا ذکر نوجوان نسل کے لیے راہ ہدایت کی طرف روشنی کی کرن ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا ذکر اپنے اشعار میں کر کے اختر ہوشیارپوری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے حضرت امام حسینؓ او راہل بیت کو شہید کر کے اسلام کا قلع قمع کر دیا بلکہ اسلام زندہ ہے۔اسلام کو اجالے سے تشبیہ دے کراختر ہوشیارپوری ایک شعرمیں یوں لکھتے ہیں:

کبھی چراغ کی لو قتل ہو نہیں سکتی
کبھی کسی نے اجالے کو مرتے دیکھا ہے(۱۴۵)

اختر ہوشیار پوری کی اہل بیت سے محبت اور عقیدت کو دیکھ کر ڈاکٹر رشید نثار ایک جگہ اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''اختر ہوشیارپوری اہل بیت کے ساتھ خدا ساز نسبت رکھتا ہے۔اس کی مؤدت سے اہل ادب بخوبی واقف ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اہل بیت کی مؤ دّت میں جو کچھ کہا وہ تسکین ذوق سے بڑھ کر ہے۔اس نے اپنی ذات کو غمِ حسین میں ضم کر کے شاہکار ادب تخلیق کیا ہے۔''(۱۴۶)

اختر ہو شیار پوری نے اپنی کتاب ''لہو رنگ شام'' کا آغاز ہی ''خاکِ کربلا'' سے کیا ہے۔ خاکِ کربلا او ر میدانِ کربلا ایسا موضوع ہے جس پر بہت سے شعرا نے طبع آزمائی کی ہے اور اس

کرب ناک او رالم ناک واقعہ کو مختلف انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے بھی میدان کر بلا کی سرزمین، اس کو جانے والے راستے، اس کی صبحوں، اس کی شاموں اور اس پر ہونے والے واقعہ کو بڑے پرکشش انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اختر ہو شیار پوری کا انداز ملاحظہ ہو:

اللہ اللہ سرزمینِ شہرِ جانِ آرزو
تیرا ذرہ ذرہ ہے روح و رواں آرزو

راستوں سے تیرے حسنِ کہکشاں شرمندہ ہے
اس جگہ جو مٹ گیا وہ زندہ و پائندہ ہے

تیرے ویرانوں پہ قربان جنتوں کے رنگ و نور
مضطرب پاتا ہوں ہر شے میں یہاں انوارِ طور

صبح یاں مامور جلوہ فشانی کے لیے
رات کی تاریکیاں ہیں پاسبانی کے لیے

آسمان شام و سحر سجدے لٹاتا ہے یہاں
اور استبداد اپنا منہ چھپاتا ہے یہاں (۱۴۷)

واقعہ کربلاتاریخ میں پیش آنے والا ایسا واقعہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں اس میں حق و باطل کامعرکہ ہوا ایک طرف حق تھا تو دوسری طرف باطل مگر حضرت امام حسینؓ نے ہمت نہ ہاری اور اپنی آل کے ساتھ میدان جنگ میں اترے اور باطل اور یزیدی قوتوں کے سامنے ڈٹ گئے۔کلمہ حق کی سر بلندی او ردین کی اشاعت کے لیے تاریخ اسلام میں ہونے والا بہت اہم واقعہ ہے۔جس میں حق کی آواز بلند ہو جاتی ہے او رباطل کی سرنگوں۔اس منظر کو اختر ہو شیار پوری نے ایسے الفاظ میں یوں قلم بند کیا ہے:

عرصہ گہہ حق و باطل میں سچائی کی بازی جیت گیا
منہ دیکھتے رہ گئے مکرو ریا اسلام کا غازی جیت گیا

تیرے ہی لہو کے چھینٹوں سے گلزارِ وفا شاداب ہوا
ظلمات کا جادو ٹوٹ گیا اور نخلِ ضیا سیراب ہوا

شمشیر و سناں کی چھاؤں میں تُو نے حق کا نغمہ گایا تھا
تسلیم و رضا کی وادی میں کیا خنداں خنداں آیا تھا(۱۴۸)

خیر و شر کی اس کشمکش کو جن پُر تاثیر الفاظ میں اختر ہو شیار پوری نے بیان کیا ہے اس کی مثال اردو مرثیہ میں بہت کم ملتی ہے۔اس حوالے سے رشید نثار یوں لکھتے ہیں:

''امامِ مظلوم کی ذات والا صفات ملت کے ہر فرد کی طرح اخترہوشیارپوری کے دل و دماغ میں جاگزیں ہے۔اس نے عملی ثبوت کے لیے وحدتِ خیال او ردعوتِ کربلا میں اپنے بے کراں اعتماد کوملحوظ رکھا ہے۔چنانچہ اس کے خوش آئند اسلوب کا نتیجہ اس کی تازہ کتاب ہے جس میں غمِ حسین علیہ السلام، سیرت اہل بیت اور واقعہ کربلا جدید تصورات کے گونا گوں پہلو رکھتے ہیں۔''(۱۴۹)

اختر ہوشیارپوری ایک سچے اور کھرے مسلمان تھے۔وہ نہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق و محبت رکھتے تھے بلکہ آل رسول سے بھی گہری عقیدت اور وابستگی رکھتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ انہوں نے غزل و نظم کے بعد نہ صرف نعت رسول ﷺ پر اکتفا کیا بلکہ منقبت و سلام لکھ کر آل رسول ﷺ اور واقعہ کربلا سے بھی اپنا رشتہ مضبوط کر لیا۔

نبی کریم ﷺ کے گھرانے سے الفت و محبت کا اظہار اختر ہوشیارپوری نے اپنی کتاب ''لہو رنگ شام'' میں اس طرح کیا ہے:

''اس مجموعے میں شامل کلام میری عقیدت اور گہری مؤدت پر مبنی ہے۔ میرے لیے واقعہ کربلا او رعلیؓ کا گھرانہ ہمہ وجوہ ایثار او رکلمۃ الحق کو بیان

کرنے کے لیے فضیلت رکھتا ہے۔چنانچہ ابتداء ہی سے میں سلام، منقبت او رنعت کی طرف راغب ہوں۔میرے لیے یہ امر باعث تسکین ہے کہ میں نے اہل بیت کے ساتھ ایک رشتہ استوار رکھا ہے او راسی رشتے کی بدولت آج میرا مجموعہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"(۱۵۰)

میدان کربلا کے ایک ایک منظر کو اختر ہو شیار پوری نے بڑے سلیقے او رہنر مندی سے بیان کیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے مرثیوں میں ایک خاص ترتیب او رتسلسل پایا جاتا ہے۔وہ کوئی بھی واقعہ یا بات جب قاری کو بتانا چاہتے ہیں تو اس کو اس انداز سے شروع کرتے ہیں کہ اس کے پہلے مصرعے یا شعر سے ہی قاری کی دلچسپی شروع ہو جاتی ہے او رآخر تک برقرار رہتی ہے۔وہ منظر میں ایسی دلکشی پیدا کرتے ہیں کہ قاری منظر کے اندر چلا جاتا ہے او رہونے والے واقعہ کے سوز و گداز کو محسوس کرنے لگتا ہے۔کربلا میں سبطِؓ نبیﷺ کی آمد کو وہ ان اشعار میں بیان کرتے ہیں:

کون آیا ہے یہ طوفان سے ٹکر لینے
کہیں تو ہی تو نہیں روحِ علی جاں ِ بتولؓ
گرد آلود قبا چاند سے ماتھے پر غبار
جلتے تپتے ہوئے ویرانے میں توحید کا پھول
چلے آتے ہیں ملائک بھی سلامی دینے
کس عجب شان سے شہزادۂ دیں آتا ہے
ہر قدم راہ کی سختی ہی میں کھو کھو جانا
پپڑیاں ہونٹوں پہ آنکھوں میں نمی جسم نڈھال
تجھ سے سیکھے کوئی راضی بہ رضا ہو جانا
تجھ سے پوچھے جو مزا عشق میں دل پاتا ہے (۱۵۱)

اختر ہو شیار پوری کی اصنافِ سخن کے حوالے سے عبیدہ رضوی اپنے مقالے میں یوں لکھتی ہیں:

"اختر ہو شیار پوری اردو ادب کے ایک مستند شاعر ہیں۔ان کا شمار ان بزرگ شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے تقریباً نصف صدی سے بیشتر اردو کی

خدمت کی ہے۔ان کی قادر الکلامی کی تقریباً تمام اصنافِ سخن میں محسوس
کی جا سکتی ہے۔ یہ اختر کی انفرادیت ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو محض
چند اصناف سخن تک محدود نہیں کیا بلکہ تقریباًتمام اصنافِ سخن میں طبع
آزمائی کی اور بلاشبہ شاعری کے اس طویل سفر میں انھوں نے کہیں تھکاوٹ
محسوس نہیں کی۔غزل نظم، ہائیکو اور بعدازاں سلام میں اختر کے فکر و فن
کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔"(۱۵۲)

اختر ہو شیار پوری اپنے معاشرے میں پیدا ہونے والی خرابیوں او رنوجوانوں کی بے عملی اور بد دیانتی کو دیکھ کر بہت پریشان ہو جاتے ہیں۔وہ اپنے عہد کی سفاکی، بے راہ روی، انتشار، خود غرضی، فرقہ واریت، منافقت، غربت، جہالت او رخون ریزی کو دیکھ کر حضرت امام حسینؓ کی زندگی او رکردار کو لوگوں کے لیے مشعلِ راہ قرار دیتے ہیں اور نوجوانوں سے توقع کرتے ہیں کہ لوگ امام حسینؓ کے نقشِ قدم پر چل کر زمانے میں جہالت، غربت او رجبر و استبداد کو ختم کر دیں اور ان کی جگہ ہر طرف نور کی کرنیں بکھیر دیں۔اختر ہوشیارپوری حضرت امام حسینؓ کے کردار کے حوالے سے اپنے ایک مرثیہ میں یوں لکھتے ہیں:

گفتار بھی حسین ہے کردار بھی حسینؓ
تاریکیوں میں مطلعِ انوار بھی حسینؓ
مظلومیت کے ہر رگ و ریشہ کی موج خوں
ایثار و عزم و صبر کا معیار بھی حسینؓ
خونِ جگر سے گلشنِ حق سینچتا ہوا
دستِ طلب میں صدق کی تلوار بھی حسینؓ(۱۵۳)

اختر ہو شیار پوری نے اپنے مرثیوں میں حضرت امام حسینؓ کا ذکر بار ہا کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے تڑپ تڑپ کر جان جانِ آفرین کے سپر د کر دی مگر حق کے راستے سے رو گردانی نہیں کی۔ظلم کے پہاڑوں کے سامنے ڈٹ گئے مگر ہار نہیں مانی۔ان کی شہادت دنیا کو یہ سبق دے گئی ہے کہ حق کی خاطر مرنا اور دین اسلام کو زندہ کر نا ہی اصل زندگی ہے۔تیراور

تلوار کے وار آپ کے سر کو نہ جھکا سکے بلکہ آپ نے ساری قوم کا سر بلند کر دیا۔اس منظر کو اختر ہوشیارپوری اپنے ایک مرثیہ میں یوں قلم بند کرتے ہیں:

تڑپ تڑپ کے وہ نقشہ جما دیا تُو نے
کہ چشمِ شوق کو اک دل بنا دیا تُو نے
حسینؑ! ظلم کے ایوان کو ڈھا دیا تُو نے
جہاں کا خفتہ مقدر جگا دیا تُو نے
دبی نہ تیغ و سناں سے بھی فطرتِ آزاد
جہاں میں رتبۂ انسان بڑھا دیا تُو نے(۱۵۴)

اخترہوشیارپوری نے اپنے مرثیوں میں بلا درجے کی منظرنگاری کی ہے۔ منظرنگاری پر اخترہوشیارپوری جو دسترس رکھتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔منظر نگاری کسی بھی کلام کو نکھارنے اورسنوارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔اخترہوشیارپوری نے میدانِ کربلا کی گرمی اور حدّت کو بڑے زبردست انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے وہ یوں نقشہ کھینچتے ہیں انداز دیکھیں:

وہ دھوپ کی ہیں شدتیں ہوا بھی شعلہ بار ہے
زمین اگل رہی ہے آگ زندگی نزار ہے
مگر ریاضِ حق کا پھول پھر بھی مشکبار ہے
جبیں بھی گرد گرد ہے قبا بھی تار تار ہے
یہ عزتِ حنین ہے حسینؑ ہے (۱۵۵)

ایک او رجگہ اختر ہو شیار پوری یوں منظر نگاری کرتے ہیں اور جسمانی صورتِ حال کو بڑے قرینے سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپؑ کا جسم تھکن سے نڈھال ہو چکا ہے، زبان خشک ہو چکی ہے مگر پھر بھی زبان پر لاالہ کے نغمے گونج رہے ہیں۔انداز دیکھیں:

لبوں پہ پپڑیاں بھی ہیں زبان پہ لاالٰہ بھی
تھکن سے جان نڈھال ہے نہیں ہے لیکن آہ بھی
وہ آفتیں ہیں لڑکھڑائی جاتی ہے نگاہ بھی
مگر یہ شمع ضو فگن ہے مثلِ شمعِ راہ بھی
علیؑ کے دل کا چین ہے حسینؑ ہے (۱۵٦)

اختر ہو شیار پوری نے کربلا میں شہید ہونے والے شہداء کو نہایت حسین او رخوبصورت انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔اختر ہوشیارپوری کے مرثیوں میں بلا کی چاشنی، سلاست، روانی او رشائستگی پائی جاتی ہے۔ یہ لوازم اخترہوشیارپوری کے مرثیوں میں بہت نمایاں ہیں۔ان کو زبان پر قدرت حاصل ہے کہ الفاظ اور محاوروں کو نہایت ہنر مندی سے اپنے مرثیوں کی زینت بناتے ہیں۔ ایک مرثیے میں انھوں نے لفظ ''کربلا'' کو بطور ردیف یوں استعمال کیا ہے:

سچ کر دکھایا تم نے شہیدانِ کربلا
افسانۂ ذبیحؑ بہ عنوانِ کربلا
تائیدِ امرِ حق تھی لہو کی ہر ایک بوند
اٹھے گا دو جہاں سے نہ احسانِ کربلا
خونِ رگِ رسولﷺ سے سینچا گیا ہے یہ
دائم رہے گا سبز گلستانِ کربلا
بھولی نہیں عشق کو اب تک وہ واردات
وہ لو کے گرم جھونکے وہ میدانِ کربلا (۱۵۷)

اختر ہو شیار پوری نے اپنی باقی شاعری کی طرح مرثیہ کی صنف کو بھی رنگا رنگ تراکیب سے سجایا ہے۔انھوں نے تراکیب کی ایسی شمعیں جلائی ہیں جس کی روشنی میں ہمیں مرثیہ کے تمام رنگ خوش نما اور دلکش نظر آتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے مرثیوں میں دیارِ جاں، لوحِ جبیں، خونِ جگر، سبطِ رسول، شہیدانِ کربلا، غریبانِ کربلا، جانِ آرزو، انوارِ طور، سوزِ یقین، جنسِ وفا اورشدتِ غم جیبی ایسی خوبصورت تراکیب کو استعمال کر کے اپنے مرثیوں کی شان کو بڑھایا ہے۔ نمونہ کے طور پر اشعار ملاحظہ ہوں:

سب کو اختر سنائی دیتا ہے
جنبشِ لب میں شدّتِ غم ہے (۱۵۸)

ہنگامِ آگہی ہو تو سوزِ یقینِ جاں
یلغارِ گمرہی ہو تو دیوار بھی حسینؑ(۱۵۹)

اختر ہو شیار پوری نے اپنے ایک مرثیے میں آزادی کو کربلا کے واقعہ سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ گو کہ زنجیروں کی آوازیں آرہی ہیں مگر ان آوازوں سے آوازِ اذان بھی گونجے گی وہ شبیرؓ کی بات اس مرثیے میں کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اس آزادی کا ذمہ دار حضرت امام حسینؓ کو ٹھہراتے ہیں۔وہ اس مرثیہ میں حضرت امام حسینؓ کو شبیرؓ کے لقب سے نوازتے ہیں۔یہی حقیقت بھی ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد حق حق ہو گیا اور باطل باطل ہی رہ گیا۔ اختر ہوشیار پوری نے بہت چھوٹے چھوٹے مرثیے لکھے اور زیادہ تر مرثیے انھوں نے غزل کی ہئیت میں لکھے لیکن وہ مرثیے کے رموز و اوقاف سے مکمل آشنا تھے۔ان کے اشعار دیکھیں جو کہ قطعہ پر مبنی ہیں:

شمشیر کے دم سے قائم ہے عالم میں نظام آزادی کا
جو بوند لہو کی گرتی ہے دیتی ہے پیام آزادی کا
زنجیروں کی جب تک شورش ہے آوازِ اذاں بھی گونجے گی
شبیرؓ کی جب تک رسم ہے باقی زندہ ہے نام آزادی کا(۱۶۰)

اختر ہو شیار پوری نے حضرت امام حسینؓ او رحضرت علیؓ کے ساتھ انتہائی گہری او رشدید محبت کا اظہار کیا ہے اور وہ آپؓ کی شہادت میں غم کا اظہار کرتے ہیں۔وہ انؓ سے گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔۔اختر ہو شیار پوری کے مرثیوں میں ایک بات بہت اہم ہے کہ ان کے زیادہ تر اشعار میدانِ کربلا امام حسینؓ اور امام حسنؓ کے ارد گرد گھومتے ہیں۔وہ اپنے ایک مرثیے میں حسین ابن علیؓ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔انداز دیکھیے:

بے سرو ساماں ہیں لیکن ہیں پرستاروں میں ہم
اے حسینؓ ابن علیؓ تیرے ہیں غم خواروں میں ہم
تُوؐ اگر جاں دے کے بھی مل جائے تو پالیں تجھے
دیکھ ہم کو بھی کہ ہیں تیرے خریداروں میں ہم(۱۶۱)

اختر ہو شیار پوری کے مرثیوں میں الفاظ کی بُنت اور اثر انگیزی کو دیکھ کر ڈاکٹر سبط حسن ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''ان کے اشعار الفاظ پر عبور کامل رکھنے کی وجہ سے بلا کی اثر آفرینی رکھتے ہیں۔ان کی نعتوں، منقبتوں، سلاموں او رنوحوں کا مقصد صرف کسی بات کا بیان کرنا یا اپنے فنِ شعر گوئی کو عیاں کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس میں مقصدیت کی جو روح تڑپ رہی ہوتی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔''(۱۶۲)

اردو ادب میں بہت کم نا م ایسے ہیں جو مرقع نگاری میں آپ اپنی مثال ہیں مگر اختر ہو شیار پوری نے اپنے مرثیوں میں مرقع نگاری کے جو محل بنائے ہیں اس کی ایک ایک چیز سے حضرت امام حسینؓ کی بہادری او رشجاعت کے مینار بلند ہوتے نظر آتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے مرثیوں میں مرقع نگاری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔حضرت امام حسینؓ نے گردن کٹوا دی مگر جھکائی نہیں۔ یہ مصرعہ ایک جیتی جاگتی تصویر پیش کرتا ہے۔گویا اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری میں کمال آرٹسٹ کا درجہ رکھتے ہیں۔ایک مرثیہ میں اختر کی مرقع نگاری دیکھیں:

یوں سرخیٔ جاں دیدۂ مشتاق میں آئی
اے خونِ حسینؓ ابن علیؓ تیری دہائی

وہ عزم کا کہسار وہ تسلیم کا پیکر
کٹنے کو تو کٹتا گیا گردن نہ جھکائی

کردار میں سچائی تھی ہونٹوں پہ دعائیں
تر کے میں محمدﷺ کے یہ میراث ہی پائی(۱۶۳)

اختر ہو شیار پوری کی منظر نگاری او رمرقع نگاری کے ساتھ ساتھ جو ان کا شعری اسلوب بالخصوص مرثیہ کی صنف میں ہے وہ کمال درجے کا ہے۔وہ اپنے مرثیوں میں جن خیالات کی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں اسی قسم کے الفاظ ڈھونڈ لیتے ہیں۔انتخابِ الفاظ میں جو ملکہ اخترہوشیارپوری کو حاصل ہے وہ دوسرے شعرا کی نسبت زیادہ پختہ او رمضبوط ہے۔اختر ہوشیارپوری کے اشعار میں ہمیں کسی جگہ بناوٹی پن نظر نہیں آتا بلکہ فطرت او رحقیقت کے قریب ترین اشعار ان کے ہاں ملتے ہیں۔وہ جس طرح کا منظر او رخیال پیش کرنا چاہتے ہین الفاظ کا استعمال بھی اسی لحاظ اور ترتیب سے کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے الفاظ ثقیل نہیں ہوتے بلکہ سادہ اور آسان الفاظ میں اپنے خیال

کی ترجمانی کرتے ہیں۔یہی انداز اخترہوشیارپوری کو دوسرے شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔مرثیہ کے اشعار دیکھیں:

لہو سے رنگ ملے پھول سی قبا کے لیے
مگر یہ سارے لوازم ہیں کربلا کے لیے
سُلگتی شام جلے خیمے ڈُوبتا سورج
یہ اہتمام ہے ایک مردِ با صفا کے لیے
سروں کی فصل کٹی ہے تو نقش ابھرے ہیں
وہ نقش جو کہ تھے مخصوص انبیاء کے لیے
یہی ہے غایتِ ایمان یہی ہے اصلِ حیات
کہ اس نے گھر کو لٹایا تری رضا کے لیے
محمد ﷺ آل محمدﷺ کے پاک نام اختر
یہی دو لفظ بہت ہیں مجھے دعا کے لیے (۱۶۴)

سادگی، اصلیت او رجوش اچھے شاعر کی بنیادی خصوصیات ہیں او ران کو کمال مہارت سے برت لینا اچھا شاعرہونے کی دلیل ہے۔صبر و تحمل، قوت برداشت، شکر، جرأت، ہمت جیسے سارے مضامین گلستان مرثیہ کے خوش نما پھول ہیں۔اخترہوشیارپوری نے ان پھولوں یعنی محمدﷺ او رآلِؓ محمدﷺ کے لیے پھولوں جیسے الفاظ کو بڑے سلیقے اور قرینے سے شعری پیرائے میں ڈھالا ہے۔ اختر ہوشیارپوری حضرت امام حسینؓ کو صبر وضبط کا پہاڑ گردانتے ہیں۔اس طرح کی بہت سی مثالیں ان کے مرثیوں میں ہمیں بہت سی جگہ پر ملتی ہیں۔مثالیں دیکھیں:

وہ صبر و ضبط کا کہسار رنگ و نور کی جھیل
کہاں کہاں نہ ہوا نقش بانکپن اُس کا (۱۶۵)

صبر او راستقامت کے حوالے سے ایک او رشعر ملاحظہ ہو:

ضمیر انسان کا جاگا تیرے پائے استقامت سے
ترے سائے میں آکر ہم نے اپنی قدر پہچانی (۱۶۶)

ایک او رشعر ملاحظہ ہو:

ظلم و جفا کے سامنے تھی صبر کی فصیل
مر قو م اس پہ نعرہ مگر جاھدو کا تھا (۱٦۷)

اختر ہو شیار پوری نے واقعہ کربلا کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس سے موت سے ڈر نہیں بلکہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔ایک مسلمان ایسی ہی موت کی خواہش کرتا ہے اور اسے مسلمان ہونا، فخر کا جذبہ دلاتا ہے۔اس حوالے سے رشید نثار ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''واقعہ کربلا اُردو ادب کا ماوراتی او رمابعد الطبیعاتی اثاثہ ہے۔لوگ عام زندگی سے تنگ آکر موت کی وادی کی طرف سفر کرنے لگتے ہیں مگرکربلا نے موت کو زندگی سے زیادہ حسین بنا دیا ہے یہاں پہنچ کر انسان موت سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔لہٰذا زندگی کی انوکھی دانائی کربلا کے حوالے سے ہم تک پہنچتی ہے۔''(۱٦۸)

گویا اختر ہوشیارپوری نے اسی دانائی کا ثبوت دیا اور اپنے ارثی اثاثے کو فراموش نہیں کیا بلکہ یقین کی عجب پختگی کے ساتھ لہو کے رنگ کو انسانی دوستی، فلسفہ و خیال اور انقلابی رنگ میں تبدیل کر دیا۔یوں اختر ہوشیارپوری مرثیہ کے میدان میں ایک انقلاب برپا کر گئے۔

اختر ہو شیار پوری نے اپنے مرثیوں میں تشبیہ، استعارات اور تلمیح کا بھی بر محل استعمال کیا ہے۔صنائع بدائع کا استعمال شعری حسن کو بڑھا دیتا ہے لیکن اگر ان کا استعمال مہارت اور تجربے سے کیا جائے تو، صنائع بدائع دراصل شاعری کی جان تصور کی جاتی ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے اپنے مرثیوں میں جگہ جگہ تلمیحات کا بھی استعمال کیا ہے۔ان کی چند ایک مثالیں دیکھیں:

تری نظر نے کھلائے ہیں رنگ رنگ کے پھول
نکھر گیا ہے ترے خوں سے گلستانِ رسولﷺ(۱٦۹)

خونِ شبیرؑ اک حقیقت ہے
اور جو کچھ ہے سب حکایت ہے(۱۷۰)

شبیر کا سر ہے کہ ہے نیزے پہ صحیفہ
قرآں کی ہے تمثیل کہ حیدرؑ کا پسر ہے(۱۷۱)

حضرت امام حسینؓ اور ان کے عزیز و اقارب نے حق کی خاطر اپنی جان دی۔اسلام اور خدا کا نام بلند کیا۔تاریخ اسلام کی یہ قربانی سب سے بڑی قربانی ہے۔اختر ہو شیارپوری اپنے ایک مرثیے میں کائنات میں ظلمت کے بادلوں کو دیکھ کر اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ پھر سے زمانے میں حضرت امام حسینؓ کی ضرورت ہے۔ایک جگہ وہ اپنی خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

پھر زمانے کو ہے تلاشِ حسینؓ
پھر زمانے میں ظلمتِ غم ہے (۱۷۲)

اختر ہوشیار پوری اپنے مرثیوں میں میدانِ کربلا کے ساتھ تیر، تلوار، خنجر، نیزے، برچھے او ر نوک کا ذکر بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر وہ ان سب الفاظ کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ ہمیں میدان کربلا کا منظر یاد آجاتا ہے۔وہ ان الفاظ کو میدانِ جنگ کے ساتھ اس مناسبت سے استعمال کرتے ہیں گویا یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ صرف اختر ہوشیار پوری کے لیے بنائے گئے ہیں۔شعر دیکھیں:

نوکِ نیزہ پہ ہے حسینؓ کا سر
حق کی بنیاد کتنی محکم ہے (۱۷۳)

خنجر جو نہ ہو سجدہ مکمل نہیں ہوتا
اور سجدے کو شبیرؓ سے یہ رتبہ ملا ہے (۱۷۴)

اخترہوشیارپوری کے نہ صرف مرثیے او ر سلام میدانِ کربلا کی مکمل عکاسی کرتے ہیں اور بڑی شدت سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔اخترہوشیارپوری کی شاعری میں نہ صرف جنون کی حد تک وطن کی محبت نظر آتی ہے بلکہ انسان دوستی کے جذبے سے بھی بھرپور ہے۔اسی طرح جب وہ اپنے اظہار کے لیے سلام و مرثیہ کا انتخاب کرتے ہیں تو پوری شدت سے آلؓ رسولﷺ کے ساتھ اپنا رشتہ استوار رکھتے ہیں۔گویا وہ اچھے انسان، محب وطن، سچے عاشق رسولﷺ اور آلؓ رسولﷺ ہیں۔

اختر ہو شیار پوری اپنے زمانے کے ایک معتبر شاعر تھے۔انھوں نے جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی اس کو بامِ عروج تک پہنچانے کی کوشش کی۔غزل ہو یا نظم، نعت ہو یا ہائیکو، مرثیہ ہو یا سلام اختر ہو شیار پوری کا رنگ ہر صنف میں بڑا نمایاں او ر واضح جھلکتا ہے۔

لہو رنگ شام

اختر ہوشیارپوری نے اپنی تصنیف''لہو رنگ شام'' کے ذریعے واقعہ کربلا کو جس انداز میں پیش کیا ہے وہ انہی کی خاصیت ہے۔اگرچہ یہ ایک مختصر تخلیق ہے مگر اختر ہوشیارپوری کی اس واقعہ سے عقیدت اور مؤدت کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔''لہو رنگ شام'' اختر ہوشیارپوری کی آلؑ محمدﷺ سے گہری وابستگی کا ثبوت دیتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے آزادی کے ساتھ مرثیے لکھ کر آلؑ رسولﷺ سے قربت کا اظہار کیا ہے۔

واقعہ کربلا کو اخترہوشیارپوری نے محمدﷺ اور آلِ محمدﷺ کی محبت میں ڈوب کر لکھا اور ''لہو رنگ شام'' کے ایک ایک لفظ سے اخترہوشیارپوری کی حضرت امام حسینؓ سے وابستگی کااظہار واضح دکھائی دیتا ہے۔انھوں نے خاک، خون، تلوار، نیزے، تیغ، خنجر اور نوک سناں کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے۔انھو ں نے اپنے مرثیے کے اندر علم و ادب کی ایسی شمعیں روشن کی ہیں جن سے آنے والی کئی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں گی۔اختر ہوشیارپوری نے حضرت علیؑ، امام حسنؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عونؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت فاطمہؓ کا ذکر بھی بڑے سوز اور درد کے ساتھ کیا ہے۔وہ اپنے مرثیوں میں میدانِ کربلا کی یوں منظر کشی کرتے ہیں کہ انسان کے سامنے تصویریں گھومنے لگتی ہیں اور واقعہ سامنے رونما ہوتا نظر آتا ہے۔اخترہوشیارپوری کا قرآن مجید کا بڑا گہرا مطالعہ کیا اسی وجہ سے وہ اپنے مرثیوں میں شدتِ جذبات کا اظہار بھی بڑی عمدگی سے کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے مرثیوں میں راہِ ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔انہی خوبیوں کی بنا پر اختر ہوشیارپوری شاعری کے میدان میں انفرادیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر،''اردو شاعری کا مزاج''، جدید ناشرین چوک،لاہور،۱۹۶۵ء، ص۳۰۱

۲۔ ایضاً، ص۳۲۷

۳۔ طلعت حسین نقوی، ڈاکٹر،''نظیر اکبرآبادی کی نظم نگاری''،ایجوکیشنل پبلشنگ،دہلی،۲۰۰۷ء، ص۱۱

۴۔ آل احمد سرور،''نظم کی دنیا''،مشمولہ:''اردو شاعری کا فنی ارتقاء''،الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص۱۳۴

۵۔ محمد حیات خان سیال، پروفیسر،''ہمارے نثر نگار و شاعر''، الائیڈ بک سنٹر، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۱۵۶

۶۔ محمد حسن،ڈاکٹر، ''جدید اردو ادب''،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی،۱۹۷۵ء،ص۱۰۳

۷۔ محمد حیات خان سیال،پروفیسر،''ہمارے نثر نگار و شاعر''، ص۱۸۵

۸۔ عبیدہ رضوی،''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''،مقالہ ایم فل اردو،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء،ص۱۴۴

۹۔ وزیر آغا، ڈاکٹر،''اردو شاعری کا مزاج''،ص۳۸۳

۱۰۔ امین راحت چغتائی،''پیش گفتار'' مشمولہ:شب گزراں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص۵

۱۱۔ اختر ہوشیار پوری،''شب گزراں'' سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۱۹۹۷ء،ص۱۱۴

۱۲۔ ایضاً،ص ص۴۰،۳۹

۱۳۔ رشید نثار،ڈاکٹر،''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اور فن)''،فیض السلام پرنٹنگ پریس،راولپنڈی، ۲۰۰۳ء،ص۷۰

۱۴۔ اختر ہو شیار پوری،''شب گزراں''،ص۳۴

۱۵۔ ایضاً، ص۱۱۷

۱۶۔ سلطان رشک، مضمون:''اختر ہوشیارپوری ایک عہد......ایک شاعر''مشمولہ:سالنامہ نیر نگ خیال، جلد۸۱، شمارہ۷،راولپنڈی،۲۰۰۵ء،ص۴۳۹

۱۷۔ اختر ہو شیار پوری،''شب گزراں''، ص ص۱۰۱،۱۰۰

۱۸۔ ایضاً، ص۹۸

۱۹۔ ایضاً، ص ص۹۷،۹۶

۲۰۔ عبیدہ رضوی،''اختر ہو شیار پوری کی ادبی خدمات''،ص۱۴۹

۲۱۔ خاور اعجاز،''اختر ہوشیارپوری کی نظمیں''،مشمولہ:سہ ماہی جدید ادب،جرمنی،مدیر:حیدر قریشی،شمارہ نمبر۱،مئی ۱۹۹۹ء،ص۲۴

۲۲۔ اختر ہو شیار پوری،''شب گزراں''،ص ص۲۰،۱۹

۲۳۔ امین راحت چغتائی، ''پیش گفتار'' مشمولہ: شب گزراں، ص۷

۲۴۔ اختر ہو شیار پوری، ''شب گزراں''، ص۵۶

۲۵۔ اختر ہو شیار پوری، شب گزراں، ص ص۳۵،۳۴

۲۶۔ جمیل آذر،پروفیسر،''اختر ہو شیاری پوری مثبت سوچ کی مثال''،مشمولہ: نیرنگ خیال،ص۱۷۴

۲۷۔ اختر ہو شیار پوری، شب گزراں، ص۳۸

۲۸۔ ایضاً،ص۱۸۸

۲۹۔ ایضاً، ص ص۹۳،۹۲

۳۰۔ رشید نثار،ڈاکٹر،''اختر ہو شیارپوری(شخصیت اور فن)''، ص۸۷

۳۱۔ اختر ہو شیار پوری،''شب گزراں''،ص۹۰

۳۲۔ ایضاً،ص۸۸

۳۳۔ امین راحت چغتائی،پیش گفتار،مشمولہ:''شب گزراں''،ص۵

۳۴۔ اختر ہو شیارپوری، شب گزراں،ص۸۲

۳۵۔ ایضاً، ص۷۵

۳۶۔ سید ضیا جالندھری، ماہنامہ دی وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص۳

۳۷۔ افتخار عارف، ''اختر ہو شیار پوری(شخصیت اور فن)''، بیک فلیپ

۳۸۔ اختر ہو شیار پوری، شب گزراں،ص ص۲۹،۲۸

۳۹۔ جمیل آذر، ماہنامہ وائس آف رائٹرر راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص ۳

۴۰۔ اختر ہو شیار پوری، شب گزراں،ص۵۲

۴۱۔ امین راحت چغتائی ''پیش گفتار''، مشمولہ:شب گزراں، ص ۹

۴۲۔ اختر ہو شیار پوری، ''شب گزراں''،ص ص۲۴،۲۳

۴۳۔ اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۲ء،ص۱۵

۴۴۔ اختر ہوشیارپوری،''شب گزراں''، ص۱۲۵

۴۵۔ ایضاً، ص۱۲۱

۴۶۔ ایضاً،ص۱۱۵

۴۷۔ ایضاً، ص۱۲۲

۴۸۔ ایضاً، ص۱۳۸

۴۹۔ ایضاً،ص۵۵

۵۰۔ ایضاً، ص۱۵۰

۵۱۔ ایضاً، ص۱۲۳

۵۲۔ ایضاً، ص ص۱۴۷،۱۴۶

۵۳۔ جمیل آزر،پروفیسر،اخترہوشیارپوری مثبت سوچ کی مثال،مشمولہ: نیرنگ خیال، ص۷۰۴

۵۴۔ کلیم الدین احمد،''جاپان کی شاعری''مشمولہ:دائرے،کراچی،مدیر:حسنین کاظمی، جلد۴، شمارہ۶، جون ۱۹۸۹ء،ص۹

۵۵۔ انور جمال،پروفیسر، ''ادبی اصطلاحات''نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد،۲۰۱۵ء،ص۱۱۸

۵۶۔ رشید نثار،ڈاکٹر،''منتخب ہائیکو''مشمولہ:ماہنامہ اوراق،لاہور،مدیران:وزیرآغا،سجاد نقوی،جلد۲۰،شمارہ ۷،۸، ۱۹۸۴ء،ص۳۷

۵۷۔ اشفاق ورک، ڈاکٹر،''کلید اردو''،کاروان بک ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۴ء،ص۳۷۴

۵۸۔ قراۃالعین طاہرہ،''ہائیکوایک نئی صنف سخن''،مشمولہ:ماہنامہ اوراق، لاہور، مدیران: وزیرآغا، انورسدید،سجاد نقوی، جلد۱۵،شمارہ ۱،۲، ۱۹۸۹ء،ص۴۸

۵۹۔ خاور اعجاز،''اردو ہائیکو کی شناخت''،مشمولہ:ماہنامہ اوراق،لاہور،مدیران:وزیر آغا،انورسدید،سجاد نقوی، جلد۱۵، شمارہ ۱،۲،۱۹۸۹ء،ص۴۱

۶۰۔ ابو الاعجازحفیظ صدیقی، ''ادبی اصطلاحات کا تعارف''،اسلوب، لاہور،۲۰۱۵ء،ص۵۱۴

۶۱۔ پرویزپروازی، ڈاکٹر،''جدیدہائیکو کے ہئیتی تجربات''،مشمولہ:سہ ماہی ادبیات، اسلام آباد،مدیر: خالد اقبال یاسر، جلد ۱، شمارہ ۴،،اپریل تا جون۱۹۸۸ء،ص۱۳۸

۶۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''ہائیکو کے بارے میں'' مشمولہ:سہ ماہی ادبیات،اسلام آباد، مدیر: خالد اقبال یاسر، جلد۳، شمارہ ۱۰،۱۱،۱۲، اکتوبر تا جون۱۹۹۰ء، ص۱۳

۶۳۔ ضیا ء الحسن،ڈا کٹر،''جدید اردو نظم: آغاز و ارتقا''،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۱۲ء،ص۳۲

۶۴۔ سحر انصاری مضمون:''اردو ہائیکو تیسرا مشاعرہ''،مشمولہ:''پاکستان میں اردو ہائیکو''،مرتب:رفیق سندھیلوی، نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد، ۲۰۰۷ء،ص۲۱

۶۵۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،ادبی ایڈیشن،''ہائیکو کسی بڑے موضوع کے اظہا ر کا ذریعہ نہیں بن سکتی''، اداریہ مشمولہ:''روزنامہ پاکستان''،اسلام آبا د،۲۳اپریل۱۹۹۹ء،ص۴

۶۶۔ ایضاً،ص۴

۶۷۔ فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،''اردو شا عری اورپاکستانی معاشرہ''،الو قار پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۳۱۵

۶۸۔ اختر ہوشیار پوری،''گذارشات''، مشمولہ: برگ گل،سارنگ پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۸ء،ص۵

۶۹۔ ایضاً،ص۶

۷۰۔ وزیر آغا ''پیش لفظ''، برگِ گل،سارنگ پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۸ء،ص۸

۷۱۔ خاوراعجاز،''اخترہوشیارپوری کی ہائیکو''مشمولہ:''روزنامہ نوائے وقت''یکم دسمبر۱۹۹۸ء،ادبی ایڈیشن، ص ۵

۷۲۔ اختر ہوشیارپوری،''میری ہائیکو میں''مشمولہ:سرسوں کے پھول،الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص۶

۷۳۔ اختر ہوشیار پوری،''گزارشات''،مشمولہ: برگ گل،ص۶

۷۴۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۹

۷۵۔ ایضاً،ص۱۰

۷۶۔ ایضاً،ص۱۲

۷۷۔ ایضاً،ص۱۳

۷۸۔ ایضاً،ص۲۷

۷۹۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۱۳

۸۰۔ عبیدہ رضوی،''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''،ص۱۷۳

۸۱۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۱۵

۸۲۔ ایضاً،ص۲۷

۸۳۔ اختر ہوشیارپوری،''سرسوں کے پھول''،ص۸۷

۸۴۔ ایضاً،ص۲۵

۸۵۔ ایضاً،ص۱۰۱

۸۶۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۱۱۰

۸۷۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۲۳

۸۸۔ ایضاً،ص۱۱۵

۸۹۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل'' ص۸۶

۹۰۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۱۰۸

۹۱۔ ایضاً،ص۹۳

۹۲۔ ایضاً،ص۸۱

۹۳۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۶۹

۹۴۔ ایضاً،ص۶۹

۹۵۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۵۷

۹۶۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۸۰

۹۷۔ ایضاً،ص۲۶

۹۸۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۸۰

۹۹۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۲۲

۱۰۰۔ ایضاً،ص۲۹

۱۰۱۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۴۰

۱۰۲۔ ایضاً،ص۳۰

۱۰۳۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۳۸

۱۰۴۔ ایضاً،ص۱۰۵

۱۰۵۔ ایضاً،ص۵۴

۱۰۶۔ ایضاً،ص۵۵

۱۰۷۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۷۵

۱۰۸۔ ایضاً، ص۷۶

۱۰۹۔ انو رسعید،ڈاکٹر،''اُردو ادب کی مختصر تاریخ''،دسواں ایڈیشن،عزیز بک ڈپو،لاہور، ۲۰۱۴ء،ص۵۳۶

۱۱۰۔ مسعود یو سف،رانا،''ڈاکٹر محمد امین شخصیت وفن''،مقالہ: ایم فل اردو،اسلامیہ یونیورسٹی،بہاولپور، ۲۰۰۶ء،ص۱۹۳

۱۱۱۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۷۲

۱۱۲۔ ایضاً،ص۷۵

۱۱۳۔ ایضاً،ص۷۷

۱۱۴۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۲۱

۱۱۵۔ ایضاً،ص۱۳

۱۱۶۔ ایضاً،ص۱۳

۱۱۷۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۳۴

۱۱۸۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۷

۱۱۹۔ ایضاً،ص۸۹

۱۲۰۔ ایضاً، ص۸۹

۱۲۱۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۶۱

۱۲۲۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''،ص۹۶

۱۲۳۔ ایضاً،ص۸۹

۱۲۴۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''،ص۳۶

۱۲۵۔ ایضاً،ص۹۷

۱۲۶۔ اختر ہوشیار پوری ''برگ گل''، ص۹۶

۱۲۷۔ ایضاً، ص۱۰۴

۱۲۸۔ اختر ہوشیار پوری ''سرسوں کے پھول''، ص۸۰

۱۲۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''برگ گل''، ص۵۳

۱۳۰۔ ایضاً، ص۴۰

۱۳۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر ''منتخب ہائیکو'' مرتب نسیم سحر،شاخسار پبلشرز، راولپنڈی، ۱۹۸۸ء،ص۹

۱۳۲۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ''ادبی اصطلاحات کا تعارف''،ص۴۳۵

۱۳۳۔ رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر، ''اصناف ادب''،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۰۸ء،ص۵۰

۱۳۴۔ انور جمال،پروفیسر، ''ادبی اصطلاحات''، ص۱۰۲

۱۳۵۔ عابد علی عابد، ''اصول انتقادِ ادبیات'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۰۶ء،ص۵۵۸

۱۳۶۔ افتخار حسین بخاری،سید، پر وفیسر ''قصیدہ، مرثیہ، رباعی، قطعہ اور دیگر اصناف'' علی کتا ب خانہ، لاہور، ۱۹۶۶ء،ص۱۹۴

۱۳۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر،''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۳۵۷

۱۳۸۔ شبلی نعمانی، مولانا، ''موازنہ انیس ودبیر''، اردو اکیڈمی، کراچی،۱۹۶۴ء،ص۷

۱۳۹۔ غلام یاسین،''سید قائم مہدی لکھنوی کی شعری خدمات''،مقالہ:ایم فل اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور،۲۰۰۷ء، ص۴۱

۱۴۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، ص۳۵۷

۱۴۱۔ اسد ادیب،ڈاکٹر، ''نقدِ انیس''،جدید بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۷ء،ص۶۰

۱۴۲۔ حامد حسن قادری ''مختصر تاریخ مرثیہ گوئی''، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۹ء، ص۱۷

۱۴۳۔ غلام یاسین''سید قائم مہدی لکھنوی کی شعری خدمات''،ص۴۳

۱۴۴۔ اسدادیب، ڈاکٹر ''اردو مرثیے کی سرگزشت:آغاز سے زمانہ حال تک''، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۸۹ء،ص۱۱

۱۴۵۔ اختر ہوشیار پوری،''لہو رنگ شام''، فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی،۱۹۹۷ء،ص۶۴

۱۴۶۔ رشید نثار،ڈاکٹر،''اختر ہو شیارپوری کی مؤدت''،مشمولہ: لہو رنگ شام''، ص۸

۱۴۷۔ اختر ہو شیارپوری،''لہو رنگ شام''، ص۱۳

۱۴۸۔ ایضاً، ص۱۵

۱۴۹۔ رشید نثار،ڈاکٹر، ''اختر ہو شیارپوری کی مودت''،مشمولہ: لہو رنگ شام''،ص۸

۱۵۰۔ اختر ہو شیارپوری ''لہو رنگ شام''، ص۷

۱۵۱۔ ایضاً، ص۱۶

۱۵۲۔ عبیدہ رضوی ''اختر ہوشیار پوری کی ادبی خدمات''،ص۲۱۸

۱۵۳۔ اختر ہو شیار پوری،''لہو رنگ شام''،ص۳۶

۱۵۴۔ ایضاً، ص۱۹

۱۵۵۔ ایضاً، ص۲۳

۱۵۶۔ ایضاً، ص ص۲۴،۲۳

۱۵۷۔ ایضاً، ص۲۷

۱۵۸۔ ایضاً، ص۷۹

۱۵۹۔ ایضاً، ص۳۶

۱۶۰۔ ایضاً، ص۱۸

۱۶۱۔ اختر ہو شیار پوری،''لہو رنگ شام''، ص۲۱

۱۶۲۔ سبط حسن، ڈاکٹر،''کتاب نما'' مشمولہ: لہو رنگ شام، ص۱۰

۱۶۳۔ اختر ہو شیار پوری،''لہو رنگ شام''،ص۵۹

۱۶۴۔ ایضاً، ص۶۳

۱۶۵۔ ایضاً، ص۶۷

۱۶۶۔ ایضاً، ص۴۰

۱۶۷۔ ایضاً، ص۶۱

۱۶۸۔ رشید نثار، ڈاکٹر، ''اختر ہوشیارپوری''،''لہو رنگ شام''بیک فلیپ

۱۶۹۔ اختر ہوشیارپوری، ''لہو رنگ شام''، ص۲۹

۱۷۰۔ ایضاً، ص۷۳

۱۷۱۔ ایضاً، ص۷۱

۱۷۲۔ اختر ہو شیار پوری، ''لہو رنگ شام''،ص۷۸

۱۷۳۔ ایضاً، ص۷۸

۱۷۴۔ اختر ہوشیارپوری، ''لہو رنگ شام''، ص ۴۸

باب پنجم

اجمالی جائزہ

باب پنجم

اجمالی جائزہ

اختر ہو شیار پوری ۸۱۹۱ء میں پیداہوئے، آپ کا تعلق ہوشیا پور سے تھا۔وہ سر زمین آموں کی پیداوار کے لیے بہت مشہور تھی۔اختر ہوشیارپوری پیشہ کے لحاظ سے ایک وکیل تھے مگر ان کے ذوق کی آب یاری مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کر کے ہوئی۔اختر ہوشیارپوری کا شاعرانہ سفر کافی طویل ہے، اختر ہوشیارپوری نے اپنی شاعری کا آغاز ایک نظم گو کی حیثیت سے کیا جو کم و بیش ساٹھ سال کے عرصے پہ محیط ہے۔لیکن وہ بہت جلد نظم کی بجائے غزل کی طرف متوجہ ہوگئے اور غزل کے ساتھ ساتھ انھوں نے اُردو کی مختلف اصنافِ سخن ہائیکو، نعت اور سلام میں بھی اپنے جوہر دکھائے۔اختر ہوشیار پوری لامحدود نظریہ فن رکھتے تھے۔آپ کے نظریہ فن کی یہ خوبی ان کی تمام شاعری بالخصوص غزلوں میں آرام سے محسوس کی جا سکتی ہے۔

غزل گوئی

اختر ہوشیارپوری کے کل گیارہ غزلیہ مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ پہلا مجموعہ کلام''علامت'' ہے۔اس کے بعد ''آئینہ اور چراغ''، ''سمت نما''، ''شہرِ حرف''، ''جہت''،''حرفِ ہنر''، ''تنگنائے غزل''،''گئی رات کے خواب''، ''آئینوں کے ساتھ''، ''پیش آہنگ''اور ''مسا فتیں'' مختلف اوقات میں منظر عام پر آئے۔اختر ہوشیار پوری غزل میں علامت کے پرستار ہیں اور اس بات کابرملا اظہار ان کا مجموعہ ''علامت'' میں ملتا ہے۔اخترہوشیارپوری بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں۔ان کی غزلیں آپ کی شخصیت کا عکس پیش کرتی ہیں۔۸۷۹۱ ء میں اختر ہوشیارپوری کا پہلا مجموعہ ''علامت'' زیور طباعت آراستہ ہوا۔اس میں اختر ہوشیارپوری نے علامتی رویہ اپنا کر مصرعہ سازی کی نئی قسم قائم کی۔''علامت'' کو پڑھ کر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اختر ہوشیارپوری کی علامتوں میں کہیں بھی ابہام کی کیفیت نہیں ہے۔اختر ہوشیار پوری نے بہت سی علامات کو استعمال کیا ہے مثلاً پتھر، حویلی، آندھی، طوفان، دھوپ، پیڑ اور گھر وغیرہ۔پتھر کی علامت معاشرے کی مردہ پن اور بے حسی کی پہچان ہے۔''آئینہ'' معاشرے کی واضح اورصاف شکل و صورت دکھا تا ہے۔جب کہ معاشرے میں فعالیت پیدا کرنے کی علامت کو ''آندھی'' ظاہر کرتی ہے۔

اختر ہوشیار پوری کا دوسرا مجموعہ کلام ''آئینہ اور چراغ'' ہے۔اس مجموعے میں پاکستانی سیاسی ابتری و انتشاری کا عکس نہایت ہی واضح انداز میں دیکھا جاسکتا ہے۔

''علامت'' کی طرح اختر ہو شیار پوری نے ''سمت نما'' میں بھی علامت کو پیش کیا ہے۔یہ علامتیں اختر ہوشیارپوری کے ادبی طریقۂ کار کو ایک نیا فن او رمسرت بخشتی ہیں۔اس مجموعے میں اختر ہوشیارپوری نے زندگی کی مختلف عکاسیوں کو بڑے احسن انداز سے حقیقی رنگ دے کر بیان کیا ہے۔حرف ہنر، جہت او رتنگنائے غزل تھوڑے تھوڑے وقفے سے یکے بعد دیگرے زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئے۔اخترہوشیارپوری نے اپنے ان مجموعوں میں اپنے اسلوب کو نہایت ہی احسن اورنمایاں انداز میں مرتب کیا ہے۔

''شہر حرف'' غزلوں پر مشتمل چوتھامجموعہ کلام ہے اور یہ مجموعہ اختر کے پہلے دور سے متعلق ہے۔یہ مجموعہ ماضی و حال پر محیط ہے۔زندگی کے نشیب و فراز اور اُتار چڑھاؤ کو بڑے احسن طریقے سے اس مجموعے میں دیکھا جا سکتا ہے

اختر ہو شیار پوری نصف صدی تک شعر و شاعری کے ساتھ بہت لگن او رجوش سے منسلک رہے۔''جہت'' اخترہوشیارپوری کا پانچواں غزلیہ مجموعہ ہے۔اخترہوشیارپوری نے اپنے مشاہدات و تجربات کو آنے والی نسلوں تک پہچانے کے لیے شعر و شاعری کا راستہ اپنایا۔''جہت'' میں ذات کا کرب بھی ہے او رکائنات کا بھی۔اخترہوشیارپوری نے بہت لگن سے ذات و کائنات کے مسائل کو شاعرانہ رنگ و روپ عطا کیا ہے۔کائناتی کرب کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

بے دھڑک دل کی بات اس سے کہو
آخر انسان ہے خدا تو نہیں(۱)

ہم نے تو کڑے دورمیں بھی منزلیں سرکیں
اب گھر سے مگر لوگ نکلتے ہی نہیں ہیں(۲)

اختر ہوشیارپوری نے ''جہت'' میں اپنے ساتھ زندگی کے مختلف ادوار میں ہونے والے حالات و واقعات کو اس طرح قلم بند کیا کہ ''جہت''اختر ہوشیارپوری کی ''آپ بیتی'' نظر آتی ہے۔

جولائی ۱۹۹۷ء کو زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے والا اختر ہو شیار پوری کا چھٹا غزلیہ مجموعہ ''حرفِ ہنر'' ہے۔''حرف ہنر'' میں اختر ہوشیارپوری نے زندگی کو جس طرح سے محسوس کیا اور

دیکھا، وہی اُن کا موضوعِ شاع ری ٹھہرا۔اس مجموعے میں اخترہوشیارپوری نے اپنے داخلی جذبات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ گردوپیش کے حالات و واقعات کو بھی بہت اعلیٰ انداز میں پیش کیا ہے ''حرفِ ہنر'' میں سب سے اہم موضوع اخترہوشیارپوری کی پیرانہ سالی کا ذکر ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنی زندگی اور عمر کے لمحات کا تیزی سے گزرنے کے بارے میں بہت فکر مندہیں اور لکھتے ہیں۔

بالوں کی سفیدی کہہ رہی ہے
سر پہ مرے دھوپ آگئی ہے(۳)

''حرفِ ہنر'' میں کہیں کہیں زندگی خوف ناک شکلوں و صورتوں میں نظر آتی ہے۔ اخترہوشیارپوری زندگی کو آرام دہ او رپر سکون دیکھنا چاہتے ہیں مگر بے سود!

بارود کی بو گلی گلی ہے
جیسے یہی اپنی منزلیں ہیں

غاروں سے نکل کر سوچتے ہیں
شہروں کی مہیب صورتیں ہیں(۴)

اختر ہو شیار پوری اپنے وطن سے محبت کرنے والے شاعر تھے۔اختر ہوشیارپوری کی انفرادیت کی پہچان یہ ہے کہ انھوں نے زندگی کے تلخ حالات میں بھی اچھے دنوں کی اُمید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔اخترہو شیارپوری نے کیا خوب کہا:

زندگی ہے سنور ہی جاتی ہے
رات آخرگزر ہی جاتی ہے(۵)

''حرف ہنر''میں اخترہوشیارپوری اپنی زندگی کی تلخیوں، مسائل، شعور اور لاشعور کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر اپنے احساسات و جذبات کو لفظوں کا رنگ دیتے ہیں۔

''تنگنائے غزل'' ۱۹۹۹ء جولائی میں منظر عام پر آیا او ریہ مجموعہ اختر ہو شیار پوری کا آخری دور کا کلام ہے۔اس مجموعہ میں حمد اور غزلیں شامل ہیں۔۱۹۹۶ء کے بعد کی شاعری پر یہ شعری مجموعہ مشتمل ہے۔اخترہوشیارپوری کہتے ہیں:

''اس مجموعہ میں شامل غزل تازہ ہیں او رپہلے سے جملہ مطبوعات کے بعد
کی ہیں جو آج تک کے عرصہ پر محیط ہیں یعنی ۱۹۹۶ء اور اس کے بعد کی
ہیں۔''(۶)

اخترہوشیارپوری کی انفرادیت کچھ اس طرح سے عیاں ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو داخل کے حوالے سے خارج کی دنیامیں آباد کرتے ہیں۔وہ داخلیت پسند ہیں اس کی وجہ سے ان کی پوشیدہ صلاحیتیں اجاگر ہوئی ہیں۔شعری مجموعہ ''تنگنائے غزل'' اختر ہوشیارپوری کی داخلیت پسندی کا عمدہ عکس ہے۔اختر ہوشیارپوری نے داخلی آنکھ کی روشنی میں اپنی شاعری کو اُستوار کیا ہے

اخترہوشیارپوری تنہائی پسند تھے، تنہائی سے محبت کرتے تھے۔وہ خارج سے دور داخلیت میں چپ چاپ زندگی گزارنے کے حامی تھے۔انھوں نے اپنے ایک شعر میں اس حالت کو یوں بیان کیا ہے۔

مجھ کو تنہائی تھی عزیز اختر
وقت کیوں ساتھ چل پڑا یارو(۷)

اختر ہوشیارپوری زندگی کی مشکلات سے راہِ فرار اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اس کے قائل تھے۔وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زندگی کی ناامید او رمایوس فضاؤں میں اُمیدوں کے دیئے جلائے جا سکتے ہیں اور زندگی کو پُر آسائش بنایا جا سکتا ہے۔اخترہوشیارپوری غیر یقینی اور مایوسی کو قبول نہیں کرتے تھے۔وہ معاشرت پسند تھے۔اسی وجہ سے وہ خود بھی زندہ رہتے ہیں اور قاری کو بھی زندہ رکھتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ اختر ہوشیارپوری ایک پر سکون اور کامیاب زندگی بسر کرنے کا سبق بھی اس طرح سے دیتے ہیں۔

زیست اس طور گزاری جائے
سر سے گٹھڑی نہ اُتاری جائے(۸)

میں نے ساری زندگی کاٹی ہے اس انداز سے
صحن میں آندھی رہی اندر دیا جلتا رہا(۹)

اختر ہوشیار پوری لمبے عرصے تک اُردو ادب کے ساتھ جڑے رہے۔اختر ہوشیارپوری نے بغیر کسی خواہش او ربدلے کی ہوس کے یہ سفر جاری و ساری رکھا۔اختر ہوشیارپوری روایت سے واقف

تھے او رجدیدیت سے بھی آشنا۔اسی وجہ سے عرصہ دراز سے اختر ہوشیارپوری نے اپنی اس انفرادیت کو بر سر پیکار رکھا ہوا ہے۔احمد ظفر نے اخترہوشیارپوری کی اس خوبی کا اعتراف کچھ یوں کیا ہے:

> ''اختر ہوشیار پوری کے پائے کی غزل کہنا اس عصر کے بہت کم شاعروں کے نصیب میں آیا ہے۔ان کا یہ سفرجاری ہے او رآئندہ بھی فن کی بلندیوں کو چھوتا رہے گا، جو جدید لب و لہجہ کے غزل گو شعرا کے لیے سنگِ میل ثابت ہوگا۔''(۱۰)

اپنے جذبات و احساسات کے اظہار کے لیے اختر ہوشیارپوری نے سب سے زیادہ اہمیت غزل کو دی۔ لہٰذا انھوں نے غزل کو ہی اپنا ہتھیار بنایا۔اختر ہوشیارپوری بلاشبہ الفاظ کے استعمال کا فن جانتے تھے۔ان کا اندازِ بیان زندگی سے بھرپور ہے۔اس حوالے سے چند مثالیں قابل ذکر ہیں:

جو تیر برسائے سر پہ سورج تو راستوں میں
تم اپنے ہاتھوں میں سبز شاخوں کی ڈھال رکھنا (۱۱)

ہر چند آندھیوں سے خس و خار اڑ گئے
لیکن گلی میں ایک حویلی کھڑی ہے(۱۲)

بلاشبہ اختر ہو شیار پوری کے الفاظ میں پورا ایک جہان چھپا ہوا ہے۔یہ جہان نہ صرف الفاظ کو نمایاں کرتا ہے بلکہ اختر ہوشیارپوری کے مقام و مرتبہ کو بھی ثابت کرتا ہے۔ قاری اختر ہوشیارپوری کے اس اندازِ بیان او رفنِ تحریر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اختر ہوشیارپوری کے کلام کے بارے یہ سوچا جائے کہ ان کے کلام میں محبوب کا کھلم کھلا اظہار کیا گیا ہے تو یہ بات آپ کی شاعری پر صادق آتی ہے۔اگرچہ رومانوی شاعری کا مادہ ان کی شاعری میں بہت کم ہے مگراخترہوشیارپوری الفاظ سے اچھی طرح واقف ہیں اس لیے انہوں نے اس حالت کو بیان کرنے میں نہایت ہی موزوں الفاظ کا چناؤ کیا۔

سادگی اختر ہوشیار پوری کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی او رپہچان ہے۔حالیؔ کے مطابق شاعر کے نظریات نازک و کمزور نہیں ہونے چاہیں اور الفاظ کا چناؤ بھی مناسب ہونا چاہیے تاکہ

قاری پہ الفاظ کا اثر ایک لطف اور پر مسرت کیفیت طاری کرے۔یہی روش اختر ہوشیارپوری کے ہاں ہمیں خوب نظر آتی ہے۔

خلوص و صداقت کے عنصر کے بغیر اچھی شاعری بد مزہ ثابت ہوتی ہے۔اس عنصر کے بغیر شاعری کسی قاری کی توجہ حاصل نہیں کر سکتی۔صداقت و خلوص کاعنصر اخترہوشیارپوری کی شاعری میں بہت زیادہ ہے۔جس کی وجہ سے وہ قاری کو اپنی طرف مائل رکھتی ہے۔اختر ہوشیارپوری نے زندگی کے حالات وواقعات کو جس طرح سے جانا ویسے ہی بیان کیا۔اختر ہوشیارپوری کے شاعرانہ کلام میں پورے ایک عہد کی جیتی جاگتی زندگی کی تصویر نظر آتی ہے۔ان کی شاعری ایک ناقد کا کام کرتی ہے۔

اخترہوشیارپوری کی خلوص و صداقت پر مبنی شاعری کے بارے میں امین راحت چغتائی یوں فرماتے ہیں:

''اختر ''سمت نما'' میں معاشرے کے ایک ایسے نقاد کے طور پر ابھرا ہے
جو زندگی کی تصویریں ان کے اصلی رنگوں میں پیش کرتا ہے۔''(۱۳)

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں خلوص و صداقت کی چند مثالیں قابل ذکر ہیں:

خود اپنے آپ سے چھپ کر گھروں میں رہتے ہیں
مرے دیار کے یہ لوگ جانے کیسے ہیں (۱۴)

کشمیر سے تا بوسنیا آگ لگی ہے
اور برف بدن ہیں کہ پگھلتے ہی نہیں ہیں (۱۵)

لوگ ملتے ہیں بچھڑ جاتے ہیں
بستیوں سے یہ سنا ہے میں نے (۱۶)

اختر ہو شیار پوری کی شاعری میں سہلِ ممتنع کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔اگر ان کی شاعری پر غور کیاجائے تو بہت سے شعروں میں سہلِ ممتنع کے عناصر پائے جاتے ہیں۔بظاہر جو سادہ اور عام فہم(آسان) محسوس ہوتے ہیں مگر کسی دوسرے فرد کے لیے ایسے شعر کہنا سہل نہیں ہوتا۔ اخترہوشیارپوری کے کلام میں حد درجہ کی سادگی او رحقیقت ملتی ہے یوں تو اخترہوشیارپوری کاپورا

کلام انسانی زندگی کے مختلف زاویوں اور پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے مگر ان کی شاعری کی بڑی خوبی وہ غزلیں ہیں جو شاعرانہ اصطلاح میں سہل ممتنع کے زمرے میں آتی ہیں۔اختر ہوشیارپوری پیچیدہ بات کوسادہ زبان میں کہہ جاتے ہیں اور قاری بات کی تہہ تک بآسانی پہنچ جاتا ہے۔

سہل ممتنع کی نمایاں مثالیں اخترہوشیارپوری کی شاعری سے ملتی ہیں مثلاً:

وہ شخص تو مطمئن بہت تھا
کیا جانئے کیوں بکھر گیا ہے

وہ خود تو اداس تھا ہی اختر
مجھ کو بھی اداس کر گیا ہے (۱۷)

اختر ہوشیار پوری کی شاعری میں مضمون آفرینی بھی بہت عیاں ہے۔مضمون آفرینی سے مراد یہ ہے کہ کلام میں نئی نئی بات اور نادر مطالب پیدا کرنا۔جدت پرست شاعر ہونے کی وجہ سے اختر ہوشیارپوری کی شاعری کے موضوع اچھوتے او رنئے ہیں۔اخترہوشیارپوری نئے موضوعات کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بناتے ہیں۔اس بارے میں احمد ظفر اختر ہوشیارپوری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وہ نئے سے نئے تصورات اپنے دامن میں لیے جدید تر غزل کے افق کو روشن اور تابندہ تر کر رہے ہیں۔"(۱۸)

مضمون آفرینی کی چند مثالیں جو اخترہوشیارپوری کی شاعری سے ملتی ہیں:

جواب کے شہر سے ہجرت کا مجھ کو اذن ملے
میں گھر کی اینٹیں بھی سر پر اٹھا کے لے جاؤں

ان کے دشت سے گزروں تو اپنے ماتھے پر
میں عرش و فرش کے اختر سجا کے لے جاؤں (۱۹)

حسن، شگفتگی او رتازگی کسی بھی شاعری کو نمایاں مقام و مرتبہ بخشتی ہیں۔اخترہوشیارپوری کی شاعری بھی اس صفت سے لیس ہے کیونکہ اخترہوشیارپوری معمولی سے معمولی مواد و کلام کو اپنے اندازِ بیان کی تازگی سے ارفع و اعلیٰ بنا دیتے ہیں۔اخترہوشیارپوری الفاظ کے شاہکار تھے۔

کب تک آخر نہ سورج ابھرے گا
بادلوں کو ہٹا کے دیکھیں گے(۲۰)

مخاطبت، شاعر اور قاری کے بیچ ایک چین کا کام کرتی ہے۔اُردو ادب میں تقریباً ہر شاعر یہ انداز اپناتا ہے اور یہ انداز قاری اور شاعر کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ایسی شاعری پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے شاعر سے براہ راست بات ہو رہی ہوتی ہے۔اخترہوشیارپوری کی شاعری میں یہ انداز اکثر مقامات پر نظر آتا ہے۔اپنی ایک کتاب میں اخترہوشیارپوری یوں لکھتے ہیں:

اے عمرِ رفتہ لوٹ کے آمسکرا کے دیکھ
ہم تیرے ہم سفر تھے ترے ساتھ جائیں گے
(۲۱)

تجھ کو تو اپنے آپ کی بھی کچھ خبر نہیں
کس نے تجھے قبیلے کا سردار کر دیا(۲۲)

شاعر زندگی کے حالات و واقعات او رمسائل سے تنگ آکر خود یت کی حالت میں مبتلا ہو جاتاہے۔اس کیفیت کا نام خود کلامی ہے۔ یہ کیفیت اکثر اس وقت طاری ہوتی ہے جب شاعر گردونواح سے مایوس ہو جاتا ہے او رایسے حالات سے تنگ آکر وہ اپنے آپ ہی ان تمام مسائل کا حل تلاش کرتا ہے۔ اس مرحلے میں شاعر مختلف قسم کی کیفیت سے نبرد آزما ہوتا ہے۔اختر ہوشیارپوری بھی کہیں کہیں اسی کیفت سے دوچار نظر آتے ہیں لہٰذا خود کلامی کا انداز اخترہوشیارپوری کی غزلوں میں یوں ملتا ہے۔

غور سے شہر کا نقشہ ذرا دیکھو اختر
کسی گوشے میں کہیں میرا مکاں بھی ہوگا(۲۳)

کیا جانے کیوں زمانے کو مجھ سے گریز تھا
ہاتھوں میں میرے شیشہ تھا پتھر نہ تھا کبھی(۲۴)

شاعر کو شاعری میں تخیلاتی اندازِ بیان اکثر اختیار کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ قاری کو اس کیفیت سے لطف اندوز کر سکے۔جسے مرقع نگاری کہا جاتا ہے۔اختر ہو شیارپوری نے اپنے تخیل سے اپنی شاعری میں مرقع نگاری کو بھرپور انداز میں اپنایا ہے۔مرقع نگاری میں اختر ہوشیارپوری کو ایک خاص ملکہ حاصل ہے۔

کسی خاکے میں یہ منظر کوئی محفوظ کر لے
مری بیٹی مری انگلی پکڑ کر چل رہی ہے(۵۲)

خیموں کی طنابیں جل رہی ہیں
کیا جانے کہاں کا قافلہ ہے (۶۲)

وہی ساحلوں پہ ہیں کشتیاں وہی پانیوں میں بھنور بھی ہے
مگر اپنے سائے کو کیا کروں جو مرا شریک سفر بھی ہے
(۷۲)

تشبیہ و استعارہ شاعری کی جان ہیں۔ان کے استعمال سے شاعری میں جو حُسن اور تازگی آتی ہے۔وہ شاعر کے کلام کو مزید چار چاند لگا دیتی ہے۔اُن کا بر محل استعمال شعر کے باطنی حسن میں اضافہ کرتا ہے۔تشبیہ اوراستعارے کااستعمال کم او رہلکی کیفیات وواردات کی ترجمانی ہے، اسی نسبت سے تشبیہ او راستعارے کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔اچھی تشبیہ سے شعر زیادہ پائیدار اور مؤثر مفہوم دیتا ہے۔اختر ہوشیار پوری اپنے شاعرانہ کلام میں تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی تشبیہات ابہام کی شکل اختیار نہیں کرتیں۔ان کا استعمال، بر محل، خوبصورت اور حیران کن ہے۔

اسی طرح شاعری میں تشبیہ کے ساتھ استعارہ کا استعمال بھی بہت ہوتا ہے۔استعارہ بھی کسی شعر کی بناوٹ اور ساخت میں اضافہ کرتا ہے۔اختر ہو شیار پوری بھی استعارات کا استعمال او رسہارا

اپنے کلام میں ضرور لیتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے استعارے معیاری ہیں۔گویا تشبیہ اختر ہوشیارپوری کے کلام و بیان کا حسن ہے اور استعارہ ان کے سخن کا پردہ ہے۔

احساس ہوا اُس کے چلے جانے پہ اختر
وہ روشنیٔ صبح تھا خورشیدِ جبیں تھا(۸۲)

اختر ہوشیار پوری اپنی غزلیات میں نہایت سادہ اور عام فہم استعارات کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی صفت کی بناء پر قاری کی توجہ اپنی جگہ مرکوز رہتی ہے۔

الفاظ کی تکرار اختر ہوشیار پوری کی شاعری میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔اس سے شاعر ی کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔اخترہوشیارپوری کی شاعری تکرارِ الفاظ کی مرہون منت ہے۔

شاعری میں شاعر کنایہ کی صنعت بھی اجاگر کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے شاعری میں لذت او رتاثیر پیدا ہوتی ہے۔اس میں شاعر بغیرکسی چیز یا شخص کا نام لیے یا واقعات کی پوری تفصیل بتائے بغیر وہ ان کی طرف ایک پوشیدہ سا اشارہ کردیتا ہے۔شاعر کے کنایاتی اندازِ بیان اپنانے سے قاری کے اندر تجسس بیدار ہوتا ہے جو کہ قاری کو غور وفکر او رسوچ و بچار پرمجبور کرتا ہے۔ اختر ہوشیار پوری کی غزلوں کوپڑھ کر ایک قاری سوچ و بچار کی فکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا یعنی اس کے ذہن میں سوچ، فکر اورغور و بچار کی مختلف کیفیات ابھر آتی ہیں۔

اختر ہوشیار پوری اپنے کلام کو نہایت ہی آہستہ روی سے پیش کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے کلام میں موسیقیت کو بہت احسن طریقے سے درجہ بدرجہ ترتیب دیا ہے۔یہ موسیقی اختر ہوشیارپوری کے کلام میں ایک دھیمے انداز اورمزاج میں بہتی ہے۔اخترہوشیارپوری اپنے کلام میں موسیقی ابھارنے کے لیے دو طرح کی بحروں کو اپناتے ہیں۔چھوٹی بحر اور لمبی بحر، اختر ہوشیار پوری نے اپنی بہت سی تصانیف میں چھوٹی بحر سے کام لیا ہے جن میں ''سمت نما''، ''علامت'' او ر''شہر حرف'' شامل ہیں جبکہ انھوں نے کچھ تصانیف میں بڑی بحر سے کام لیا ہے مثلاً''حرف ہنر'' اور''جہت'' وغیرہ

شاعری کرتے ہوئے شاعربہت بڑے حالات و واقعات، بحث و مباحث اور قصوں کو الفاظ کی زنجیر میں ایک تسبیح کی طرح پرودیتا ہے۔یعنی شاعر دریا کو کوزہ میں بند کر دیتے ہیں۔اختر ہو شیارپوری بھی دیگر شعرا کی طرح اپنی شاعری اور کلام میں اس صفت کو جسے ''صنعتِ تلمیح''کہتے ہیں، کا بھرپور سہارا لیتے ہیں۔

زینب کے کھلے سر کی طرح زیست کھڑی ہے
جلتے ہوئے خیموں سے کوئی لے کے علمِ آئے
(۲۹)

اس شعر کو پڑھ کر قاری کے سامنے میدانِ کربلا کا واقعہ کھل جاتا ہے۔گویا اس شعر میں اخترہوشیارپوری صنعتِ تلمیح کا استعمال کرتے ہیں۔اختر ہو شیارپوری شاعری کے فنی تقاضوں سے خوب واقفیت رکھتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری میں صنعتِ تلمیح کے ساتھ ساتھ صنعتِ تضاد کو بھی اِحسن انداز سے بیان کرتے ہیں او ر اختر ہوشیارپوری کو اس کے استعمال کرنے کا کمال حاصل ہے۔الفاظ کی شعبدہ بازی سے اخترہوشیارپوری دور ہیں وہ اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ اختر ہو شیار پوری الفاظ کی اصلیت او رمقام و پہچان سے خوب واقف ہیں۔اسی بنا پراختر ہوشیارپوری کے کلام میں صنعتِ تضاد کا استعمال قدرے کم ملتا ہے۔

ازل آگے ہے اور ابد پیچھے
زندگی! تجھ سے ڈر رہا ہوں میں (۳۰)

شاعری قافیہ ردیف کی بندش کا نام نہیں بلکہ اس میں اپنے خیالات او رجذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔اختر ہوشیار پوری نے اپنی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز دیکھے اور پھر انہی جذبات و احساسات کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا۔اختر ہوشیارپوری نے اپنی آنکھوں سے برصغیر کو تقسیم ہوتے دیکھا۔قوم، معاشرے اور تہذیب کو اپنی آنکھوں سے ملیا میٹ ہوتے دیکھا اور زندگی کے خوشگوار سائے کے اوپر جھنجھلاہٹ اورنااُمیدی کے سائے منڈلاتے ہوئے دیکھے۔اختر ہوشیارپوری کی غزلوں سے یہ سارے واقعات اور جذبات جھلکتے نظر آتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری اعلیٰ فکر کا نتیجہ ہے۔

اختر ہوشیار پوری عشق اور محبت کے جذبے سے بھی سرشار تھے۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری تازہ او رمتنوع موضوعات کا ایک رنگین گلدستہ ہے جس میں محبت، دیس سے لگن، اپنے معاشرے سے پیار اور درد کی ہلکی ہلکی ٹیس آپ کو ہر وقت محسوس ہوتی رہتی ہے۔اختر ہوشیار پوری دراصل معاشرے کا علمبردار تھے۔اختر ہوشیارپوری کے کلام میں رومانویت کا احساس کوئی بھرپور طریقے سے نہیں ملتا مگر ہلکی پھلکی پر چھائیاں نظر آتی ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں رومان کا کوئی ذاتی تجربہ نہیں ہے۔

اخترہوشیارپوری تصورِ حیات کا آئینہ ساز ہیں۔اخترہوشیارپوری کی شاعری عمر کی ساخت کو صورت دینے میں صرف ہوتی ہے۔اخترہوشیارپوری نے اپنے شعری سفر کو آپ بیتی کی زنجیر میں ڈھالا ہے اور اظہار و خیالات کو بہت اہمیت دی ہے۔اختر ہوشیار پوری کو زندگی کا حقیقی شعور اپنے دور کے حالات و واقعات کی وجہ سے زیادہ ملا۔اختر ہوشیارپوری کے پاس نئ چیزوں کی تخلیق کی سوچ و بچار اور تاریخی بصیرت وافر تھی لہٰذا اختر ہوشیارپوری نے اپنی غزل میں ایک نمایاں فرق پیدا کیا ہے۔اخترہوشیارپوری نے ہمیشہ اپنی الگ وضع قائم رکھی ہے او ریہی ان کی خصوصیت ہے۔انسانی حقیقت کو اختر ہوشیارپوری نے اپنے کلاسیکی شعور میں بہت گہرائی میں بیان کیا ہے۔اختر ہوشیار پوری بہت سے مختلف مشاعروں میں بھی شامل ہوتے رہے تھے، جن میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، احسان دانش، تابش صدیقی، سید عابد علی عابد او رحفیظ جالندھری شریک ہوئے تھے۔۱۹۳۹ء کے اواخر میں Fcs کالج میں مشاعرہ ہوا تھا۔سید عابد علی عابد نے اس کی صدارت کی تھی۔ وہاں اختر ہوشیارپوری نے غزل پڑھی اس غزل کے متعلق سید عابد علی عابد نے مرزا ادیب سے کہا کہ اختر سے یہ غزل ''ادبِ لطیف'' کے لیے لے لو۔مرزا ادیب اس وقت ''ادبِ لطیف'' کے ایڈیٹر کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔وہ غزل جنوری ۱۹۴۰ ء کے سال نامہ میں چھپی۔غزلیہ شاعری اخترہوشیار پوری کی ساری زندگی کی عکاسی ہے۔اخترہوشیارپوری کو شاعری میں اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی رہتی ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی غزل ایک خاص لب و لہجہ رکھتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کے مزاج کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ موصوف کا جنون محبت چھپا چھپا سا او رکہیں کہیں گم سم سا تھا گویااُن کی غزل میں ایک خاموش محبت کا پیغام ضرور ملتا ہے۔اخترہوشیارپوری اپنے خاص اندازِ او رسلیقے سے اپنا کلام بیان کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے عظمت فن ِ، عظمتِ انسان اور عظمتِ قانون میں کبھی جھول نہیں آنے دیا۔اس کے ساتھ ساتھ خاموشی اور معصومیت کا کردار نہایت ہی اہم ہے۔اختر ہوشیارپوری ادب میں روایت کے پابند نہیں ہیں مگر انہوں نے زندگی کے زاویوں کو قائم رکھا ہے۔چنانچہ اختر ہوشیارپوری صداقت، شرافت اورادب کے مکمل انسان ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری او رمزاج یہی سمت تجویز کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری شراب، نشہ او رجوانی کے شکنجے سے آزاد تھے اورآپ نے ہمیشہ اپنی پہچان، وقار او رشخصیت کو قائم رکھا۔اختر ہوشیار پوری اپنے فن اور خیال کی آزادی کی وجہ سے ہر قدم پر کامیاب و کامران رہے۔اختر ہوشیار پوری کو پورے معاشرے کانقاد او رمبصر ہونے کا شرف حاصل

ہے۔اختر ہوشیارپوری کے سامنے نئ شاعری کا ایک خیال تھا جو کہ ان کے مختلف شعری رویوں سے عیاں ہوتا ہے۔

اختر ہوشیار پوری نے کسی خیال او رسوچ کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ ہی کسی خیال اور نظریہ کو کسی مخصوص مقصدکے لیے سینے سے لگایا بلکہ ایک وکیل کے طور پر اس بات کو اجاگر کیا کہ وکیل کی سوچ و سمجھ فن، معنی اورتنقیدی نقطئ نظر کو بہت بہتر طور پر جانتی ہے۔اختر ہوشیار پوری تین تجربات کو اپنی شاعری او رکلام میں ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں تخلیق، تنقید او رتجزیہ۔

اختر ہوشیار پوری ایک غیر جانبدار انسان تھے۔اُن کی یہ خوبی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اختر ہوشیارپوری نے فرقہ بندی، مذہبی او رانفرادی مقام کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ اختر ہوشیارپوری کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ کبھی بھی اپنی پسند کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہی اخترہوشیارپوری کی غیر جانبداری کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔اختر ہوشیارپوری نے ہمیشہ حق و صداقت کی رائے دی اور کبھی جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔اختر ہوشیارپوری نے ہمیشہ ادیب، ادب اور ادب کے پرستاروں سے روابط رکھنے کو ترجیح دی۔اختر ہوشیارپوری نے رمزیت و اشاریت کے فن او رانداز کو اپنی غزل میں نہایت ہی احسن طریقے سے سجایا ہے۔

نظم گوئی:

اُردو نظم کی ابتداء دکنی عہد میں شروع ہوتی ہے۔یعنی دکنی عہد نظم کا عہد تھا۔ فارسی کا رنگ دکنی نظم میں محسوس کیا جا سکتا ہے جبکہ جدید اُردو نظم کی ابتداء حالیؔ کے دو رمیں ہوئی۔حالیؔ کے علاوہ اس عہد میں اور نظم گوشعراء بھی نمایاں تھے۔جن میں نظیراکبر آبادی، اسمٰعیل میرٹھی، محمد حسین آزاد او رشبلی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔یہ سب لوگ قوم و ملت کی اصلاح کو فوقیت دیتے تھے۔اس عہد میں داخلیت کی نسبت خارجیت کا پلہ بھاری رہا۔

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کی ابتداء ہوتی ہے اور اس تحریک کے ساتھ نظم کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔اس تحریک کے زیر سایہ فیضؔ او ران کے دیگر رفقاء نے اُردو نظم میں رومان او رحقیقت کی سرحدوں کو یکجا کیااسی بناء پر اسے نیم رومانی تحریک کے نام سے بھی پکارا جا سکتا ہے۔ نظم نگاری کے اس دور میں بہت سے شعرا رونما ہوئے مثلاً مختار صدیقی، قیوم نظر، مجید امجد، یوسف ظفر اور اختر ہوشیا ر پوری کے نام قابل ذکر ہیں۔

اختر ہوشیار پوری شعر و شاعری میں نظم نگاری کے اسی عہد میں منظر عام پر آتے ہیں۔جب اردو نظم کو فوقیت دی جارہی تھی۔اپنی شعری زندگی کی ابتداء اخترہوشیارپوری نے نظم نگاری سے کی لیکن بعد ازاں انہوں نے غزل گو شعرا کی صف میں جگہ بنائی او ربہت تھوڑے عرصے میں اخترہوشیارپوری غزل گو شعرا کی صف میں اہم مقام پر پہنچ گئے۔

اخترہوشیار پوری کی نظموں پر مشتمل مجموعہ ''شب گزراں'' ۱۹۹۷ء میں زیورِ طباعت ہوا۔ اختر ہوشیارپوری کا یہ مجموعہ ''شب گزراں'' ۸۳ نظموں پر مشتمل ہے۔۱۹۴۲ ء میں ان نظموں کی ابتدا ہوتی ہے۔اختر ہوشیار پوری نے اپنی آخری نظم ۱۹۹۴ء میں کہی۔اختر ہوشیارپوری کی نظموں میں عہد بہ عہد کے اُتار و چڑھاؤ کوبخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ اخترہوشیارپوری اپنے دور کے تغیر و تبدل سے مکمل آگاہی رکھتے تھے۔اختر ہوشیارپوری کا مجموعہ ''شب گزراں'' ۱۹۴۲ء سے ۱۹۹۴ء تک کے حالات و واقعات پر محیط ہے۔

جب ترقی پسند تحریک کا عہد اپنے عروج پر تھا تو اس وقت اختر ہوشیارپوری نے اپنی شعر و شاعری کی ابتداء کی۔یہ بات عیاں ہے کہ اخترہوشیارپوری نے نظم نگار کے طور پر اپنی شاعری کی ابتداء کی او راپنے دورِ آغاز میں اختر ہوشیارپوری نے بہت نظمیں کہیں۔اخترہوشیارپوری کا واحد مجموعہ کلام''شبِ گزراں'' ہے جو تقریباً ترپین سالوں کی نظموں پر محیط ہے۔اختر ہوشیارپوری کی ابتدائی نظمیں رومانیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔''ترغیب''، ''واپسی''، ''ایک منظر''، ''کدھر''،''تاریکی'' یہ سب رومانوی طرزِ بیان کی نظمیں ہیں۔''شبِ گزراں'' کی سب سے پہلی نظم ''ایک منظر'' ہے اور یہ نظم ۱۹۴۲ء میں لکھی گئی۔اس میں اختر ہوشیارپوری حقیقت سے قریب ترین رومان تخلیق کرتے ہیں۔

اخترہوشیارپوری کی نظموں میں خارجیت کا پہلو خوب واضح ہے۔جذبات کی نزاکت پائی جاتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی نظم ''تاریکی'' اس بات کی عکاسی کرتی ہے۔

آخرش ڈھل گیا دن ٹوٹا اجالے کا فسوں
اور ابھی بڑھنے دے زلفوں کے گھنے سائے یونہی
مرمریں جسم پگھلنے دے مری بانہوں میں
کہ پگھلتی ہوئی اک شمع ہے دنیا ساری
وہ افق پر نظر آتا ہے چمکتا ہوا خوں(۳۱)

اختر ہوشیارپوری کی یہ نظم"تاریکی"خارجی رنگ میں رومانوی جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔اخترہوشیارپوری زندگی کے سفر میں کسی ساتھی یا رفیق کو لازمی قرار دیتے ہیں اور اس کے بنا زندگی کے اِس سفر کو مشکل او رکٹھن گردانتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اپنی نظم"ترغیب" میں اس بات کی عکاسی یوں کرتے ہیں:

کس قدر تیرے مسافر کا یہ رستہ ہے کٹھن
دورتک تپتے جھلتے ہوئے صحرائیں کہیں
اجنبی دیس میں تُو ساتھ نہ دے گی میرا
کیا اب ان راہوں پہ تنہا مجھے چلنا ہوگا؟(۳۲)

رجائیت اخترہوشیارپوری کی شاعری او رشخصیت کی نمایاں خوبی ہے۔یہی وجہ ہے کہ امید کی کرن کا علمِ اختر ہوشیارپوری کی غزل او رنظم دونوں میں منعکس ہوتا ہے۔اختر ہوشیارپوری کی رومانوی نظمیں پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ محبت کے نرم ونازک جذبات کو صرف محسوس کرتے ہیں او ران کی ذاتی زندگی کا تجربہ بھی یہی ہے۔اختر ہو شیار پوری بہت لمبے وقت کے لیے اپنی ذات و شخصیت کے ڈھانچے کو قید میں نہیں رکھ سکتے یہ ان کا طرۂ امتیاز ہے۔اخترہوشیارپوری کی نظمیہ شاعری پر رومانیت کا غلبہ بہت عرصہ رہا لیکن بعد ازاں یہ غلبہ ختم ہوگیا۔چنانچہ آپ غمِ جاناں سے غمِ روزگار کی طرف متوجہ ہوئے،کیونکہ اخترہوشیارپوری اپنے رومان کو لے کر دائروں میں نہیں گھومتے بلکہ آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔اسی وجہ سے آپ بہت جلد ذات سے کائنات تک کی پہچان پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اخترہوشیارپوری براہ راست دنیا کی تغیروتبدل دیکھ رہے تھے۔وہ بدلتی ہوئی چیزوں سے براہ راست واقف تھے۔اختر ہوشیارپوری کے نظریہ فن کی پہچان ان کی نظمیہ شاعری ہے۔۲۴۹۱ء سے تاحال ان کی سب کی سب نظمیں اس بات کی شاہد ہیں کہ اختر ہوشیار پوری کائنات کے غم میں شامل ہیں نہ کہ اپنی ذات کے چنگل میں۔اخترہوشیارپوری کی تمام نظمیں ان کے ذہنی ارتقائی سفر کی اعلیٰ مثال ہیں اوران کا مجموعہ "شبِ گزراں" ان کی عکاسی کرتا ہے۔

اختر ہوشیار پوری اس جنگ کی صورت حال پر آہ ہو پکار کرتے ہیں جو ۱۹۴۵ء میں ہیر و شیما اورناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر لوگوں کے دل و دماغ کو ٹھپ کر گئی۔جنگ کی اس خوفناک صورت حال نے نبی نوع انسانیت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔اختر ہوشیارپوری نے ۱۹۶۵ ء کے سانحہ اور

صورت حال کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں انسان نے انسانیت کے خون کی ہولی کھیلی۔مختلف شعرا نے اس ہولناکی منظر کو اپنی اپنی شاعر ی او رکلام کا حصہ بنایا۔لہٰذا اخترہوشیارپوری کی نگاہ بھی اس ساری صورت حال کو دیکھ رہی تھی جس پہ وہ ایک چپ چاپ تماشائی نہ بن سکے بلکہ اُن کی کچھ نظمیں ان واقعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔جن میں ''ایٹم بم''،''شکست''،''محرومی'' اور ''چودہ اگست'' شامل ہیں۔

اختر ہوشیار پوری اپنی شاعری کے عہد کی تکمیل میں اپنے دور، اپنے عوام او راپنے معاشرے سے دور ہو کر نہیں رہتے، بلکہ ان کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اپنے گردو نواح او رمعاشرے کے حالات و واقعات کو حقیقی آنکھوں سے دیکھا اور پھر ان کو اپنے نظریہ فن سے شاعری میں ڈھالا۔اخترہوشیارپوری زندگی کے نشیب و فراز میں حواس باختہ نہیں ہوتے۔اختر ہوشیارپوری ایک زندہ دل انسان تھے۔یہی وجہ ہے کہ ہولناک سانحات کے وقت وہ اپنے آپ کو الگ رکھنے کی بجائے بھرپور طریقے او رفن سے اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔اس فکر انگیزی کا اظہار اختر ہوشیارپوری کی نظم ''استقلال'' میں ہمیں واضح نظر آتا ہے۔

زمانہ الجھتا ہے ہم سے تو الجھے
ہمیں تو کوئی کد نہیں ہے کسی سے
اگر اہل عالم (یہ ظلمت کے رسیا)
دھندلکے ہی چاہیں تو چاہیں مگر ہم
بہ ہر گام شمعیں جلاتے رہیں گے(۳۳)

اختر ہوشیار پوری کا تعلق ایسے معاشرے سے تھا جو آہستہ آہستہ زوال پذیری کا شکار بنتا ہے۔سیاست دانوں او رخود کاروں نے انسانوں سے انسانی قدر کی اہمیت چھین لی۔''شب گزراں'' میں زیادہ تر نظمیں اسی معاشرے کے مختلف پہلوؤں اور زاویوں کو بیان کرتی ہیں۔اخترہوشیارپوری کو ہجرت سے گزرنا پڑا۔آپ لاشوں کے پُل اور خون کے دریا عبور کر کے پاکستان کے ساحل تک پہنچے۔نئے ملک کی خوشخبری موت کا منظرثابت ہوئی۔اخترہوشیارپوری نے اس تقسیم کی صور ت حال کو ''وقت کی بات'' نظم میں یوں بیان کیا ہے۔

اورکچھ تیز ہو چراغ کی لو
ابھی عالم وہی ہے ظلمت کا(۳۴)

اختر ہوشیار پوری کو اس بات کا شعور ہے کہ زندگی میں دنیا اور قوموں کے حالات و واقعات کا ذکر و تذکرہ شاعری میں بھی ہوتا ہے اور انہوں نے بھی ان واقعات کو اپنی شاعری میں ڈھالا ہے۔اخترہوشیارپوری کی ایک نظم ''قائد اعظم کی وفات پر''ہے۔جس میں اخترہوشیارپوری قائد اعظمؒ کی رحلت کا افسوس اور غم بیان کرتے ہیں۔اخترہوشیارپوری اپنی نظم میں قائد اعظمؒ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور اس بات کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی پیش کردہ امانت (پاکستان) کی دل و جان سے حفاظت کرنی چاہیے۔

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں ذاتی رنج و غم بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔جس کا اظہار نظم ''مرگِ تمنا'' میں نظر آتا ہے۔اس نظم میں اختر ہوشیار پوری اپنی بیوی کی وفات کا تذکرہ نہایت ہی غمگیں اور افسردہ الفاظ میں کرتے ہیں:

مری آرزوؤں اُمیدوں کا مدفن
یہ مٹی کا ڈھیر
مری عمر رفتہ کا نقشِ قدم ہے(۳۴)

اختر ہوشیار پوری کے نظمیہ مجموعہ ''شب گزراں'' کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اختر ہوشیارپوری کا تراسی نظموں پر محیط یہ مجموعہ پوری زندگی کے حالات و واقعات اور نشیب و فراز کو بیان کرتا ہے۔اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اردو شاعری میں اختر ہوشیارپوری کا فن گراں قدر اضافہ کرتا ہے۔اختر ہوشیار پوری کی نظموں میں پائی جانے والی جدید حسیات او رنئے نئے اندازِ بیان آپ کوان کے عہد کا ایک منفرد او رنمایاں نام و مقام دیتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری نے ''شب گزراں'' میں عہد بہ عہد کے تغیّر و تبدل کو نہایت ہی اِحسن اندازِ فن سے بیان کیا ہے۔یہ نظمیہ مجموعہ اختر ہوشیارپوری کی دور اندیشی کا عمدہ مظہر و پیکر ہے۔

ہائیکو نگاری:

موضوع اور ہیئت کے اعتبار و لحاظ سے مخصوص شرائط کی پابند نظم''ہائیکو'' کہلاتی ہے۔یہ ایک مختصر نظم ہے جوصرف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔پوری نظم سترہ صوتی آہنگوں میں گھری ہوئی ہوتی ہے۔ہائیکو کے موضوعات زندگی کے نئے نئے پہلو، رخ او رخیالات کو پیش کرتے

ہیں۔ہائیکو نگاری میں ایک عام بات سے خاص بات نکالی جاتی ہے۔ہائیکو کی تاریخ جاپانی تہذیب سے جا کر ملتی ہے۔جاپانی ادب کے اکثر شعر ا نے ہائیکو میں طبع آزمائی کی ہے۔کیونکہ جاپانی قوم جمالیاتی خوبصورتی کے پیرو کار ہیں۔

ہائیکو کی ابتداء تقریباً چار ہزار سال پہلے ہوئی۔جب کہ اردو زبان و ادب میں ہائیکو پچھلے تیس سے پینتیس سالوں میں سرخرو ہوئی ہے۔اردو زبان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس زبان میں ہر صنف و سخن کو اپنے اندر سمولینے کا فن آتا ہے۔ہائیکو نے بہت تھوڑے اور کم وقت میں اردو شعرا کو اپنے چنگل میں قید کر لیا۔جن میں سے چند ایک کے نام قابل ذکر ہیں مثلاً محمدامین، تابش دہلوی، سر شار صدیقی، محسن بھوپالی، ادا جعفری، عبدالعزیز خالد، اختر شمار، حمایت علی شاعر اور اختر ہوشیار پوری وغیرہ۔ان شعرا نے ہائیکو لکھے ہیں۔ہائیکو ہیئت و صورت کے اعتبار سے ایک الگ انداز رکھتی ہے جسے اُردو میں اپنانا مشکل تھامگر اس کے باوجود دیگر اُردو شاعروں کے ساتھ ساتھ اختر ہوشیار پوری نے بھی اس میں طبع آزمائی کی۔اخترہوشیارپوری کی شخصیت ہمہ جہت تھی۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نظم، غزل، نعت، مرثیہ او رہائیکو میں بھی اپنا لو ہا منوایا اور اُردو ادب کے حلقوں میں پذیر ائی حاصل کی ہے۔اختر ہوشیار پوری کی توجہ ہائیکو کی طرف کیسے ہوئی اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''یہ میری دلی آرزو تھی کہ غزل کے علاوہ کسی او رصنف سخن کے ساتھ میرا رابطہ بڑھے اور میں غزل کے سفر میں کسی پڑاؤ پر دم لے سکوں۔حالانکہ میں نے نظمیں بھی ابتداء میں کہیں چنانچہ ابھی اتنا عرصہ نہیں ہوا کہ پاکستان میں ہائیکو تحریک کا آغاز ہوا۔مجھے بھی اس تحریک نے متاثر کیا اور میں بھی اپنی عمر کا وہ حصہ اس صنف سخن کے ساتھ گزارنے کے لیے تیارہوا۔جب انسان مختصر بات کرتا ہے کبھی کبھی اشاروں کنایوں میں اپنے مافی الضمیر کو متعارف کراتا ہے۔''(۶۳)

اختر ہوشیار پوری نے ۱۹۹۸ء اور ۱۹۹۹ء میں بالترتیب دو تصانیف ''برگِ گل'' او ر''سرسوں کے پھول'' زیور طباعت سے آراستہ کیں۔اختر ہوشیار پوری زندگی کے بارے میں تمام موضوعات اپنی ہائیکو میں پیش کرتے ہیں۔ ہائیکو کے بارے میں اخترہوشیارپوری کانقطہ ئ نظر مختلف تھا۔اخترہوشیارپوری جاپانی صنف کوہائیکو میں نہیں دیکھتے تھے بلکہ انھوں نے ہائیکو کو وسیع تر مفہوم میں بیان کیا۔اختر ہوشیارپوری ہائیکو کی کشادگی کے قائل تھے۔اخترہوشیارپوری کی ہائیکو شعبۂ زندگی کے مختلف زاویوں کو پیش کرتی ہے۔وہ ذاتی بھی ہیں اور غیر ذاتی بھی۔''برگِ گل'' او ر''سرسوں

کے پھول'' اس بات کی زندہ جاوید مثالیں ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے ہائیکو کی دنیا میں اپنے اندازِ فن سے جو گل کھلائے ہیں ان کی خوشبو قاری کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔اختر ہوشیارپوری کی ہائیکو دو ذائقوں پر مشتمل ہے داخلی اور خارجی۔

۱۹۹۸ء میں اختر ہوشیار پوری کا پہلا مجموعہ ہائیکو ''برگِ گل'' زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ اختر ہوشیارپوری کی اچھی اور دیدہ زیب یادداشتوں پر یہ محیط ہے۔اخترہوشیارپوری ہائیکو میں مقامی ذوق کے خواہش مند تھے اور یہ بات ''برگ گل'' کے مطالعہ سے واضح طور پر عیاں ہوتی ہے۔ اختر ہوشیار پوری غزل، نظم اور ہائیکو میں وطن سے محبت کرنے والے شاعر کی طرح اپنے دلی جذبات کا المیہ بیان کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی غزلیہ شاعری او رہائیکو نگاری میں اکثرعلامتیں قدرے مساوی پائی جاتی ہیں۔''برگِ گل'' میں موضوعاتی قید نہیں پائی جاتی ہے۔اخترؔہوشیارپوری مکمل طور پر پاکستانی رنگ میں ملوث ہیں او روہ اپنی ہائیکو کو پاکستانی قرار دیتے ہیں۔''برگِ گل'' میں اکثر جگہوں پر اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

مظاہرفطرت کو بیان کرنا ہائیکو کا سب سے نمایاں او راہم موضوع ہے۔اختر ہوشیار پوری کی ہائیکو میں بھی حسن وجمال کی پوری دنیا آبادہے۔اگر اخترہوشیارپوری کی ہائیکو میں پاکستانی معاشرہ اور اس کے خدو خال کو نہایت ہی پر وقار طریقے سے عملی جامہ پہنایا گیا ہے۔''برگِ گل'' کو گہرائی میں جا کر پرکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف فطرت نگاری تک محدود ہے بلکہ اختر ہوشیارپوری کی ذاتی کہانی کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔''برگِ گل'' اخترہوشیارپوری کی زندگی کی ذاتی کہانی ہے۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کیونکہ یہ تصنیف حیات میں آنے والی مشکلات و مصائب کو بیان کرتی ہے جس کی بنا پر اسے ذاتی کہانی قرار دیا جاسکتا ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنی اس بات کو ''سرسوں کے پھول'' میں ''میری ہائیکومیں'' واضح کرتے ہیں کہ:

> ''میری ہائیکو کی پہلی کتاب ''برگِ گل'' دراصل میری اپنی ہی کہانی تھی میں نے کوشش کی تھی کہ یہ کہانی میں خود ہی کہوں او رخود ہی سنوں۔ اس طرح یہ تخلیقی عمل خود کلامی کے مترادف تھا'' اختر کی ہائیکو پر مشتمل دوسرا مجموعہ ''سرسوں کے پھول'' ہے او ریہ مجموعہ اصل میں ''برگِ گل''

کی ایک زنجیر ہی سمجھا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا یہ مجموعہ مذہبی ذوق رکھتا ہے۔"(۳۷)

اختر ہوشیار پوری نے ہائیکو اس طرح بیان کی ہے کہ اس میں پورا ایک دنیا و جہان مخفی ہے۔اختر ہوشیارپوری تنگ نظری کی بجائے وسعت و فروغ کے پیروکار تھے۔فنی اعتبار سے اختر ہوشیارپوری نے جاپانی ہائیکو کی ہیئت کی پاس داری کی ہے لیکن مجموعی طور پر اخترہوشیارپوری نے زیادہ توجہ نفسِ مضمون پر دی ہے۔اختر ہوشیار پوری کی ہائیکو کا نمایاں پہلو موضوعات کا تنوع ہے۔ اس حقیقت کو اخترہوشیارپوری "میری ہائیکومیں"میں میں کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

"میرے نزدیک ہائیکو متنوع مشاہدے کی غماز ہے یہ "انہونی" میں ہوتی تلاش کرتی ہے۔زندگی کی مختلف پرتوں کو اس طرح کھولتی ہے کہ دیکھنے والا ایک جھلک دیکھتا ہے اورکبھی داستان سُننے لگتا ہے او رکبھی خود داستان بن جاتا ہے بس یہی ہائیکو کا منصب ہے"(۳۸)

اختر ہوشیار پوری کی ہائیکو پر مشتمل دونوں مجموعات کے بارے میں یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ "برگ گل" او ر"سرسوں کے پھول" ہائیکو کی دنیا میں ایک خوب صورت بڑھاوا ہیں۔اخترہوشیارپوری کی ان دونوں تصانیف میں اُن کی اضمحلالی حالت کوبخوبی جا نچا جا سکتا ہے۔ "برگ گل" میں یہ کیفیت واضح نظر آتی ہے۔

اتنا کمزور ہوگیا ہوں میں
چھوڑتی ہی نہیں ہے بیماری
کوئی اندر مجھے بلاتا ہے(۳۹)

اختر ہوشیار پوری کی ہمیشہ سے ایک ایسی جستجو رہی کہ آپ کا ربط نظم و غزل کے علاوہ کسی او رصنف و سخن میں بھی بڑھے۔جب کہ اختر ہوشیارپوری کی شاعری کی ابتداء نظم سے ہوئی تھی۔ بالآخر اس جستجو کی ہوس نے آپ کو ہائیکو کے میدان میں جا اُتارا اور ہائیکو کا پس منظر چونکہ جاپان سے تھا لہٰذا اس میں اختر ہوشیارپوری کو کوئی خاص مسئلہ در پیش نہیں آیا۔اختر ہوشیارپوری کے بہت سے دوست و احباب سرکاری اور سفارتی سطح پراپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے اس وجہ سے ہائیکو اختر ہو شیارپوری کے لیے نئ صنف نہیں تھی۔

لٰہذا اختر ہوشیار پوری کے نزدیک ہائیکو نگاری ایک خوش آئندسفر ہے کیونکہ آپ نے صرف اسی بناء پر اس میں اپنے قدم جمائے کہ انسان کے پاس اگر کچھ بولنے کو ہو تو اسے بلا کسی خوف و ہراس کے پیش کر دینا چاہیے۔

''برگِ گل'' اور ''سرسوں کے پھول'' دونوں میں اخترہوشیارپوری نے اسی نقطئہ نظر کو اپنایا ہے۔اختر ہوشیارپوری کو اس بات کا یقین بھی ہے کہ انھوں نے وسعتِ بیان کی ہے او ر خارجی مفہوم کو اہمیت دی ہو۔اختر ہوشیارپوری نے اپنے محسوسات کو دوسروں تک پہنچایا ہے۔یہی داخل سے خارج کا عمل اخترہوشیارپوری کی ہائیکو میں منعکس ہے اور یہی اخترہوشیارپوری کی ہائیکو کا منصب ہے۔

نعت گوئی

نعت دراصل اس خیر البشرﷺ اور ہستی کی شانِ اقدس کا بیان ہے، کائنات و دوجہاں کا وجود جن کی وجہ سے ہے۔تقریباً تمام شعرائے کرام نے اپنی حیثیت کے مطابق اس ہستی کی محبت او رعقیدت و احترام کو بیان کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔نعت گوئی ایک مشکل او رکٹھن مرحلہ ہے۔بہت سے لوگوں نے اس مرحلے میں اپنی عقیدت و احترام بیان کیا لیکن ان میں سے چند لوگوں کو اس میدانِ عقیدت و احترام کی شہ سواری نصیب ہوئی۔اس میدانِ عقیدت میں شاعر لمحہ بہ لمحہ احتیاط کے دامن کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ورنہ کفر و شرک کے فتوے اس کے مقدر پرچھا جا سکتے ہیں۔عربی نعت او رفارسی نعت ہی اُردو نعت کی بنیادیں ہیں۔

نعتیہ شاعری کی ترقی کا اگر پچھلے بیس سے تیس سالوں کا جائزہ لیا جائے تو اس دور میں خوب پذیرائی بڑھی ہے۔ملک کے تمام اخبارات و رسائل اور جرائد میں نعت گوئی سے متعلق کلام لازمی ملتا ہے۔اس دور میں نعت گوئی کی ایک نئی جماعت بھی منظر عام پر آتی ہے جس نے نئے نئے فن اور نئے تقاضوں سے اس کلام کو استفسار کیا۔ان میں حفیظ ہوشیار پوری، اعظم چشتی، احمد ندیم قاسمی، کوثر نیازی، انجم رومانی، ذکی کیفی،ضمیر جعفری اور اختر ہوشیارپوری شامل ہیں۔

اختر ہوشیار پوری نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک شعر و ادب کے میدان میں اپنا حصہ ڈالا۔نظم، غزل، ہائیکو اورنعت تمام اصناف آپ کے قلم و ہاتھ سے گزرتی ہوئی اپنی کامیاب منزل کو پہنچی ہیں۔اخترہوشیارپوری کے ہاتھ غزل میں پذیرائی حاصل کرنے کے بعد نعت گوئی کی

جانب بڑھے او رخوب پذیرائی حاصل کی۔نعت گوئی کی دنیا میں بھی اختر ہوشیارپوری ایک روشن او رجگمگاتا ہوا ستارہ رہے ہیں۔جب اختر ہوشیارپوری نے نعت گوئی کے میدان میں چھلانگ لگائی تو کچھ یوں یہ منظر نامہ پیش کیا:

> ''سرکار دو عالم، فخر موجودات رسول ﷺ کی مدحت جس کے حصے میں آجائے، ایک بے پایاں سعادت ہے او راس پر بارگاہ رب العزت میں جس قدر بھی ہدیہ تشکر پیش کیا جائے، کم ہے۔میں نے کم و بیش پچاس سال اردو نظم و غزل کہنے کے بعد نعت کی دنیا میں قدم رکھا تو اپنے قلب و نظر کو پہلی بار آسودہ پایا۔'' (۴۰)

اختر ہوشیار پوری نعت گوئی کے چھ مجموعے تحریر کیے جو بالترتیب ۱۹۸۷ء میں ''برگِ سبز'' ۱۹۹۷ء میں ''مجتبیٰ'' ۱۹۹۹ء میں ''رسالتماب''، ۲۰۰۰ء میں ''خیر البشر''،۲۰۰۳ء میں ''خاتم المرسلین'' اور۲۰۰۷ء میں ''حدیث حرف'' منظر عام پر آئے۔'برگ سبز'' ۱۹۸۷ء میں آپ کا پہلا نعتیہ مجموعہ چھپا۔جب کہ ۱۹۹۸ء میں ہونے والی قومی سیرت کانفرنس میں قومی سیرت ایوارڈ سے نوازا گیا۔

اخترہوشیارپوری نے غزل کی تسبیح میں نعت کے جوہر ترتیب دیئے ہیں۔اختر ہوشیار پوری نے اپنی نعتوں میں سر کارِ د وعالم ﷺ کی محبت و عقیدت، شان و مقام، شفاعت و کمال، فضیلتِ نبوت، امانت اور علم کو بیان کیا ہے۔غرض یہ کہ اخترہوشیارپوری نے اپنے نعتیہ کلام میں نعت کے آداب کوملحوظ خاطر رکھاہے او راخترہوشیارپوری خود بھی اس لحاظ کا اعتراف کرتے تھے۔وہ خود ایک جگہ اس حوالے سے یوں کہتے ہیں:

> ''مجھے اس بات کا احساس رہا ہے کہ توحید و رسالت دونوں بے حد حذم و احتیاط کے موضوعات ہیں۔حدِ فاصل کا ادراک نہ ہو تو ایک لمحے میں ایمان کی حدود خلط ملط ہو جاتی ہیں۔''(۴۱)

اخترہوشیارپوری توحید و رسالت کے نازک فرق کا شعور اور علم سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔اختر ہوشیارپوری گہری نظر سے قرآن وحدیث کی روشنی میں مقامِ توحید و رسالت کو واضح کرتے ہیں۔حسنِ بیان کی نسبت آپ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔پیارے نبی ؐ کی بے

شمار صفات ہیں او رانسانی خدمت اور اہمیت اولین میں شمار ہوتی ہے او راختر ہوشیارپوری نے اس صفت کو نہایت پر وقار او راچھے انداز میں اسے اپنی نعتیہ کلام میں شامل کیا ہے۔حقوق العباد او رحقوق اللہ سے اختر ہوشیارپوری بخوبی واقف ہیں۔آپؐ کی سیرت مبارکہ او رحیات طیبہ تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔جس پر عمل کر کے انسان دو جہاں میں کامیابی سے سر خرو ہو سکتا ہے۔گویا قرآن مجید میں پیارے نبی ﷺکی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے او رآپؐ کی پیروی پر زور دیا گیا ہے۔اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری میں پیارے آقاؐ کی حیاتِ طیبہ کو کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ آپﷺ کے اسوہ حسنہ اور سیرت و کردار دل پر براجمان ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اختر ہوشیار پوری بھی یہی فن اپنی شاعری او رنعتیہ کلام میں نہایت ہی عقیدت او رمحبت سے پیش کرتے ہیں۔

اِک مصطفی کا نام ہے نام خدا کے بعد
پھر دو جہاں میں کچھ بھی نہیں مصطفی کے بعد(۴۲)

اختر ہوشیارپوری کا یہ شعر اس بات کو واضح کرتا ہے کہ خدا کی اطاعت نبی پاکﷺ کی اطاعت میں ہے۔آپﷺ تمام جہانوں اور بنی نوع انسانیت کے لیے چشمہ ہدایت ہیں اور سب کے لیے رحمت ہیں۔آپﷺ اپنے دشمنوں سے بھی خیر و بھلائی کرتے ہیں۔آپؐ کی ان تمام خصوصیات کی بناء پر آپؐ کو ''رحمت العالمین'' کہا گیا ہے۔

اختر ہوشیار پوری آپ ﷺ کو دو جہاں کے لیے رحمت قرار دیتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی محبت اور عقیدت ہر شعر میں ایک خاص طریقے او رزاویے میں پوشیدہ ہے۔اختر ہوشیارپوری کو نظم و غزل میں خوب پذیرائی ملنے کے باوجود انھوں نے رسول پاک ﷺ کی محبت و عقیدت میں نعتیہ کلام پیش کرنے میں بھی اپنا حصہ ڈالا یہی ان کی آپ ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت کا ثبوت ہے۔اختر ہوشیارپوری نے قرآن او رحدیث مبارکہ کی روشنی میں آپ ﷺ کے اوصاف کو بیان کیا۔ اس امر میں انھوں نے نہایت ہی خوبصورت او ردلکش طریقے اپنائے او راخلاق و اقدار کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

پیارے نبی ﷺ کے اخلاق، آپ ؐ کی تعلیمات، معجزات، حسنِ سلوک او راخوت کو اختر ہوشیار پوری نے ایک خاص محبت او رجذبے سے لکھا ہے۔اختر ہوشیار پوری کے نزدیک آخری اور حتمی منزل و مقام پیارے نبیﷺ سے عشق کی منزل ہے۔اخترہوشیارپوری کی ہر ایک نعت میں کوئی نہ کوئی را ز اور مقصد چھپا ہوا ہے۔اخترہوشیارپوری اپنے نعتیہ کلام میں نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات اور کردار کو بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کی بد حالی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔جذبات کی سچائی ہی اثر و تاثیر کی وجہ بنتی ہے اور کائنات کی رونق کی وجہ پیارے نبی ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ گویا کائنات کا وجود، وجودِ رسول ؐ کی وجہ سے ہے۔اسی وجہ سے ہر عہد کے شاعروں نے اپنے معاشرے کی اصلاح او ررہنمائی کے لیے اسوہٗ حسنہﷺ کا سہارا لیا اور عوام الناس کو صراطِ مستقیم کی طرف متوجہ کیا۔

آج کے مسلمان کو بھی اخترہوشیارپوری صنم پرستی اور زوا ل کاشکار سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ اُسوہٗ حسنہﷺ سے دوری قرار دیتے ہیں۔اخترہوشیارپوری کے نعتیہ کلام کو اگر غور و فکر سے سمجھ کرپڑھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کا نعتیہ کلام ایک خاص مقصد رکھتا ہے۔ اخترہوشیارپوری کی اکثر نعتوں میں پیارے نبی ﷺ کے اوصاف واضح انداز میں ملتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری اپنی شاعری میں ان اوصاف کو نہایت ہی احسن طریقے او رعاجزی و انکساری سے پیش کرتے ہیں۔

عدالت شجاعت سخاوت وفا میں
شہنشاہِ دوراں غلامِ محمدﷺ(۴۳)

اعلانِ نبوت کے بعد آپ ﷺ پر جس طرح کے مظالم اور تکلیف کے پہاڑ کھڑے کیے گئے او رآپ ﷺ کی ان مظالم کے وقت کیا حالت ہوئی تھی اختر ہوشیار پوری اس کو بھی اپنی شاعری میں بیان کرتے ہیں:

طائف کی گلیاں خوں سے جو گلرنگ کرگیا
وہ دشت دشت آبلہ پا اور کون ہے(۴۴)

پیارے نبی ﷺ نے ایسے حالات میں بھی اپنے مخالفین سے محبت او رنرمی کا برتاؤ کیا۔ اخترہوشیارپوری آپﷺ کے برتاؤ سے والہانہ محبت کرتے ہیں او راپنے دور میں مسلمان امت کی ناچاکیوں او ربے راہ روّیوں کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کے حسنِ سلوک کی مثالیں پیش کرتے

ہیں۔اخترہوشیارپوری اپنے زمانے کے بگڑے اور خستہ حال ماحول کو آپ ﷺ کے اخلاق و اطوار کی اصلاح سے ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اخترہوشیارپوری جانتے ہیں کہ اس معاشرتی بگاڑ کی بنیادی وجہ جہالت ہے اور اس جہالت کو دور کرنے کے لیے انھوں نے نعتِ رسولؐ کو اپنایا ہے۔اختر ہوشیار پوری اپنے نعتیہ کلام میں عرب معاشرے کا جہالت سے روشنی کی جانب پلٹنے کا ذکر کرتے ہوئے دورِ حاضر کے مسلمانوں کو نئے نظام کی جانب متوجہ ہونے کا شعور دیتے ہیں او رمسلمانوں کے درمیان اخوت و مساوات کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اختر ہوشیار پوری اپنے نعتیہ کلام سے پیغام دیتے ہیں کہ ولادتِ رسول ﷺ اور نبوت رسول ﷺ سے وہ تمام شک و شبہات دور ہوگئے جو آپؐ کی نبوت سے پہلے معاشرے کا حصہ تھے۔آپ ﷺ کے حضور سے تمام کی تمام کایاپلٹ گئی۔حضورﷺ کا سب سے بڑا اورنہایت ہی نمایاں کارنامہ بنی نوعِ انسانیت کے بنیادی حقوق کا بحال کرنا ہے۔اختر ہوشیار پوری اپنے نعتیہ کلام سے مسلمانوں کو سنتِ نبویﷺ کی پیرو کاری کا درس دیتے ہیں تاکہ معاشرہ مساوی بنیادوں پر چل سکے۔قرآن مجید کی فضیلت او رپیارے نبیﷺ پر قرآن کا نزول کا ذکراخترہوشیارپوری اپنے نعتیہ مجموعوں میں اکثر مقامات پر کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری غزل و نظم کی دنیا کو خیر باد کہہ کر نعت گوئی کی دنیا میں جب قدم رکھتے ہیں تو آپ اس میں مقصدِحیات کو پاتے ہیں۔اس مقصدِ حیات کو بیان او رواضح کرنے کے لیے آپ قرآن و حدیث کا مطالعہ بہت غور اورباریک بینی سے کرتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری واقعہ معراج او رمعراجِ مصطفیﷺ کو اپنے نعتیہ مجموعات میں آدمیت قرار دیتے ہیں۔محبت وعقیدتِ رسولؐ میں اختر ہوشیار پوری نے ۱۹۷۸ء میں زیارتِ روضہ رسول مقبول ﷺ حاصل کی۔اس سعادت کے دوران آپ نے جو جو کچھ دیکھا اس کو ''برگِ سبز'' میں قلم بند کیا ہے بلکہ اس مجموعہ میں اس زیارت کے سفر کا پور ایک باب تحریر کیا ہے جس کا عنوان ''دیار حبیب'' سے ہے۔ایک سچا مسلمان ہونے کے ناطے اخترہوشیارپوری اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ سچے مسلمان کی رسول اللہ ﷺ کی چوکھٹ پر نظر پڑتے ہی زندگی کی تمام تکالیف او رمشکلات و مصائب سے نکل کر سکون او رخوشی سے لبریز دنیا میں رہ جاتا ہے۔

تیری دہلیز پہ بٹتی ہے سکوں کی خیرات
تیری خیرات کو دیکھوں ترے در کو دیکھوں (۴۵)

اخترہوشیارپوری کے نزدیک زیارت نبی پاک ﷺ کے بغیر زندگی بے مزہ اور بے معنی ہے۔''دیارِحبیب'' میں اخترہوشیارپوری کی دلی کیفیات میں عشقِ رسولﷺ او رمحبت و عقیدت کا پورا دریا سمویا ہوا ملتا ہے۔خیالی پلاؤ سے اخترہوشیارپوری اپنے کلام کو بالکل پاک و صاف رکھتے ہیں۔ اچھی او رپائیدار زبان اور اعلیٰ و مضبوط مضمون اور دیدہ زیب اندازِ بیان اخترہوشیارپوری کے نعتیہ کلام کا خاصا ہیں۔اپنے کلام میں اخترہوشیارپوری نہایت ہی سادہ، صاف، پاک اور پائیدار زبان استعمال کرتے ہیں۔

اختر ہوشیار پوری سادہ او رعام فہم زبان سے اپنے کلام کو قاری تک پہنچاتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے کلام میں ایسا اندازِ بیان پوشیدہ ہے کہ پڑھتے وقت موسیقیت کا احساس ہوتا ہے۔اعلیٰ اور اچھے الفاظ کے چناؤ میں اخترہوشیارپوری بھرپوری مہارت رکھتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری اپنے نعتیہ کلام میں الفاظ کا استعمال اس دلکش و دلفریب اورپُر وقار اندازمیں کرتے ہیں کہ جن کے سحر سے قاری نجات حاصل نہیں کر سکتا بلکہ ان کی قید میں ہو کر رہ جاتا ہے۔اختر ہوشیارپوری تعریفِ رسولﷺ اور شانِ مصطفیٰ ﷺ بیان کرتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے بھی قرآن مجید سے دور نہیں جاتے۔اس کے ساتھ ساتھ احادیثِ پاک کا دامن بھی سنبھال کر رکھتے ہیں۔نعت گوئی کے دوران اختر ہوشیارپوری جوش و جذبہ کو اپنی گرفت میں رکھتے ہیں نہ کہ حاوی ہونے دیتے ہیں۔نعت گوئی اخترہوشیارپوری عقل و فراست سے کرتے ہیں او رمبالغہ آرائی او رقیاس آرائی سے مکمل اجتناب کرتے ہیں۔اختر ہوشیار پوری نعت گوئی میں آدابِ رسول ﷺ او رمحبتِ رسولﷺ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھتے ہیں۔یہی اختر ہوشیارپوری کا طرہئ امتیاز ہے۔''خیر البشر'' کے ''حرفِ اول'' میں اختر ہوشیارپوری کہتے ہیں:

''میں نعت جوش سے نہیں ہوش سے کہتا ہوں مگر ہوش میں یہ کب
ممنوع ہے کہ اسم محمد ﷺ ہونٹوں پر آئے او رآنکھیں آنسوؤں سے وضو
نہ کریں۔''(۴۶)

نعت گوئی کے لیے جس طرح کی شاعری در کار ہوتی ہے اختر ہوشیار پوری اس کا علم رکھتے تھے او رہمیشہ ان قوائد و ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھا۔جس کی وجہ سے انھوں نے فنِ نعت گوئی کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی او رسرخرو ہوئے۔

مرثیہ نگاری

اختر ہوشیار پوری کا شمار اُردو ادب کے نام ور اور معروف شعرا میں ہوتا ہے اخترہوشیارپوری کو اس بات کا کمال حاصل ہے کہ انھوں نے تمام اصنافِ سخن میں اپنے جوہر دکھائے او رخوب پذیرائی حاصل کی۔ اخترہوشیارپوری کے ان جواہر کو غزل، نظم، ہائیکو،نعت اورسلام/مرثیہ کے رنگ میں جانچا جا سکتا ہے۔

سلام اور مرثیوں پر لکھا گیا اخترہوشیارپوری کا مجموعہ ''لہو رنگِ شام'' ۱۹۹۷ء میں زیورِ طباعت ہوا۔اس مجموعہ میں اختر ہوشیارپوری اہلِ بیت سے محبت و عقیدت کو بیان کرتے ہیں۔ آپ کو اہلِ بیت سے بے پناہ محبت و عقیدت ہے۔جس کا منہ بولتا ثبوت ''لہو رنگ شام'' ہے۔اس مجموعہ میں اخترہوشیارپوری نے واقعہ کربلا اور اس سے متعلق حالات و واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ اختر ہوشیار پوری کے کلام کی ہمیشہ سے ایک خوبی رہی ہے کہ اس نے اپنے اندر ایک خاص مقصد چھپائے رکھاہے۔اختر ہوشیارپوری کی نظم، غزل، ہائیکو اور نعت سب کے اندراصلاحی پہلو واضح کیا گیا ہے۔''لہو رنگِ شام'' میں بھی اختر ہوشیارپوری واقعہ کربلا کاذکر کر کے امام حسینؓ کی ذات و صفات کو آج کے نوجوانوں کے لیے نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری حضرت امام حسینؓ کی شان و شوکت اور عظمت و بزرگی کو خاص اہمیت دیتے ہیں اور ان سے اپنی محبت کو اپنے لیے باعثِ صدافتخار او رفخر سمجھتے ہیں۔

اختر ہوشیار پوری اپنے مجموعہ ''لہو رنگِ شام'' میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ نے ایثار و قربانی کی مثال قائم کی ہے۔اس حوالے کی روشنی میں اسلام کی خاطر کوئی بھی مسلمان جانی و مالی قربانی سے گریز نہیں کرے گا۔ہر ایک مسلمان حق کی خاطر مر مٹے گا۔

اردو غزل کا میدان ہو یا نظم گوئی، نبی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف میں نعت لکھی ہو یا حضرت امام حسینؓ کا مرثیہ یہاں تک کہ ہائیکو نگاری اختر ہوشیار پوری نے ہر میدان میں رنگ و نور کے ایسے گلِ کھلائے ہیں جو تادیر اُردو ادب کے میدان میں اپنی خوشبو بکھیرتے رہیں گے۔ اخترہوشیارپوری نے اپنے کلام کے ذریعے معاشرے میں پیدا ہونے والے چھوٹے چھوٹے واقعات کو بڑے حسن اور شگفتگی سے بیان کیا ہے جو کہ قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ قاری اختر ہوشیارپوری کے کلام کو پڑھ کر نہ صرف محظوظ ہوتا ہے بلکہ اس کیلئے اصلاح کے بھی بہت سارے پہلو نکلتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی غزلیں، نظمیں،نعتیں، ہائیکو نگاری اور مرثیہ نگاری گویا ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے موتیوں کی مالائیں ہیں جن کو جہاں بھی رکھا جائے توخوبصورت نظر آتی ہیں۔اختر

ہوشیارپوری ایک مثبت سوچ رکھنے والے شاعر تھے۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں یاسیت کا پہلو نہیں بلکہ رجائیت کا عنصر زیادہ نمایاں ہے۔وہ اپنے حال اور مستقبل کے چراغ ماضی کی روشنی سے روشن کرتے ہیں۔وہ روایت سے روگردانی نہیں کرتے بلکہ وہ روایت کو ساتھ لے کر جدّت میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔گویا وہ روایت اور جدّت کا امتزاج ہیں۔اختر ہوشیارپوری کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے۔ان کی شاعری میں محبت، سچائی اور حوصلہ افزائی کے پیغامات واضح انداز میں ملتے ہیں۔اختر ہوشیارپوری کے ہاں ناقدانہ اندازِ گفتگو ملتا ہے۔ان کی شاعری زمین سے جڑی ہوئی ہے۔ان کی شاعری میں مختلف کہانیاں سننے اور دیکھنے کو ملتی ہیں۔ان کی شاعری قاری کے لیے کئی فکری، فنی اور شعری دریچوں کو وا کرتی ہے۔ان جملہ اوصاف کی بنا پر اختر ہوشیارپوری کو اردو ادب کا ایک نمائندہ شاعر نہ کہا جائے تو یہ ان کے ساتھ انصاف نہیں ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ اختر ہوشیارپوری،''جہت''،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔۱۹۹۶ء، ص ۱۷۶

۲۔ ایضاً، ص۹۷

۳۔ اختر ہوشیارپوری، ''حرفِ ہنر''، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص۱۹

۴۔ ایضاً، ص ص۵۰،۴۹

۵۔ ایضاً، ص۱۵۵

۶۔ اختر ہوشیارپوری،حرف اوّل، ''تنگنائے غزل''۔الحمد پبلی کیشنز، لاہور۔۱۹۹۹ء،ص ۱۱

۷۔ ایضاً،ص۵۵

۸۔ ایضاً۔ص۹۲

۹۔ ایضاً،ص۳۰

۱۰۔ احمد ظفر،مضمون:''سمت نما''،مشمولہ:ماہنامہ اوراق، لاہور، مدیران:وزیر آغا، سجاد نقوی، جلد۹۲، شمارہ ۷،۸، جولائی اگست ۱۹۹۴ء،ص۴۶

۱۱۔ اختر ہوشیارپوری، ''آئینہ اور چراغ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۸۵ء،ص ۱۱

۱۲۔ اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ادبی اکیڈمی،راولپنڈی،۱۹۷۸ء،ص۱۳۹

۱۳۔ امین راحت چغتائی،مضمون:''اخترہوشیارپوری نقاد شاعر''،مشمولہ: ''ماہنامہ اوراق''، لاہور، جولائی،اگست ۱۹۹۴ء،خاص نمبر،جلد۲۹،شمارہ ۷،۸، ص۵۲

۱۴۔ اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، ص۱۲

۱۵۔ اخترہوشیارپوری،''جہت''،ص۹۷

۱۶۔ اخترہوشیارپوری،''شہر حرف''،ص۵۱

۱۷۔ اخترہوشیارپوری،''سمت نما''،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء،ص۱۳

۱۸۔ احمد ظفر، مضمون:''سمت نما''، مشمولہ ''اوراق''، لاہور، ص۴۴

۱۹۔ اخترہوشیارپوری،''حرف ہنر''،ص ص۴۰،۳۹

۲۰۔ ایضاً، ص۱۷

۲۱۔ اخترہوشیارپوری،''سمت نما''،ص۵۹

۲۲۔ اخترہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''،کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء،ص۱۲۸

۲۳۔ اخترہوشیارپوری،''حرف ہنر''،ص۸۷

۲۴۔ اخترہوشیارپوری،''علامت''،ص۸۶

۲۵۔ اخترہوشیارپوری،''سمت نما''،ص۱۵

۲۶۔ اخترہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''،ص۱۳۳

۲۷۔ اخترہوشیارپوری،''سمت نما''،ص۳۲

۲۸۔ اخترہوشیارپوری،''تنگنائے غزل''،ص۱۰۵

۲۹۔ اخترہوشیارپوری،''علامت''،ص۱۹

۳۰۔ اخترہوشیارپوری،''سمت نما''،ص۵۸

۳۱۔ اخترہوشیارپوری،''شب گزراں''،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص۱۶

۳۲۔ ایضاً، ص۱۷

۳۳۔ ایضاً، ص۱۰۰

۳۴۔ اخترہوشیارپوری،''شب گزراں''،ص۸۹

۳۵۔ ایضاً، ص۱۱۵

۳۶۔ اختر ہو شیارپوری، گذارشات، ''برگ گل''، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۵

۳۷۔ اخترہوشیارپوری،''میری ہائیکو میں''،مشمولہ: ''سرسوں کے پھول''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص۵

۳۸۔ ایضاً، ص ۸

۳۹۔ اخترہوشیارپوری،''برگ گل''،ص۱۰

۴۰۔ اخترہوشیارپوری،احوال،''برگ سبز''،ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء،ص۱۲

۴۱۔ اخترہوشیارپوری،متاع فقیر، ''مجتبیٰ''،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء،ص۹

۴۲۔ اخترہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۲۵

۴۳۔ اخترہوشیارپوری،''رسالت مآب''،الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء،ص۱۰۵

۴۴۔ اخترہوشیارپوری،''مجتبیٰ''،ص۹۵

۴۵۔ اخترہوشیارپوری،''برگ سبز''،ص۱۵۲

۴۶۔ اخترہوشیارپوری،حرف اوّل،''خیر البشر''،الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء،ص۱۰

اخترہوشیارپوری

ضمائم

حوالہ نمبر:1

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ

عزیز محترم اختر ہوشیار پوری

اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکری عظمتوں اور شعر و ادب میں تخلیقی رفعتوں سے نوازا ہے اور آپ نے بہ جہدِ مسلسل اور بہ سعیِ پیہم شعر و ادب سے ذہنِ ملت کو توانائیاں دی ہیں اور تعمیرِ پاکستان کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

ہم آپ کی خدمت میں

وثیقۂ اعتراف

پیش کرنے میں مسرت حاصل کرتے ہیں اور آپ کی فکری اور تخلیقی توانائیوں میں دوام اور آپ کی صحت و عافیت کے لیے دست بہ دعا ہیں۔

(شامِ ہمدرد ۱۹۹۴ء) حکیم محمد سعید

۱۹۹۴ء میں اختر ہوشیار پوری کے اعزاز میں گورنر سندھ حکیم محمد سعید (مرحوم) کی طرف سے پیش کیا گیا "وثیقہ اعتراف" کی سند کی نقل

حوالہ نمبر:2

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومتِ پاکستان

وزارتِ مذہبی امور

اسلام آباد

سندِ امتیاز

نہایت مسرت سے تصدیق کی جاتی ہے کہ محترم/محترمہ …

کی تالیف کردہ کتاب … بزبان … مقابلہ …

برائے سال … میں … انعام کی مستحق قرار پائی اور مؤلف موصوف/مؤلفہ موصوفہ کو

حکومتِ پاکستان کی طرف سے مبلغ … ڈالر/روپے بطور انعام دیئے گئے۔

نمبر …

تاریخ …

سیکرٹری

وزارتِ مذہبی امور حکومتِ پاکستان

اسلام آباد

جولائی ۱۹۹۸ء میں وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کی طرف سے اختر ہوشیارپوری کو ان کے نعتیہ مجموعہ پر ملنے والی "سند امتیاز" کی نقل

حوالہ نمبر:3

PRIME MINISTER

مکرم جناب

السلام علیکم!

امید ہے آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

مخلص
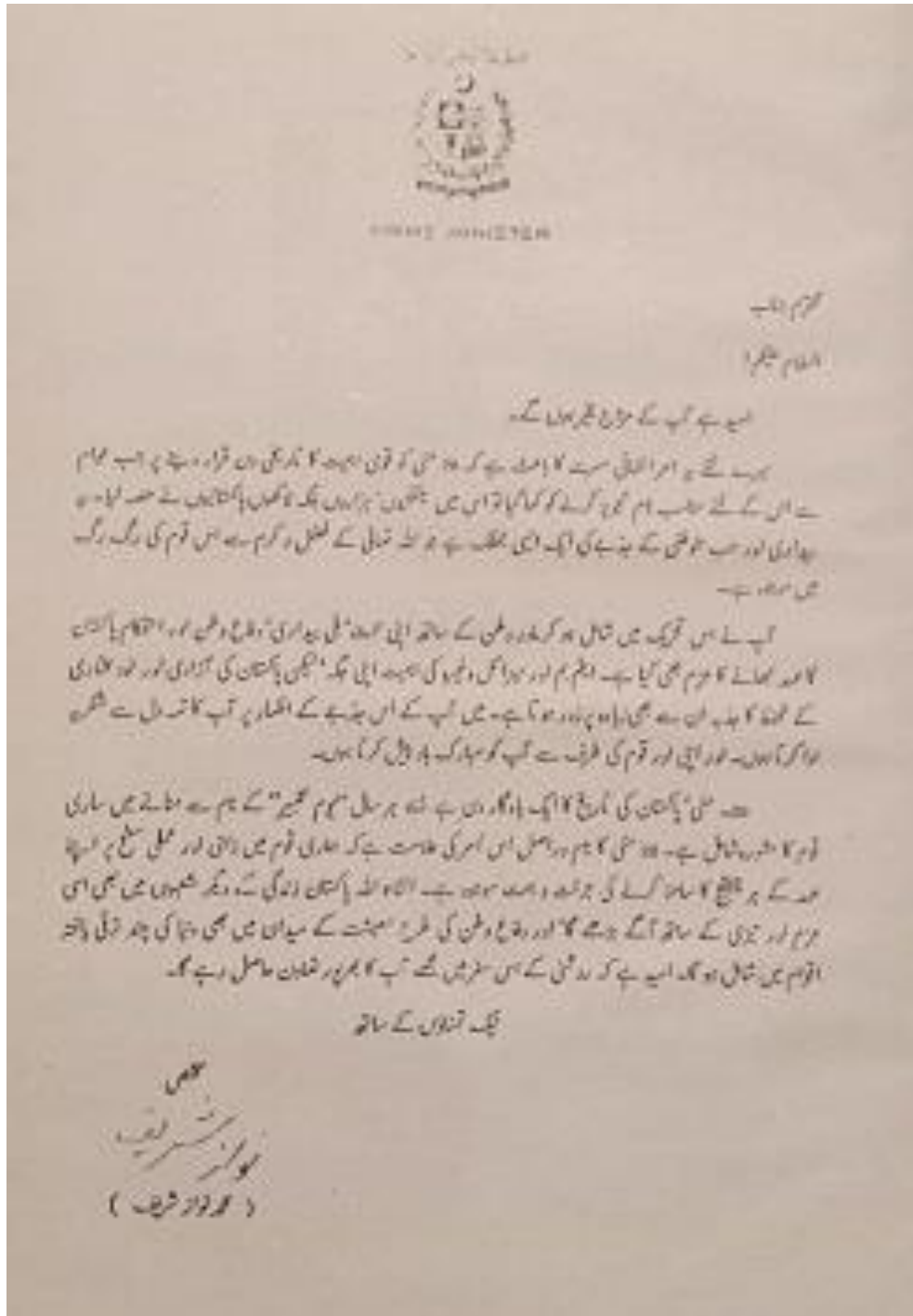
(محمد نواز شریف)

وزیراعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کی طرف سے اختر ہوشیار پوری کو بھیجا گیا خط جس میں اختر ہوشیار پوری کو سند امتیاز کے لیے مبارکباد پیش کی گئی

حوالہ نمبر:4

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حکومت پاکستان
کابینہ ڈویژن

حوالہ نمبر [illegible]-اعزازات

اسلام آباد مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۹۸ء

محترم جناب اختر ہوشیار پوری صاحب

السلام علیکم !

میں آپ کو نہایت مسرت کے ساتھ مطلع کر رہا ہوں کہ صدر پاکستان نے ۱۴ اگست ۱۹۹۸ء کو یوم آزادی کے مبارک موقع پر آپ کو "تمغۂ امتیاز" کا اعزاز عطا کیا ہے۔ یہ اعزاز پاکستان کے خصوصی گزٹ میں شائع کیا جا رہا ہے۔

۲- اب آپ اپنے نام کے بعد "تمغۂ امتیاز" یا اس کا مخفف "ٹی۔ آئی" لکھنے کے مجاز ہیں۔

۳- پروگرام کے مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۹۹ء یوم پاکستان کے موقع پر منعقد ہونے والی تقسیم اعزازات کی تقریب میں صدر پاکستان آپ کو "تمغۂ امتیاز" سے مزین کریں گے۔ اس تقریب میں شرکت کے لئے آپ کو دعوت نامہ اور انتظامات بروقت ارسال کر دیا جائے گا۔

مخلص
عبدالوحید قائمی
(اے۔ ڈبلیو قائمی)

جناب اختر ہوشیار پوری
مکان نمبر [illegible]، محلہ [illegible]،
راولپنڈی۔

کابینہ ڈویژن کی طرف سے بھیجا گیا خط کی نقل جس میں اختر ہوشیار پوری کو تمغہ امتیاز کے بارے میں معلومات دی گئیں۔

حوالہ نمبر:5

۲۳۔مارچ ۱۹۹۹ء کو صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ کی طرف سے اختر ہوشیارپوری کو دیا گیا "تمغۂ امتیاز" کی تصویر

حوالہ نمبر:6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں بحیثیت صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

جناب اختر ہوشیارپوری

کو ادب (شاعری) کے شعبہ میں امتیازی مرتبہ حاصل کرنے پر

تمغۂ امتیاز

کا اعزاز عطا کرتا ہوں۔

مقام: اسلام آباد

تاریخ: ذوالحج ۱۴۱۹ھ

۲۳ مارچ ۱۹۹۹ء
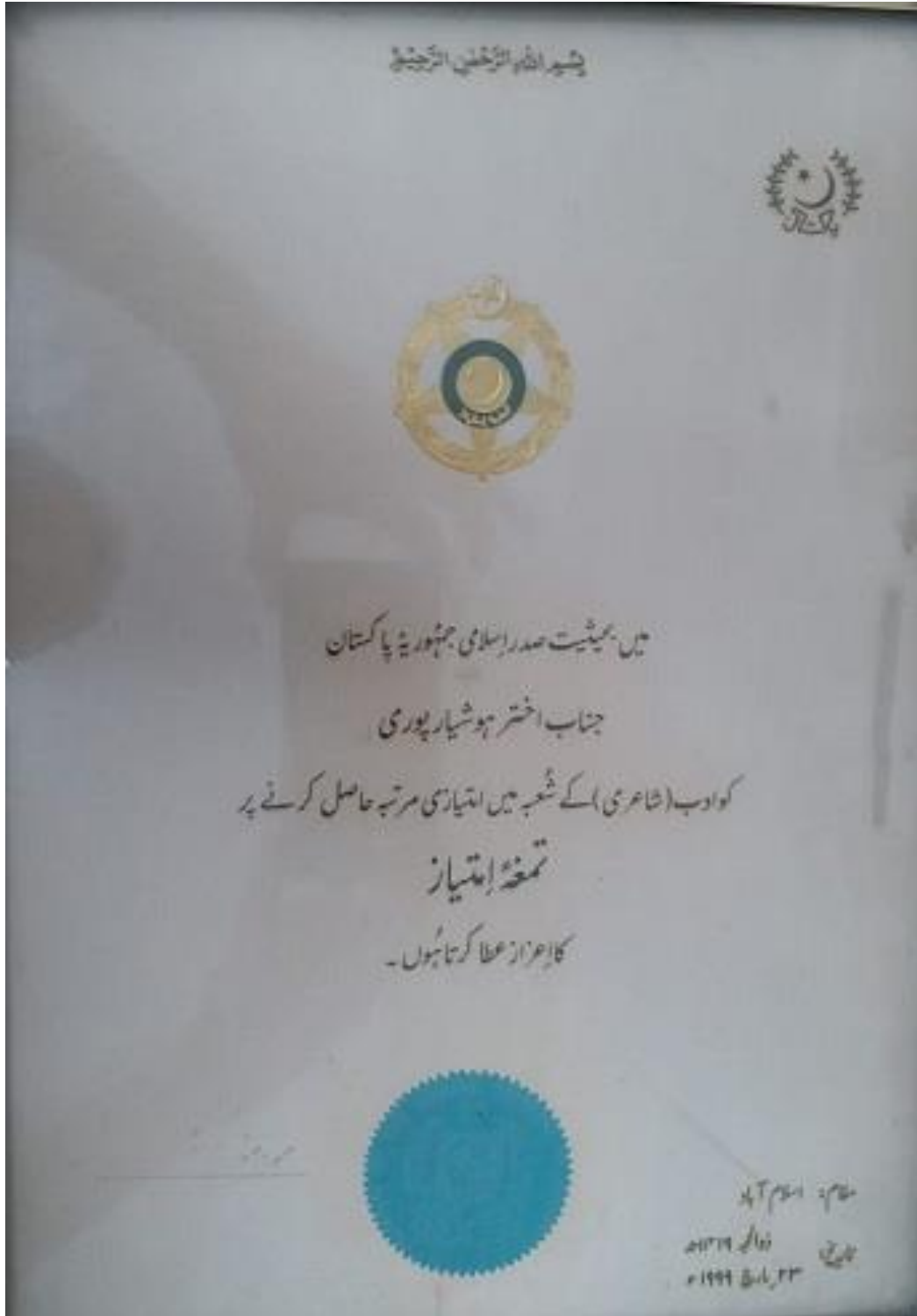
تمغۂ امتیاز کے ساتھ دی گئی سند کی نقل

حوالہ نمبر:7

۵جون ۲۰۰۱ء کو چیف ایگزیکٹو جناب جنرل پرویز مشرف کی طرف سے اختر ہوشیارپوری کو ان کے نعتیہ مجموعہ "خیر البشر" پر انعام اور سند عطا کی گئی۔ یہ انعام اور سند اختر ہوشیارپوری کی بیٹی نے وصول کیا۔اس موقع پر لی گئی تصویر

حوالہ نمبر:8

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکومت پاکستان
وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر
اسلام آباد

نمبر ۱۲۱۳/ ... /۲۰۰۱ء

سندِ امتیاز

تصدیق کی جاتی ہے کہ محترم/محترمہ ... کی تالیف کردہ
کتاب ... بزبان اردو مقابلہ کتب سیرت
برائے سال ۲۰۰۱ء میں ... انعام کی مستحق قرار پائی اور مؤلف/مؤلفہ موصوف/موصوفہ کو
حکومت پاکستان کی طرف سے مبلغ دس ہزار (۱۰۰۰۰/-) روپے بطور انعام دیئے گئے۔

تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
۱۰ جون ۲۰۰۱ء

محمد ... قدوائی
سیکرٹری
وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر
حکومت پاکستان
اسلام آباد

نعتیہ مجموعہ "خیر البشر" پر دی گئی "سند امتیاز" کی نقل

حوالہ نمبر:9

سند امتیاز

تصدیق کی جاتی ہے کہ محترم / محترمہ اختر ہوشیار پوری کی کتاب / کتب / مقالہ

بعنوان خاتم المرسلین

مقابلہ کتب نعت (اردو) برائے سال 2006 میں اوّل

انعام کے اعزاز کا / کی مستحق قرار پایا / پائی اور مولف / مولفہ موصوف / موصوفہ

کو حکومت پاکستان کی طرف سے مبلغ 30,000/- روپے بطور انعام دیے گئے

تاریخ ۱۲ ربیع الاول

۱۱ اپریل

سیکرٹری

Ahmad Khan)

Secretary

Ministry of Religious Affairs

Islamabad

۱۳۔اپریل ۲۰۰۲ءکووزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان کی طرف سے اختر ہوشیار پوری کوان کے نعتیہ مجموعہ "خاتم المرسلین" پر دی گئی سند امتیاز

حوالہ نمبر:10

اکادمی ادبیات پاکستان
(وفاقی وزارت تعلیم، حکومت پاکستان)
پطرس بخاری روڈ، سیکٹر ایچ ۸/۱، اسلام آباد

حوالہ نمبر [illegible] مطبوعات

تاریخ ۱۹۹۱

مکرمی و محترمی اختر ہوشیار پوری
السلام علیکم

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد نے ملک کی ممتاز شخصیات کے فن و شخصیت کے حوالے سے ان کے دوست اہل قلم سے سوانحی خاکے لکھوانے کا کام شروع کیا ہے۔ سلسلے کا نام "پاکستانی ادب کے معمار" ہے۔ آپ کی علمی اور فنی صلاحیتوں کے اعتبار سے پاکستانی ادب میں آپ کا ایک منفرد مقام ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ وطن عزیز کے کالج و یونیورسٹی کے طلباء و طالبات نیز ادب کے عام قارئین کے لئے تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ایک خوبصورت کتاب شائع کی جائے تاکہ اسے پڑھ کر پڑھنے والے کے ذہن میں آپ کی شخصیت کا خاکہ واضح ہو جائے۔

ہم نے آپ کا علمی خاکہ لکھوانے کے لئے "رشید نثار" کا نام منتخب کیا ہے تاہم اگر آپ اس ضمن میں اپنے کسی اور ادیب دوست کا نام پیش کرنا چاہیں تو ہمیں اس کی خوشی ہو گی۔ اس خط کی ترسیل کا مقصد آپ سے اس کام کی اجازت طلب کرنا اور اس ضمن میں رہنمائی حاصل کرنا ہے۔

ہمیں آپ کے مثبت اور فوری جواب کا انتظار رہے گا۔

آپ کا مخلص
[illegible]
افسر مطبوعات
فون نمبر [illegible]

جناب اختر ہوشیار پوری صاحب،
راولپنڈی۔

اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کی طرف سے اختر ہوشیار پوری کو بھیجے گئے خط کی نقل جس میں اختر ہوشیار پوری کے فن پر کام کی اجازت طلب کی گئی۔

حوالہ نمبر:11

ادبی تنظیم "پیاس" کی طرف سے اختر ہوشیار پوری کو "نشان ادب" کے نام سے دی گئی شیلڈ کی نقل

حوالہ نمبر:12

"بزم احباب قلم" کی طرف سے اختر ہوشیار پوری کو دی گئی شیلڈ کی نقل

حوالہ نمبر:13

۲۰اپریل ۲۰۰۵ءکو اختر ہوشیار پوری کی اپنی سالگرہ کے موقع پر کیک کاٹتے ہوئے تصویر

ترا خاورِ درخشاں تا ابد رہے شگفتہ و فروزاں
تری صبحِ نور افشاں کبھی شام تک نہ پہنچے
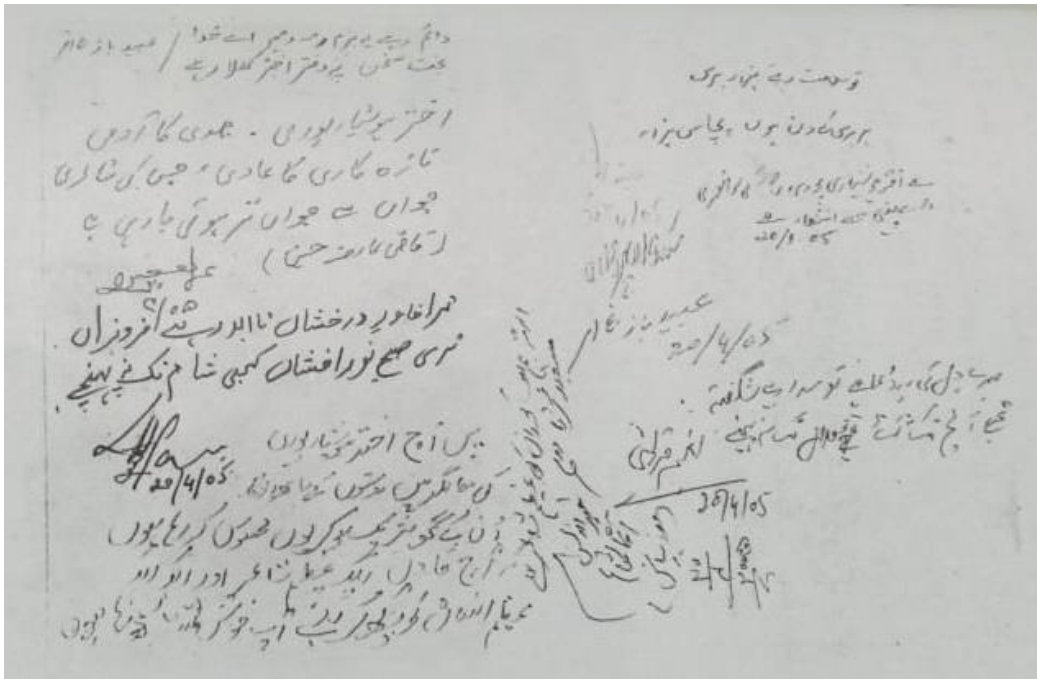
سالگرہ کے کارڈ کی نقل جس پر ان کے دوستوں نے اظہار خیال پیش کیا

حوالہ نمبر:14
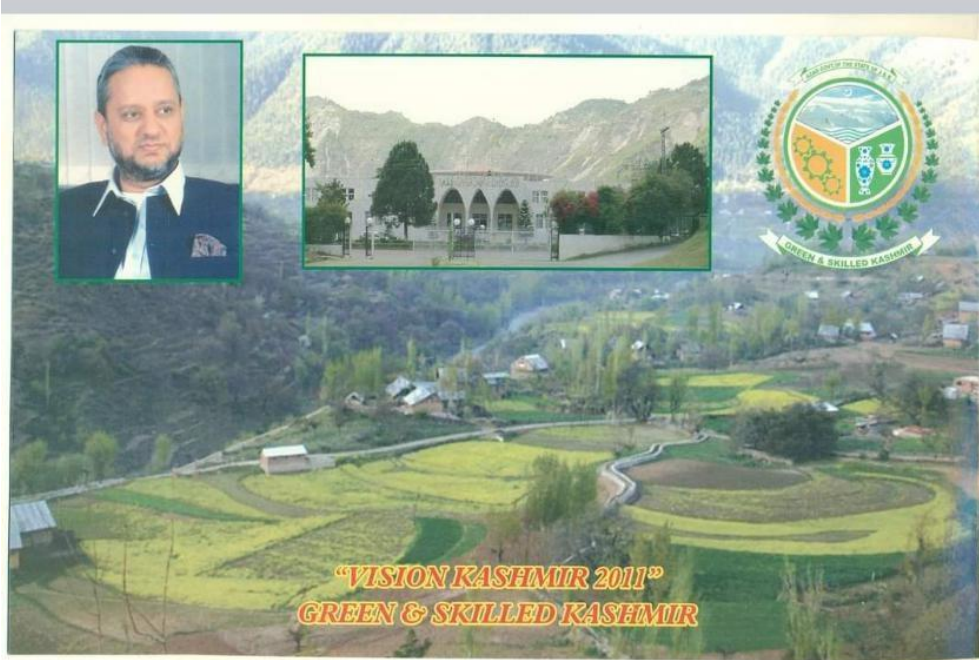
Share

Real happiness of Eid for us will be on the Day when our enslaved brethren in Occupied Kashmir join celebrations with us in an atmosphere of freedom

Eid Greetings

Sardar Attique Ahmed Khan
PRIME MINISTER
Azad Govt. of the State of
Jammu and Kashmir

وزیراعظم آزاد کشمیر جناب سردار عتیق احمد کی طرف سے اختر ہوشیارپوری کو بھیجے گئے ایک عید کارڈ کی نقل

کتابیات

کتابیات

بنیادی ماخذ:

اختر ہوشیارپوری،''آئینوں کے ساتھ''، کتاب ساز پبلی کیشنز، لاہور، راولپنڈی، ۲۰۰۵ء
اختر ہوشیارپوری،''آئینہ اور چراغ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء
اختر ہوشیارپوری، ''برگ سبز''، ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء
اختر ہوشیارپوری،''برگ گل''، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء
اختر ہوشیارپوری، ''پیش آہنگ''، مونال پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۰ء
اختر ہوشیارپوری، ''تنگنائے غزل''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء
اختر ہوشیارپوری،''جہت''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء
اختر ہوشیارپوری،''حرف ہنر''، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء
اختر ہوشیارپوری،''خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء
اختر ہوشیارپوری،''خیر البشر''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء
اختر ہوشیارپوری،''رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء
اختر ہوشیارپوری، ''سرسوں کے پھول''، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء
اختر ہوشیارپوری، ''علامت''، ادبی اکیڈمی، راولپنڈی، ۱۹۷۸ء
اختر ہوشیارپوری،''سمت نما''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء
اختر ہوشیارپوری،''شب گزراں''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء
اختر ہوشیارپوری،''شہر حرف''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء
اختر ہوشیارپوری،''گئی رات کے خواب''، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء
اختر ہوشیارپوری،''لہو رنگ شام''، فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ۱۹۹۷ء
اختر ہوشیارپوری،''مجتبیٰ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء
اختر ہوشیارپوری،''مسافتیں''، مونال پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۱ء

تحقیقی و تنقیدی کتب:

ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ''ادبی اصلاحات کا تعارف''،اسلوب،لاہور، ۲۰۱۵ء

ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ''تفہیم و تحسین شعر''، سنگت پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء

ابو الخیر کشفی، ڈاکٹر، ''نعت اور تنقید نعت''، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی،۲۰۰۹ء

اختر ہوشیار پوری،''لہو رنگ شام''، فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی،۱۹۹۷ء

فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،اردو شاعری کا فنی ارتقاء''،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۶ء

اسد ادیب،ڈاکٹر،''نقدِ انیس''،جدید بک ڈپو، لاہو ر، ۱۹۶۷ء

اسدادیب، ڈاکٹر،''اردو مرثیے کی سر گزشت:آغاز سے زمانہ حال تک''، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۸۹ء

اشفاق ورک، ڈاکٹر،''کلید اردو''،کاروان بک ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۴ء

اصغر گونڈوی(منتخب کلام)،نجیبہ عارف(انتخاب)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء

افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، ''عروج اقبال''، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۷ء

افتخار حسین بخاری،سید، پر وفیسر''قصیدہ، مرثیہ، رباعی، قطعہ اور دیگر اصناف''علی کتا ب خانہ، لاہور، ۱۹۶۶ء

الطاف حسین حالی،کلیات حالی''،ترتیب و تدوین:خواجہ محمد زکریا،الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء

انو رسعید،ڈاکٹر،''اُردو ادب کی مختصر تاریخ''،دسواں ایڈیشن،عزیز بک ڈپو،لاہور، ۲۰۱۴ء

انور جمال،پروفیسر، ''ادبی اصطلاحات''نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آبا د،۲۰۱۵ء

توقیر سلیم خان، ''اقبال کی شخصیت کا نفسیاتی جائزہ''، شیر ربانی پریس، لاہور، ۱۹۹۱ء

حامد حسن قادری ''مختصر تاریخ مرثیہ گوئی''، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۹ء

خالد علوی، ڈاکٹر،''پاکستان میں غزل کے چند اہم رجحانات''، اُردو اکامی، دہلی، ۱۹۹۴ء

رشید نثار،ڈاکٹر،''اختر ہوشیارپوری(شخصیت اورفن)''،فیض الاسلام پرنٹنگ پریس،راولپنڈی، ۲۰۰۳ء

رشید وارثی،''اردو نعت اور شاعرانہ تعلی''،نعت رنگ، کراچی، ۱۹۹۷ء

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،''اصناف ادب''،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۱ء

ریاض مجید، ڈاکٹر،''اردو میں نعت گوئی''،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور، ۱۹۹۰ء
سعد اللہ شاہ(مؤلف)،''پہچان نعتیں''،لائف کارڈ پرنٹرز، لاہور،س ن
سلیم اختر، ڈاکٹر،''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء
شبلی نعمانی، مولانا، ''موازنہ انیس ودبیر''، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۴ء
شمیم حیدر ترمذی،ڈاکٹر،"ریاض نعت اور نوال مصطفی"،مشمولہ:"ذکر شہ والا"،از سید ریاض حسین زیدی،الاشراق پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء
ضیاء الحسن،ڈاکٹر،''جدید اردو نظم: آغاز و ارتقا''،سانجھ پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۱۲ء
طلعت حسین نقوی، ڈاکٹر،''نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری''،ایجوکیشنل پبلشنگ،دہلی،۲۰۰۷ء
عابد علی عابد، ''اصول انتقادِ ادبیات'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء
عابد علی عابد،''البدیع''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء
عاصی کرنالی، ڈاکٹر،''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر''، اقلیم نعت، کراچی،۲۰۰۰ء
عائشہ سلام،''جناب اختر ہوشیارپوری(حیات و خدمات)،فیض الاسلام پرنٹنگ پریس،راولپنڈی، ۲۰۱۱ء
عبدالحئ علوی، پروفیسر، ''اصول نفسیات''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر،''اردو کی نعتیہ شاعری''،الوقار پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۱۲ء
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ''،الوقار پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۰۷ء
محمد حسن،ڈاکٹر، ''جدید اردو ادب''،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی،۱۹۷۵ء
محمد حیات خان سیال، پروفیسر،''ہمارے نثر نگار و شاعر''، الائیڈ بک سنٹر،لاہور،۱۹۹۵ء
نعیم صدیقی،''المودودی''، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۸ء
نوشابہ سمیع، ''رموز معروضیت اردو''، فاروق سنز، لاہور، ۲۰۰۷ء
وزیر آغا، ڈاکٹر،''اردو شاعری کا مزاج''، جدید ناشرین چوک،لاہور،۱۹۶۵ء
یوسف حسین خاں، ڈاکٹر، ''اردو غزل''، آئینہ ادب، لاہور،۱۹۶۴ء

اخبارات/رسائل و جرائد

ادبیات، اسلام آباد،مدیر: خالد اقبال یاسر، جلد ۱، شمارہ ۴،،اپریل تا جون۱۹۸۸ء
ادبیات،اسلام آباد، مدیر: خالد اقبال یاسر، جلد۳، شمارہ ۰۱،۱۱،۲۱، اکتوبر تا جون۱۹۹۰ء
اوراق،لاہور،مدیران:وزیر آغا،سجاد نقوی،جلد ۰۲،شمارہ۷،۸، ۱۹۸۴ء
اوراق،لاہور،مدیران:وزیر آغا،انور سدید،سجاد نقوی، جلد۵۱، شمارہ ۱،۲،۱۹۸۹ء
اوراق، لاہور،مدیران: وزیر آغا، سجاد نقوی، جولائی۔اگست ۱۹۹۴ء،خاص نمبر جلد:۲۹، شمارہ: ۷،۸
اوراق، لاہور،مدیران:وزیر آغا، سجاد نقوی، جولائی۔اگست ۱۹۹۶ء،خاص نمبر،جلد:۳۱شمارہ: ۷،۸
چہار سو، راولپنڈی، مدیران: سید ضمیر جعفری،گلزار جاوید،جلد۶،شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۷ء
چہارسو، راولپنڈی،مدیران:سید ضمیر جعفری،گلزار جاوید، جلد۶، شمارہ مئی ۱۹۹۳ء
دائرے، کراچی،مدیر:حسنین کاظمی، جلد ۴، شمارہ ۶، جون ۱۹۸۹ء
روزنامہ پاکستان،اسلام آباد،ادبی ایڈیشن،۲۳۔اپریل۱۹۹۹ء
روزنامہ نوائے وقت''،اسلام آباد، ادبی ایڈیشن،یکم دسمبر ۱۹۹۸ء،
مخزن،مدیر:وحید قریشی،ڈاکٹر، لاہور، جلد۷، شمارہ ۱۰، ۲۰۰۷ء
نیرنگ خیال، راولپنڈی، مدیر:سلطان رشک، جلد ۸۱، شمارہ ۷، جولائی ۲۰۰۵ء
وائس آف رائٹرز، راولپنڈی، اپریل تا مئی ۲۰۰۹ء

لغات،فرہنگ، ڈکشنریز(اردو، انگریزی)، انسائیکلو پیڈیا

The New webster encyclopedia dictionary, Consalated book publishers, Chicago, 1980

''اردو انسائیکلو پیڈیا''، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۴ء
انور جمال، پروفیسر،''ادبی اصطلاحات''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء
شان الحق حقی،''فرہنگ تلفظ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
فیروز الدین، مولوی،''فیروز اللغات''، فیروز سنز،لاہور، ۲۰۰۵ء

قاسم محمود،سید، ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا''، جلد دوم، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۸ء
قائم رضا نسیم،سید،''نسیم اللغات''، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، ۱۹۹۶ء
محمد عبداللہ خاں، خویشگی،''فرہنگ عامرہ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
میر احمد دہلوی،''فرہنگ آصفیہ''، اردو سائنس بورڈ،لاہور، ۲۰۱۰ء
نور الحسن نیر، مولوی،''نور اللغات''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۱۹۸۹ء
ہارون الرشید تبسم، ''ادبی اصطلاحات''، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۷ء

غیر مطبوعہ مقالات

ثمینہ یاسمین، ''اختر ہوشیارپوری بحیثیت غزل گو شاعر''،مقالہ:ایم اے اردو، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء
طارق عزیز،''ناصر حسین چشتی نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ''،مقالہ:ایم فل اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ۲۰۱۳ء
عبیدہ رضوی، ''اختر ہوشیارپوری کی ادبی خدمات''،مقالہ:ایم فل، اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد،۲۰۰۳ء
غلام یاسین،''سید قائم مہدی لکھنوی کی شعری خدمات''،مقالہ:ایم فل اردو،اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۰۷ء
مسعود یو سف، رانا،''ڈاکٹر محمد امین شخصیت وفن''،مقالہ: ایم فل اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۰۶ء